UNIVERSAL
LIBRARY
OU-234188
UNIVERSAL
LIBRARY

١١٠

کتب خانہ آصفیہ دکن حیدرآباد
۲۴۲
۱۳



پس نوشتم ز کلک مشک سرشت
نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

۱۹۰

مثنوی

ہشت بہشت

حضرت امیر خسرو دہلوی

بہ تصحیح و تنقید و تحشیہ جناب مولانا سید سلیمان اشرف صاحب پروفیسر
مدرسۃ العلوم علی گڑھ

باہتمام محمد مقتدی خاں شروانی
مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوئی
۱۹۱۸ء ۱۳۳۶ھ

انتساب

یہ سلسلہ نہایت فخر و مباہات کے ساتھ حسب
اجازت علیحضرت بندگانِ عالی متعالی ہز اگزالٹڈ
ہائنس آصف جاہ مظفر الممالک نظام الملک نظام الدولہ
نواب میر سر عثمان علی خاں بہادر
فتح جنگ جی سی ایس آئی جی سی بی خلد اللہ ملکہ
و سلطانہ و ادام اقبالہ کے نامِ نامی و اسمِ سامی
کے ساتھ منسوب و معنون کیا جاتا ہے

ہشت بہشت

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
التماس	۱
مقدمہ	
شاعری	
مدارج نطق	۱
شعر اور شاعر	۴
اجزا و لوازم و شرائط شعر	۵
بلاغت	۶
سلاست	۸
سہلیت	۱۰
جوش	۱۰
فارسی شاعری	
اقسام شاعری	۱۰
قدیم و جدید زبان	۱۲
اردو کی مثال	۱۳
فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر	۱۴
فارسی اصطلاحات شعریہ	۲۱
آب و ہوا کا اثر شاعری پر	۲۳
عربی شاعری کی بنیاد کمالات ذاتی پر ہے	۲۶
آب و ہوا کا ایک اور اثر	۲۹
عربی قصائد کے چند اور لوازم	۳۰
مناظر قدرت	۳۰
فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی	۳۲
اردو شاعری کی حالت بطور مثال کے	۳۵
سادگی کی تاثیر	۳۶

مضمون	صفحہ
طمع زر کا اثر جذبات پر	۳۸
فردوسی اور اسدی طوسی	۴۰
دوسرا دَور	۴۲
تیسرا دَور	۴۴
پانچویں صدی کی شاعری	۴۴
چوتھا دَور	۴۶
فارسی شاعری کی لفظی و معنوی خصوصیات	۴۸
جوہر ذاتی کا فقدان	۴۹
ایرانی شاعری کی خصوصیات ایجابی	۵۱
مدارج محل محبت مختلف ممالک میں	۵۲
خط و سبزہ کے مضامین	۵۴
انثھا اکبر من نفھا	۵۴
رقیب و رقابت کے مضامین	۵۵
بہار کا نمونہ خزاں میں	۵۸
فارسی الفاظ	۵۹
حضرت امیر خسرو کی شاعری	
خسرو اور انواع کمال	۶۱
کلام خسرو اور ہر دَور کے محاسن	۶۲
خسرو شاعر گر تھے	۶۳
کلام خسرو کا ناصحانہ پہلو	۶۴
تواضع و خاکساری	۶۵
ہنر کی رغبت اور کاہلی کی برائی	۶۵
بلندی ہمت و پستی حرص	۶۶
شرافت انسانی اور ایک جاں نواز نصیحت	۶۷
جوہر ذاتی چاہیئے نہ آبائی	۷۰
خسرو کا تصوف	۷۰
تصوف کا پہلا شعبہ یعنی الٰہیات	۷۱
تصوف کا دوسرا شعبہ	۷۳
تصوف کا تیسرا شعبہ	۷۵
تخیل کا کمال اور کلام میں درد	۷۶
کلام میں درد آگینی کی وجہ	۷۷
تاثیر کلام	۸۰
خسرو کی غزل سرائی	۸۱
صنف غزل میں خسرو کے اضافے	۸۳
غزل کا دوسرا دَور	۹۲
مثنوی	۱۰۶
اصناف نظم میں مثنوی کی قدامت	۱۰۶

مضمون	صفحہ
مثنوی کے اقسام	۱۰۶
رزم اور فردوسی	۱۰۷
فردوسی و یوسف زلیخا	۱۰۷
مولٰنا نظامی اور مثنوی	۱۰۸
مولٰنا نظامی کی جامعیت	۱۰۹
مثنوی میں نظامی کی خصوصیات	۱۰۹
مولٰنا نظامی کی جامعیت بمقابلۂ فردوسی	۱۱۵
خمسۂ نظامی کا سو برس تک جواب نہو سکا	۱۱۶
خسرو کا احسان اور مثنوی کی دوبارہ زندگی	۱۱۷
صنف مثنوی پر احسان خسروی کی تفصیل	۱۲۰
بحور مثنوی میں ازدیاد	۱۲۰
عنوان میں جدت	۱۲۰
مثنوی میں صحیح دلچسپیِ تاریخ	۱۲۲
سلاست	۱۲۳
شاعری میں مذہب و علم کا لحاظ	۱۲۴
وصف نگاری کا ایجاد	۱۲۴

مضمون	صفحہ
سلاطین میں خسرو کی مثنویوں کی قدردانی	۱۲۵
ملک و قوم میں قدردانی	۱۲۷
سلسلۂ تعلیم میں مقبولیت	۱۲۸
قران السعدین کی پسندیدگی کی وجہ	۱۲۹
مثنوی خضرخاں و دیول دئی کا اجمالی بیان	۱۳۰
قطعہ و رباعی	۱۳۲
قطعات	۱۳۳
رباعیات	۱۳۵
صنائع و بدایع	۱۳۷
ترکیب الفاظ سے لحن	۱۳۷
الفاظ ہندی کا استعمال	۱۳۹
اقتباس آیات قرانی	۱۳۹
فصل بہار	۱۴۰
خود اپنے کلام کی تنقید	۱۴۰
تواضع و ہضم نفس	۱۴۱
نظامی سے اظہار عقیدت اور اُن کے کمال کا اعتراف	۱۴۲
متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف	۱۴۵

مضمون	صفحہ
(۱) امیر حسن علاء سجزی	۱۴۵
(۲) کاتبی نیشاپوری	۱۴۶
(۳) امیر شاہی سبزواری	۱۴۶
(۴) مرزا محمد طاہر آشنا	۱۴۶
(۵) ظہوری	۱۴۷
(۶) خواجو کرمانی	۱۴۷
(۷) مولنا جامی کی تین شہادتیں	۱۴۸
(۸) امیر ہاشمی کرمانی	۱۴۹
(۹) ضیاء برنی	۱۵۰
(۱۰) داراشکوہ	۱۵۱
(۱۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح	۱۵۱
(۱۲) دولت شاہ سمرقندی	۱۵۲
(۱۳) آزاد بلگرامی	۱۵۳
(۱۴) شعر العجم	۱۵۴
خسرو کا حاسد عبید شاعر	۱۵۵
عبید کا افساد اور اُس کا انجام	۱۵۸
خسرو کا اتباع اور اہل زبان	۱۵۹
ایک سطحی اعتراض اور اُس کا جواب	۱۵۹
جواب کا دوسرا حصہ	۱۶۲
خسرو اور مجتہدانہ طبیعت	۱۶۳

مضمون	صفحہ
نظامی و خسرو کا مقابلہ	۱۶۵
نظامی کی فارغ البالی	۱۶۶
مثنوی ہشت بہشت	
مثنوی کی بنا اور اُس کے ادوار	۱۶۹
مثنوی ہشت بہشت	۱۶۹
مثنوی بمقابلہ دیگر اصناف نظم کے	۱۷۰
مثنوی ہشت بہشت کا درجہ	۱۷۲
مثنوی ہشت بہشت کے قصے	۱۷۳
حمد	۱۷۸
قدرت کا بیان	۱۷۸
کمال صنعت	۱۸۰
ایجاد و انعام	۱۸۰
ترغیب طاعت اور انعام الٰہی	۱۸۱
نعت	۱۸۲
میم کا نکتہ	۱۸۲
بقا فی الفنا	۱۸۵
منقبت اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین	۱۸۶
مدح شیخ طریقت	۱۸۶
رہنما کی تعریف اور ولی کی شناخت	۱۸۸

مضمون	صفحہ
کمال عشق اور قوت تکمیل	۱۹۰
برادران طریقت کی مدح	۱۹۲
دعا اور باہمی اتحاد	۱۹۳
نصیحت بسلطان علاء الدین خلجی	
نصیحت بدختر نیک اختر	
خسرو کی جدت اور ایک دلچسپ بحث	۱۹۹
فلسفہ جذبات اور شیکسپیر کے ڈرامے سے مثال	۲۰۰
خسرو اور زبان عوام کی ترجمانی	۲۰۱
اصلاح عوام اور صنعت التفات	۲۰۳
گراں بہا دلائل سے صنف نازک کی اہمیت	۲۰۴
نصیحت کا شفقت آمیز حصہ	۲۰۵
مطلع الانوار سے تائید مزید	۲۰۶
خسرو اور نکات نصیحت	۲۰۷
عصمت و عفت کی تاکید	۲۰۸
طاعت و عبادت	۲۰۹
حیا و پردہ	۲۰۹
جھولا اور سرود	۲۱۰

مضمون	صفحہ
حد سے زیادہ بناؤ سنگار	۲۱۰
خانہ داری و کفایت شعاری	۲۱۱
ہنر و دستکاری	۲۱۱
امرا کا اثر متوسط و غربا پر	۲۱۲
نئی تہذیب کا اعتراض	۲۱۳
ناصح کی شان	۲۱۳
ایام سلف کی برکات	۲۱۵
حاصل جواب	۲۱۶
عود بالوصل	
بیان حسن کنیز چینی	۲۱۸
قدر اندازی بہرام	۲۱۸
گنبد مشکیں بہشت دوم	۲۱۹
واقعہ نگاری اور تسلسل	۲۲۲
حیثیت شخصی کا لحاظ	۲۲۵
جذبات عاشق و معشوق اور اُن کے لوازم	۲۳۰
لیل و نہار	۲۳۳
وصل و وصال	۲۳۴
جزئیات داستان نگاری	۲۳۶
وصف معشوقہ	۲۳۶
باغ و صحرا	۲۳۷

مضمون	صفحہ
تشبیہ و استعارے	۲۳۸
بہشت سوم	۲۳۹
〃 چہارم	۲۳۹
〃 پنجم	۲۴۰
〃 ششم	۲۴۱
〃 ہفتم	۲۴۲
مقابلہ ہفت پیکر و ہشت بہشت	
حمد	۲۴۷
حمد کے ارکان	۲۴۷
مسئلہ وجوب و قدم	۲۴۸
وحدت الوجود	۲۵۱
ربوبیت	۲۵۳
مدعا طرازی	۲۵۵
نعت شریف	۲۵۸
منقبت	۲۶۶
معراج	۲۶۷
سیر عرش	۲۷۰
مقام قاب قوسین	۲۷۱

مضمون	صفحہ
مقام وصل و صال تکمیل و کمال	۲۷۲
رجوع بعالم صورت	۲۷۵
مدح سلطان	۲۷۶
سبب نظم کتاب	۲۸۲
آغاز قصہ بذکر بہرام	۲۸۸
تیر اندازی بہرام	۲۸۹
صفت اسپ	۲۹۰
زندہ گرفتاری گور	۲۹۱
واقعہ نگاری	۲۹۳
ایک اور موقع	۲۹۷
موضوع کتاب اور اُس کے اجزاء	۲۹۹
ہفت منظر ہاتفی	۳۱۳
خواجو کرمانی	۳۱۵
تائید تنقید از بہارستانِ جامی	۳۱۹
اعجاز سخن اور فیض شیخ	۳۲۲
بالخیر تمت	

مضمون	صفحہ
متن	
حمد	۱
نعت	۵
معراج	۹
مدح شیخ	۱۱
مدح سلطان	۱۵
پند بہ پادشاہ	۱۷
سبب نظم کتاب	۲۱
نصیحت بدختر	۲۶
صفت دلارام	۳۲
خشم گرفتن بہرام بادلارام	۳۸
تعمیر ہفت گنبد برائے بہرام	۴۸
بہرام در گنبد مشکین	۵۶
افسانہ گفتن حوراں قصر بے قصور	۵۷
ورود بہ گنبد زعفرانی	۷۵
افسانہ گفتن ماہ زعفرانی پوش	۷۶
درآمدن بہرام در گنبد ریحانی	۹۵
افسانہ گوئی سبز پوش مسیحادم	۹۶
گلگشت بہرام در گنبد گلناری	۱۱۰

مضمون	صفحہ
افسانہ عاشقانہ سرخ روے ایں برج - - - - - - -	۱۱۲
آرام گیری بہرام در گنبد بنفشہ فام - - - - - -	۱۳۷
افسانہ سرائی سرو آزاد ایں قصر آباد - - - - - -	۱۳۸
صندلی نہادن بہرام در گنبد صندلی - - - - - -	۱۶۸
افسانہ گفتن شجرۂ معطرۂ آں گنبد - - - - - -	۱۷۹
معطر کردن بہرام گنبد کافوری را - - - - - -	۱۹۱
افسانہ گفتن لعبت کافوری - - - - - - -	۱۹۳
آہنگ بہرام سوے گور - - - - - - -	۲۱۲
باتمام رسیدن عمارت آرائی و افسانہ سرائی - - - -	۲۱۹
در شکر گزاری جناب باری - - - - - -	۲۲۴

التماس

فقیر کے جو خدمت کہ سپرد کی گئی تھی اُس میں کہاں تک کامیابی ہوئی اس کے متعلق صرف اسقدر گزارش ہے کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ چاہا اور جیسا کچھ چاہا وہی ہوا۔ اگر مضمون تشنہ ہے یا بیان ناقص تو یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اس کا اکمال کسی اور کے قلم سے مقدر ہو چکا ہے۔ یہ سعادت جب کہ میرے حصّہ میں نہ تھی تو پھر اُس کا تکملہ میرے ہاتھوں سے کیونکر ہوتا۔ کوئی اللہ کا بندہ لکھ کر طالبین کی پیاس بجھا دیگا۔ فقیر گوشہ نشین بھی اُس سے استفادہ کر لیگا۔ اس کے بعد یہ گزارش ہے کہ پہلے محض تنقید بہشت بہشت کا کام سپرد ہوا تھا۔ اُس کے بعد کتاب کی تصحیح متعلق ہوئی۔ لیکن دل یہ چاہتا تھا کہ اس ایک کتاب کی تنقید مفصل اور دیگر اصناف نظم پر خسرو علیہ الرحمہ کے ایک مجمل تبصرہ لکھا جائے۔ اور تبصرہ سے پہلے فارسی شاعری کے ادوار دکھائے جائیں گو بعض اصحاب اس تبصرہ اور ادوار شاعری کے مضمون کو تنقید سے بے تعلق سمجھینگے لیکن کسی نہ کسی حیثیت سے اُن مضامین کا پیوند تنقید سے ضرور صحیح ہو سکتا ہے۔ میں اسی فکر میں تھا کہ شیدائے علم و فن و نقاد سخن **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں** متع اللہ المسلمین بطولِ بقائہ نے بھی اس کی تحریک فرمائی۔

اُن حضرات کی خدمت میں جو کسی کتاب کی تنقید کا دائرہ اُسی کتاب میں محدود سمجھتے ہیں اور اُن کی تحقیق میں اُس سے سرِ مو تجاوز کرنا یا تعلقات سے بحث ایک ناقابل معافی گناہ ہے) یہ گزارش ہے کہ فقیر کو مورد عتاب نہ قرار دیں اور چین بجبیں نہوں حصص ماقبل کو چھوڑ دیں۔ اور صفحہ ۱۶۹ سے کتاب کا مطالعہ شروع فرمائیں۔ یہ بحث پھر بھی ہو رہیگی کہ تنقید کا کیا مفہوم ہے اور اُس کے اجزاء و لوازم کیا ہیں۔ اس وقت صرف اس ایک شعر پر اکتفا کرتا ہوں ؎

حافظ بخود نپوشید این خرقہ مے آلود ۔۔۔ اے شیخ پاکدامن معذور دارمارا

اب میں مخدوم قوم عالی جناب **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے اشفاق و الطاف گوناگوں نے مجھ جیسے ناکارہ و ہیچ کارہ کو اس سعادت کا موقع دیا۔

اپنی حالت تو اس شعر کی مصداق ہے ؎

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درخت سایہ دارم ۔۔۔ ہمہ حیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا

ایک وجود معطل ہے جو کام کرنے سے ہمیشہ گریزاں و ترساں رہا۔ حیلہ جو کاہل و سست طبیعت میں کبھی کسی کام کی ہمت ہی پیدا نہوئی۔ پھر ایسا مہتم بالشان کام جس کی نہ اپنے میں قابلیت نہ صلاحیت اس کے انجام کا کیا سامان تھا۔ لیکن ممدوح موصوف الصمد نے اپنے عنایات بزرگانہ کے ایسے مینھ برسائے کہ کاہلی کے خواب گراں سے نفس کو مجبوراً بیدار ہی ہونا پڑا اور اپنی عادت کے خلاف کام کرنے پر یہ کہتا ہوا آمادہ ہوا ؎

بتے چوں ماہ زانو زدمی چوں لعل پیش آورد ۔۔۔ تو گوئی تا نیم حافظ زساقی شرم دار آخر

خسرو علیہ الرحمۃ کا کلام اور اس کے احیاء پر نواب صاحب جیسا علم پرور آمادہ و کمربستہ پھر سستی اور کاہلی! توبہ!! توبہ!!!

آخر کتاب کی تصحیح لغات کا حل مشکلات اشعار کی تشریح سب سے مقدم کی گئی اس کے بعد کتاب کی تنقید تمام کی۔ پھر مقابلہ کی سخت کشاکش سے فرصت ملی۔ اب ایک تبصرۂ اجمالی خسرو کی عام شاعری کے متعلق لکھا گیا۔ آخر میں مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر اپنے کار مفوضہ سے سبکدوشی پائی۔

لیکن تصحیح کا کام ہرگز انجام نہ پاتا اور اپنے دیگر خیالات خانہ تخیل سے ہرگز آگے نہ بڑھتے اگر ایک پیکر علم کی مدد فرمائی نہوتی۔ یعنی مولانا **محمد احتشام الدین** صاحب ایم اے سلالۂ خاندان حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔

مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں جہاں جذبات گوناگوں رکھنے والے اشخاص پائے جاتے ہیں وہاں یہ ایک وجود علم و فن کا دالہانہ شیدا گوشۂ تنہائی میں بیٹھا ہوا مشرقی و مغربی مصنفین سے محققانہ مشورہ میں محو رہا کرتا ہے۔

یہ فقیر کی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ایسے مجسمۂ علم سے ابتداء تعلق کالج سے آج تک مسلسل نیازمندی و ارادت کا سلسلہ قایم ہے۔ اور اس جانب سے کرم فرمائی و ذرہ نوازی۔

کتاب بہشت کا پہلا نسخہ جو خاص کتب خانہ کالج کا تھا مجھے جس وقت ملا تو اس کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جو کتاب اہلِ علم کی خدمت سے محروم رہی اور گردِ کملا کی صحبت اسے نصیب نہوئی وہ ظاہر آراصحبتوں میں پھنسکر سیرت کی خوبی کھو بیٹھی۔ طرفہ یہ کہ کالج کا یہ نسخہ کرم خوردہ بھی تھا جس کی ہر سطر میں کوئی نہ کوئی حرف یا لفظ کیڑوں کی نذر ہو گیا تھا۔

اب معلوم ہوا کہ یہ کتاب دار مطبع نولکشوری میں طبع ہوئی ہے۔ میں نے لکھنؤ اپنے عزیز دوست ملک محمد علی افضل بی اے کو اس کے بھیجنے کی تکلیف دی۔

ایک ہفتہ میں کتاب پہنچی شوق کے ہاتھوں لیا اور نہایت بیتابی سے تار نظر سطور پر پڑنے لگے لیکن وہی تین اشعار کے بعد جو نا اُمیدی کی تلخی محسوس ہوئی ہے اس کا کیا اظہار کیا جائے۔ خیال گذرا کہ شاید پہلا مطبوعہ نسخہ کچھ صحیح ہوگا اب اس کی تلاش ہوئی آخر وہ بھی ملا لیکن ایک سے دوسرا غلطی زیادہ پیش کرنے میں مستعد و آمادہ تھا۔

اب پھر خیال قلمی نسخوں کی طرف گیا ایک نہایت ہی نایاب نسخہ نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب نے اپنے خاص کتب خانہ سے عنایت فرمایا دوسرا نسخہ خمسہ کا بانکی پور لائبریری سے منگوایا۔ تیسرا کتب خانہ حبیب گنج سے حاصل ہوا اس کے بعد اور نسخے بھی رامپور، سہارنپور، حیدرآباد، دیوبند وغیرہ سے وقتاً فوقتاً ملتے گئے۔

قریب قریب ہر ایک نسخہ حسین نقش و نگار پاکیزہ حروف و نقاط سے آراستہ تھا لیکن جو جتنا حسین تھا اتنا ہی صحت سے بعید۔ چنانچہ بانکی پور کا نسخہ حسنِ خط میں لاجواب و بے مثل دیگر

اوصافِ ظاہری میں بھی بے نظیر لیکن ایسی فاش غلطیاں اُس میں قدم قدم پر ملتی تھیں کہ حسن ظاہر بھی اُس کا بدنما معلوم ہونے لگتا تھا۔ غرض کتاب کی تصحیح کیا تھی چیونٹیوں بھرا کباب تھا۔ اگرچہ دس نسخے موجود تھے لیکن اُن کانٹوں میں سے پھول چننا میرے لیے نہایت ہی دشوار تھا۔ آخر اپنے اُسی کرم فرما شیدائی علم وفن کی طرف دستِ استمداد پھیلانا پڑا اور اُس علم دوست نے بھی اپنے کرم کریمانہ سے اس سائل کے دامن کو اُمید سے کہیں زیادہ بھر دیا۔ تصحیح و مقابلہ نسخ کا نہ صرف طریقہ بتایا بلکہ پانچ ماہ کامل تک اپنے مشاغل علمیہ کا ایک کثیر حصہ برابر تصحیح و مقابلہ میں صرف کرتا رہا۔ میں حیران ہوں کہ اپنے مکرم کا کیونکر شکریہ ادا کروں جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

کسی کتاب کی تصحیح واقعی طور پر جس نے کی ہوگی وہی سمجھ سکتا ہے کہ تصحیح کا کام کسقدر اہم ہے۔ کامل برس دو برس کی محنت کا نتیجہ ہے جو آج ہشت بہشت کا صحیح نسخہ ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ کاپی و پروف تین تین اور چار چار بار دیکھے گئے ہیں جس میں ہمارے عزیز طلبائے کالج کی یاوری کا بہت بڑا حصہ ہے۔ خاصکر سید منظور حسن و سید وصی احمد رضوی متعلم بی اے کلاس و حافظ غلام غوث کا میں تہ دل سے دعاگو ہوں کہ ان عزیزوں نے بہت گراں بہا امداد کی ہے۔

منیجر مطبع مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی کا بھی دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے کاپی و پروف کی تصحیح میں بہت مبالغہ سے محنت کی ہے۔ جو دیدہ سوزی و عرق ریزی کہ مولانا محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے فرمائی ہے کوئی منیجر مطبع تو کیا کر سکتا ہے بعض مالک مطابع و مصنفین و مولفین بھی اس دماغ کاوی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

اب باوجود اس سعی و کوشش کے اگر نقاط و حروف یا مرکز کی کوئی غلطی رہ گئی ہو تو وہ بشریت کا اقتضا ہے۔ حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ یقینی طور پر وہی الفاظ ملحوظ ہیں جو خسرو علیہ الرحمہ کے قلم سے نکلے ہیں۔ اصح و انسب الفاظ متن میں رکھے گئے ہیں اختلاف نسخ علامت ن دیگر فٹ نوٹ میں لکھ دیئے گئے ہیں ح نشان حل کا ہے اور ن نسخہ کی علامت ہے۔

سہولت کے لیے ہندسہ بھی دے دیا گیا ہے۔ جس نسخہ کا لفظ فٹ نوٹ میں لیا گیا ہے وہاں اُس کا حوالہ بھی حرف اوّل سے دیدیا گیا ہے۔ مثلاً ج علامت کتب خانہ جہانگیر آباد ریاست نواب حاجی محمد اسحاق خاں صاحب ح علامت کتب خانہ حبیب گنج ریاست مولنا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی۔ ر علامت رام پور۔ س علامت سہارن پور۔ با علامت کتب خانہ باکی پور وغیرہ

خسرو علیہ الرحمہ کی تصنیف تصحیح و تنقید کیلئے چھ سو برس سے ان باہمت علم دوست حضرات کی منتظر تھی یتیمی ایسا داغ ہے جس سے سینکڑوں داغ اور بھی پیدا ہو جاتے ہیں۔ الا ماشاء اللہ خسرو علیہ الرحمہ جب سایۂ بے پدری میں آئے تو اُنکے نانا **عماد الملک** نے کنار عاطفت میں لیا اور اُن کی تربیت و نگرانی میں یہ پودا نہالِ کمال بن کر پھولا اور پھلا۔

لیکن اُن کا کلام جو معنوی اولاد کہلانے کا اصل مستحق تھا سایۂ خسروی سے محروم ہوا تو کسی نے ان یتیموں کے سر پر شفقت کا ہاتھ نہ رکھا آخر نسّاخوں اور کاتبوں کی بیدرد صحبت میں ایسے پھنسے کہ اپنے اصلی اور دلکش جوہر کو کھو بیٹھے حتیٰ کہ جوہر شناس اور نکتہ رس نگاہیں صحت و سقم کی تمیز میں مضطر و پریشان ہو گئیں۔

خدائے پاک **نواب عماد الملک سید بلگرامی** کا بھلا کرے جن کی علم دوست نگاہوں نے خسروؒ کے فرزندانِ معنوی کو اس خستہ و خراب حالت میں دیکھکر اُن کی تہذیب و تربیت کا خیال کیا لیکن یہ خیال خانہ تخیّل سے آگے نہ آتا اگر شاعری اور کمال کے اصلی وارث **نواب حاجی محمد اسحاق خاں** صاحب آنریری سکریٹری مدرسۃ العلوم علی گڑھ کمربستہ و آمادہ نہو جاتے۔

اس طرح کے علمی کام کا جنھیں اتفاق نہیں ہوا ہے وہ تو اُن انتھک اور حوصلہ شکن صبر آزما کوششوں کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن اگر کسی کو اس دورِ ایام میں اس قسم کے کام کرنے کا اتفاق پڑا ہے تو وہی اس کو سمجھ سکتا ہے کہ اہلِ علم کی تلاش اُن کی طرح طرح کی ناز برداریاں اور پھر نتیجہ نفی میں دیکھکر کسی اور کی جستجو میں سرگرداں پھرنا، پیہم مایوسیوں سے نہ تھکنا اور سعی کا مسلسل جاری رکھنا کسقدر اہم و معرکۃ الآرا ہے۔

زمانے کا دستور ہی باغ عالم میں دورِ خزاں کے بعد فصلِ بہار ضرور آتی ہی خوابِ غفلت میں تنگ لباسوں کے مسکنے اور آنکھ کے کاجل پھیل جانے اور زلف تا کمر رسیدہ کے اُلجھنے سے جو بے ترتیبی پیدا ہو جاتی ہی نیند کھلنے کے بعد دوسری کپڑوں کا بدلنا کاجل کا پوچھنا بالوں کا سُلجھانا کچھ اور نکھار پیدا کر دیا کرتا ہی۔ جس پر حُسنِ خداداد کے سوا مشاطہ کی سحر آفرینیاں اور بھی ستم ڈھاتی ہیں۔ حضرت خسرو کے کلام پر جسے تیمی کی گردنے غازۂ جمال بنکر اور بھی چمکا دیا تھا زمانہ کی غفلتوں اور اہلِ کمال کی انقلابی صعوبتوں نے اُنھیں بہت کچھ قابلِ آراستگی بنا رکھا تھا جس کا مخصوص شرف خدا نے **نواب حاجی محمد اسحٰق خاں** صاحب کے لیے ازل میں ودیعت کر رکھا تھا۔ طباع کا حُسنِ صورت اور تصحیح کا حُسنِ سیرت، تنقید کی ہر ہفت کرنا یہ وہ چیزیں ہیں کہ لطائف معنوی اگر اہلِ مذاق کے دل موہ لینگے تو صفائی طبع و عمدگی خط و کاغذ ارباب بصر کو بھی متحیر کرنے میں کمی نہ کرینگے۔ اب اُس ارحم الراحمین سے یہ دعا ہی کہ خدا اپنے اُن بندوں کی اُن علمی خدمات کو شرفِ قبول عطا فرمائے جنھوں نے اُس میں کسی نہ کسی طرح کی معاونت کی ہی۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

یارب از جنس ما چہ خیر آید
تو کرم کن کہ رب ارباب

حررہٗ بقلمہ
فقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہٗ
بہار شریف
محلہ میر داد
ضلع پٹنہ

۱۲ ذوالقعدہ ۱۳۳۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

مقدمہ

شاعری

مدارجِ نطق | کائنات کا ایک ایک ذرہ جس طرح قانونِ ارتقا کا پابند ہے اسی طرح زبان بھی آہستہ آہستہ درجہ بدرجہ اپنے مرتبۂ کمال تک پہنچتی ہے۔ ایک طفلِ شیر خوار جب اپنی زبان کھولتا ہے اگر اُس کی گویائی کی تدریجی ترقی کی طرف ایک حکیمانہ نگاہ ڈالی جائے تو یہ فلسفہ بہت اچھی طرح حل ہو سکتا ہے کہ قانونِ ارتقا کی ہمہ گیری کس طرح زبان کے کامل بنانے میں جاری ہے۔

ابتدا میں بچے جب نطق سے زبان آشنا ہوتے ہیں اور اپنے جذبات اور خواہشات کا اظہار اپنے تکلم سے کرنا چاہتے ہیں تو اُس وقت اُن کی کمزور زبانیں جن کے

پاس اشارہ، عاک و سائن محض برائے نام ہوتے ہیں۔ صرف چند حروف پر اکتفا کرتی ہیں مثلاً
اگر بھوک نے انہیں بیتاب کر دیا ہو اور دودھ پینے کی طرف طبیعت مضطر ہو تو صرف لفظ "دُودُو"
کا شور مچاتے ہیں اور روتے جاتے ہیں۔ اگر پیاس نے تڑپا دیا ہو تو "مم مم" کہتے جاتے ہیں اور
بلبلاتے جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر ماں کی آغوشِ شفقت نے یاد آ کر بیکل کر دیا ہو یا باپ کے کنارِ عاطفت میں راحت
پانے کو جی چاہا ہو تو "م م ب ب" کہکر اپنی دلی تمنا کا اظہار کرتے ہیں۔ اس سے دو
باتوں کا پتہ چلتا ہے ایک تو یہ کہ جو چیزیں قریب تر ہوتی ہیں اور جن کی طرف حاجت مضطر
کرتی ہے سب سے پہلے وہی چیزیں خیال میں آکر الفاظ سے ظاہر ہوتی ہیں۔ دوسرے
یہ کہ ابتدائے امر میں جب کہ اظہارِ خیال پر اس قدر قدرت بھی نہیں ہوتی کہ اپنے مطلوب
مرغوب کا کم از کم نام ہی بتا دیں تو اس وقت اس کمی کو اپنے حرکات و افعال سے پورا
کرتے ہیں۔

اب ہی لڑکا ذرا بڑھتا ہے زبان میں اس کے طاقت کچھ زیادہ ہوتی ہے والدین
دیگر اہل خاندان کے گفتگو میں پیہم اس کے کانوں میں گونجتی رہتی ہیں۔ اس وقت
اس کی قوتِ آخذہ کشش کے اسماء سیکھ لیتی ہے اور اب وہ بچہ حروف کے بجائے اظہارِ مطلب
میں اسماء استعمال کرتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ نہ فعل ہوتے ہیں اور نہ حروف کا انضمام
ہوتا ہے۔ اگر ماں یا باپ کے متعلق اسے کچھ کہنا ہے یا خود انہیں متوجہ کرنا ہے تو صرف "اماں"
اور "ابا" کا پیارا لفظ اس کی زبان سے نکلتا ہے۔ پھر کچھ اور بڑھتا ہے اور اب اسماء کے ساتھ
افعال بھی ملاتا ہے "اماں آؤ" "ابا جاؤ"۔ اس کے بعد سنِ تمیز کو پہنچکر اسماء افعال و حروف

سے کامل مرکب جملے اُس کے مُنھ سے ادا ہوتے ہیں۔ تاہم ہنوز اس کے جملوں میں الفاظ کی نشست صحیح نہیں پائی جاتی ہے۔ تلفظ میں ہمواری پیدا نہیں ہوتی ہے۔ موقع و وقت کی مناسبت سے اس کی باتیں نہیں ہوتی ہیں۔ اُس کے خطاب کرنے میں فرق مراتب پایا نہیں جاتا۔ لیکن وہ اب تعلیم پاتا ہے۔ بزرگوں کی صحبت سے مستفیض ہوتا ہے۔ مختلف مدارج و حیثیات کے انسانوں سے اسے ملنا پڑتا ہے جن میں کوئی ہستاد ہے کوئی دوست ہے کوئی باپ ہے کوئی بزرگ ہے اور کوئی خادم ہے۔ غرض ہر ایک کا انداز خطاب و تکلم مختلف دیکھتا ہے جس کے مطابق اپنی گفتگو میں اصلاح کرتا جاتا ہے۔ کچھ کتابوں کی تعلیم اور کچھ عملی زندگی کا سبق مل جل کر اُس کی اس کمی کو پورا کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جوان ہو کر اب وہ فرق مراتب بھی اپنے کلام میں قائم کرتا ہے اور موقع و مصلحت کے مطابق گفتگو کرتا ہے۔

جس قدر تعلیم کا دائرہ وسیع اور مہذب و شایستہ صحبتوں کا اثر قوی ہوتا جائے گا اُسی قدر اُس کے الفاظ میں قوت، جملوں میں زور کلام میں حسن و دل آویزی بڑھتی جائیگی اور جس قدر الفاظ کے ذریعہ سے خیال کی ترجمانی پر قدرت بڑھتی جائیگی اُسی قدر حرکات (جو اب تک ادائے مطلب کے ایک عنصرِ اعظم تھے) کم ہوتے جائینگے اور اُن میں بھی ایک معتدل شایستگی و شان پیدا ہو جائے گی۔

اس تمہید کا مدعا یہ ہے کہ جس طرح ایک بچے کی زبان آہستہ آہستہ تمدن و تعلیم و تربیت کے سہارے درجۂ کمال کو پہنچتی ہے یہی حال ہر ایک ملکی زبان بلکہ بنی نوع انسان کی زبان کا ہے۔ انسان میں جذبات رکھے گئے ہیں اس میں قوتِ متخیلہ کا خزانہ ودیعت کیا گیا ہے وہ

تاثیر و تاثر کا مجسمہ بنایا گیا ہے۔ گرد و پیش کی چیزیں اُس کی حاجت روائی کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ پس وہ ابتدا میں خیالات کی مصوری اپنے حرکات اور غیر موضوع الفاظ سے شروع کرتا ہے۔ پھر جیسے جیسے تعلیم و تمدن اُس میں آتا جاتا ہے وہ الفاظ وضع کرتا ہے اور ہر مفہوم و ہر شے کے لئے ایک اسم قرار دیتا ہے۔ جب الفاظ کا ذخیرہ کافی ہو جاتا ہے اور ناز پر درد کی بڑھ جاتی ہے تو اُس وقت الفاظ کے قالب پر نظر کی جاتی ہے۔ نفاستِ طبع الفاظ کی درستگی کی طرف متوجہ ہوتی ہے۔ اب اُن کی ثقالت و خفت دیکھی جاتی ہے، اختصار مطبوع خاطر ہوتا ہے غرض اسی طرح بہ تدریج زبان میں لطافت و روانی پیدا ہو جاتی ہے اور خیالات کی دھندلی تصویر الفاظ کے آئینہ میں اپنا جلوہ دکھانے لگتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ زبان خیال کا آئینہ ہے، مگر کچھ زنگ آلود۔ انسان چاہتا ہے کہ خیالات و جذبات کی کامل ترجمانی الفاظ سے ہو جائے، مگر نہیں ہوتی۔ اس میں شک نہیں کہ تعلیم، تہذیب، اخلاق، تمدن و سیاست اگر سب مل کر اس کی مدد کریں تو بہت کچھ اس آئینہ کا زنگ دور ہو جاتا ہے لیکن حرکاتِ اعضاء و جوارح کے بغیر اس تصویر کے خط و خال واضح طور پر نمایاں نہیں ہوتے۔ الغرض انسان کی یہ کوشش کہ خیالات یا جذبات کی بعینہٖ و بجنسہٖ تصویر الفاظ کے قالب میں منعکس ہو جائے ایوانِ شاعری کے در کی کنجی ہے۔

شعر اور شاعر موزوں و مناسب الفاظ میں جو حقایق کی تصویر کشی کی جاتی ہے وہی شاعری کی سنگِ بنیاد ہے۔ شاعر خیالات، جذبات، کیفیات، محسوسات و معقولات کو جوں کہ اپنے بیان سے اس طرح ظاہر کرتا ہے کہ سننے والوں کے سامنے اُس کا نقشہ کھنچ جاتا ہے دلوں پر

کیفیت طاری ہوجاتی ہے اس لئے اُسے شاعر کہتے ہیں! اب جس قدر کلام میں یہ وصف زیادہ ہوگا اُسی قدر اُس کی شاعری کامل سمجھی جائیگی۔ لفظ شاعر کا مادہ (یعنی حروفِ اصلیہ) ش ع ر ہیں یہ مادہ جہاں جہاں پایا جائے گا اُس میں ظہور کے معنی کا لحاظ ضرور ہوگا! اس لئے عربی میں بال کو شعر کہتے ہیں جو جسم پر ظاہر ہوتے ہیں جسم سے اوپر جو کپڑا اپنا جائے اُسے شعار کہتے ہیں۔ حواس جو قوتِ مدرکہ کے سامنے موجودات کو ظاہر کرتے ہیں اُنھیں مشاعر کہتے ہیں۔ وہ کلمات جو خیال کے لئے صاف آئینہ ہوں اور واضح شکل میں خیالات کو ظاہر کریں وہ شعر ہیں۔ اسی بنا پر وزن و قافیہ کو بعضوں نے شعر کی حقیقت سے خارج رکھا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ شعر کے یہ اجزا ہیں بھی نہیں، بلکہ اُس کے شرائط ہیں مثلاً ؎

اکتر بہتر تہتر چوہتر　　پچھتر چھیتر ستتر اٹھتر

دیکھو اس میں وزن و قافیہ موجود ہے۔ لیکن اسے شعر کہنا کیا حماقت نہیں؟

اجزا، لوازم و شرائط شعر | پس باعتبارِ حقیقت شعر کے دو اجزا ہیں، دو لوازم ہیں، اور دو شرائط محاکات و تخیل اجزا ہیں اکتسابِ الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ کائنات لوازم ہیں وزن و قافیہ شرائط ہیں

۱۔ محاکات | محاکات کے معنی نقالی ہیں یعنی جو واقعہ جس طرح دیکھا جائے یا سنا جائے یا جو اثر و کیفیت کہ دل پر گزرے اُس کو اس طرح ادا کر دیا جائے کہ غائب اُسے سن کر اپنے کو حاضر سمجھنے لگے۔ لیکن صرف اسی قدر شعر ہونے کے لئے کافی نہیں ہے مثلاً ؎

چشمانِ تو زیرا برو ہند　　دندانِ تو جملہ درد ہانند

۲۔ تخیل | بلکہ محاکات کے ساتھ تخیل کا انضمام بھی لابد و ضروری جز ہے تاکہ شعر تک پہنچنے کا

مصداق نہو مثلاً خسرو اُس حالت کو بیان کرتے ہیں جب کہ برسات میں پانی برستا ہی اور درختوں کی لچک دار شاخیں پیہم پانی اور ہوا کے جھونکوں سے جھک جھک جاتی ہیں زمین پر پانی بہتا ہوتا ہی اور ان شاخوں کا لچکنا ایک خاص لطف پیدا کرتا ہی اس منظر کو امیر خسرو شاعرانہ تخیل کے ساتھ یوں دکھاتے ہیں ؎

نگوں سر شاخہائے سبز کوئی دیدہی بینید ۔۔۔ زبس کابر در افشاں لولوے غلطاں ہمی بارد

یعنی سبز شاخیں جو زمین پر جھکی پڑتی ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ ابر نے جو بے انتہا موتی برسائے ہیں اُن کے رولنے کو جھکی جاتی ہیں۔ یا مثلاً ایک عاشق جو اپنے محبوب کی ایک ایک ادا پر مٹا ہوا ہی اور اُس کی نزاکت و لطافت پر والہانہ فریفتہ و شیدا ہی وہ کاغذ کے اُن چاک شدہ ٹکڑوں میں بھی ایک لطافت محسوس کرتا ہی جسے اُس کے معشوق نے ریزہ ریزہ کر دیا ہو۔ اب وہ اپنے اس لطیف کیف کی حکایت کرتا ہی ؎

ہر کجا برگِ گلے افتادہ بینم در رہت ۔۔۔ از تو پارہ کردنِ مکتوب یاد آید مرا

یعنی اگر گلاب کی پتیاں کہیں بکھری ہوئی میں دیکھ لیتا ہوں تو مجھے مکتوب کے وہ ٹکڑے یاد آجاتے ہیں جو تیرے ہاتھوں سے چاک ہو کر برگِ گل جیسے نازک و خوشبو ہو جاتے ہیں

۳۔ اکثار الفاظ و مطالعۂ صحیفۂ فطرت | لیکن تخیل و محاکات اُس وقت تک اپنا فرض پورا نہیں ادا کر سکتے جب تک اُن کے پاس الفاظ کا کافی ذخیرہ نہو۔ تاکہ نازک سے نازک پہلو بھی واقعہ کا قلت الفاظ کے سبب چھوٹ نہ جائے یا لطیف سے لطیف جذبہ صرف الفاظ کی کم یابی کے نذر ہو کر ظاہر ہونے سے نہ رہ جائے۔ جیسے کہ بہار کا موسم جس نے دیکھا نہو

یا اُس وقت جو سرور و مستی کہ دلوں پر چھا جاتی ہے اُس سے لذت آشنا نہو تو پھر بہار کے متعلق اُس کی شاعری کیا ہوگی منہ چڑہانا ہوگا۔ اور اگر لفظ کی بھی کمی ہو تو پھر بہار کا نقشہ کھینچنا بالکل ہی ناممکن ہو جائے گا پس حکایت و تخیل کے لئے اکثار الفاظ و مطالعہ صحیفہ کائنات لوازم میں سے ہیں۔

۴۔ وزن و قافیہ | اب جب کہ کلام میں حکایت و تخیل مع اپنے لوازم کے پائے جائیں تو اُس وقت وزن و قافیہ کا ہونا بھی ایک ضروری شرط ہے اس لئے کہ جس اسلوب میں ایک قادر البیان فصیح اللسان اپنا کلام مخاطب کے سامنے پیش کرتا ہے جب اُنھیں اسلوبوں میں وزن کی کھچاوٹ اور قافیوں کا تناسب پایا جاتا ہے تو کلام شعر کے سانچے میں ڈھل کر مخاطب کے لئے ایک نوع کا تعجب و تعجب کے ساتھ خوشی پیدا کر دیتا ہے، اور یہی مخاطب کے دل کی تشنگی متکلم کے خیالات کا کامل نقش دل پر بٹھا دیتی ہے۔ مثلاً پانی برس رہا ہے عاشق سے معشوق رخصت ہو رہا ہے مدتوں بعد جو لذتِ دیدار ملی تھی یوں ہاتھ سے جا رہی ہے عاشق کی آنکھیں بے اختیار بہ نکلتی ہیں۔ جذبِ کامل و محبتِ صادق رنگ لاتی ہے معشوق کے دل پر بھی اُس فراق کا صدمہ گزرتا ہے اسی کو امیر خسرو یوں کہتے ہیں ؎

ابر باران و من و یار ستادہ بوداع　　من جدا گریہ کناں ابر جدا یار جدا

شعر کیا ہے واقعہ کی ایک بولتی تصویر ہے۔ ہم نثر میں ادا نہ کر سکے اور خسرو نے ایک شعر میں ادا کر دیا۔ ایک ایک لفظ پر غور کرو۔ اُس حالت و کیفیت و موقع کا لحاظ کرو۔ اور پھر شعر کی بلاغت کو دیکھو۔ بہرحال محاکات، تخیل، اکثار الفاظ مطالعہ صحیفہ کائنات، وزن و قافیہ شعر کے لئے

یہ امور بمنزلہ شئہ ضروریہ ہیں جن کے بغیر شعر کامل نہیں ہو سکتا لیکن کلام ایسا ہو جس میں جابجا بجلیاں کوندتی نظر آئیں اور اُس کی ہر تجلی دلوں کو تڑپا دینے والی ہو اس کے لئے صرف شعر کا مجسمہ ہیولانی ہی کافی نہیں ہے۔ ان کے علاوہ چند اور جزئیات ہیں جن کی رعایت شعر کے حسن کو نکھار کر دل آویز و دل پذیر بناتی ہے۔ اور یہی ایک باکمال شاعر کی آخری منزل ہے اور بڑی کڑی منزل ہے۔ وہ چار چیزیں ہیں بلاغت، سلاست، صلیت اور جوش

بلاغت | بلاغت تو یہ ہے کہ کلام وقت اور حال کے مطابق ہو۔ انسان میں گوناگوں خیالات و جذبات پائے جاتے ہیں کبھی غم و غصہ ہے اور کبھی مسرت و مہربانی ایک وقت بیتابی و بیقراری ہے تو دوسرے وقت راحت و سکون کبھی مستی و بیہوشی ہے اور کبھی باخودی و ہوشیاری پس جس حالت و کیفیت کا بیان ہو کلام اگر اس میں اس طرح ڈوبا ہوا ہے کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اور سننے والے کی آنکھوں کے سامنے اُس کا نقشہ کھنچا جاتا ہے تفصیل کی جگہ وضاحت ہے اور اجمال کی جگہ اختصار تو وہ کلام بلیغ کہا جائے گا۔ اور اسی کو بلاغت کہتے ہیں۔

سلاست | سلاست کے یہ معنی ہیں کہ الفاظ وہ ہوں جو روزمرہ کے استعمال میں ہوں۔ محاورہ وہ ہو جو عام طور پر زبانوں پر جاری ہو۔ استعارہ و تشبیہ ایسے ہوں کہ سامع کا ذہن فوراً اُس طرف منتقل ہو جائے۔ اضافات کی کثرت و پیچیدگی نہ ہو۔ ادنیٰ، اوسط، اعلیٰ ہر شخص اپنے فہم و مرتبہ کے مطابق برابر کا لطف اٹھائے۔ اسی مضمون کو خاتم الشعرا غالب دہلوی نے کہا ہے ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

صاحب عقد الفرید شعر کے محاسن بیان کرتے ہوئے آخر میں قول فیصل یہ لکھتے ہیں کہ اس باب میں سب سے بہتر زہیر ابن سلمیٰ کا قول ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

وَاِنَّ اَحْسَنَ بَیْتٍ اَنْتَ قَائِلُہٗ　　بَیْتٌ یُّقَالُ اِذَا اَنْشَدْتَہٗ صَدَقَا

یعنی سب سے بہتر وہی شعر ہے کہ جب تو اُسے پڑھے تو سُننے والا بے اختیار کہہ اُٹھے کہ سچ کہا۔ یہی شعر ایک جگہ حضرت حسان انصاری کے کلام میں بھی پایا جاتا ہے جس سے اس رائے کی موافقت ظاہر ہوتی ہے لیکن فقیر کے خیال میں بہترین فیصلہ ابن رشیق کا ہے سلاست شعری کی جو تصویر اُس کے قلم نے کھینچی ہے اُس سے بہتر ناممکن ہے۔ وہ کہتا ہے ؎

فَاِذَا قِیْلَ اَطْمَعَ النَّاسَ طُرًّا　　وَاِذَا رِیْعَ اَعْجَزَ الْمُعْجِزِیْنَا

یعنی جب شعر پڑھا جائے تو اُس کی سلاست و سادگی سے ہر شخص کو یہ طمع ہو کہ ایسا میں بھی کہہ سکتا ہوں، لیکن جب کہنے کا قصد کریں تو ادنیٰ اور اوسط کا تو کیا ذکر ہے معجز بیان بھی عاجز آجائیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابن رشیق کا یہ فیصلہ فیصلۂ ناطق ہے۔ ایک قصہ مشہور ہے کہ مفتی صدرالدین مرحوم آزردہ کے مکان پر مومن خاں، نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ وغیرہ کا مجمع تھا کسی نے انھیں میں سے میر کا یہ شعر پڑھا ؎

اب کے جنوں میں فاصلہ شاید نہ کچھ رہے　　دامن کے چاک اور گریباں کے چاک میں

ہر ایک نے قلم ہاتھ میں اُٹھایا کہ جواب اس کا لکھیں لیکن گھنٹوں گزر گئے اور قلم نے ہاتھ سے صفحۂ کاغذ تک آنے کی جرأت نہ کی۔ اسی عرصہ میں کوئی دوسرے بے تکلف دوست آگئے اُنھوں نے ایک مجمع سراپا محو استغراق دیکھ کر پوچھا خیر ہے مومن نے کہا ہاں قل ھو اللہ کا جواب لکھنا چاہتے ہیں

اصلیت | اصلیت کے یہ معنی ہیں کہ جس چیز کا بیان ہو وہ باعتبار واقعہ یا شاعر کے عندیہ میں یا مخاطب کے عقیدے میں ویسا ہی ہو جیسا کہ اُس کے الفاظ اُس کو کہہ رہے ہیں اور اگر ایسا نہیں ہے تو کلام کا اُس قدر نقص اُسے بے اثر بنا دے گا۔

جوش | جوش کے یہ معنی ہیں کہ شعر کو سنکر یہ اثر پیدا ہو کہ مضمون نے شاعر کو مضطر کر دیا ہے شاعر مضمون نہیں لایا ہے۔ یہ وہ امور جزئیہ ہیں جن سے شعر کا آب و رنگ کھلتا ہے۔ اور زبانوں سے نکل کر دلوں کو تڑپا دیتے ہیں

فارسی شاعری

اقسام شاعری | اب آیئے فارسی زبان کے نشو و نما اور فارسی شاعری کے اوجِ کمال پر ایک نظر ڈالیں کتابوں میں زبان فارسی کی سات قسمیں پائی جاتی ہیں۔ فارسی، دری، پہلوی، ہروی سگزی، زاولی، سغدی۔ ہمارے مصنفین جب ان زبانوں کی حقیقت بیان کرتے ہیں تو اُن کا اضطراب عجیب عجیب پہلو سے کروٹیں لیتا ہے۔ حالانکہ بات صرف اس قدر ہے کہ یہ تقسیم کچھ تو باعتبار اُن ملکی خصوصیات کے ہے جو بعض بعض حصص ملک میں پائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو شہر اور دیہات کی وجہ سے ہوئیں مثلاً ملک ہندوستان کو لو۔ یہاں ایک زبان تو وہ ہے جو تقریباً تمام ہندوستان میں سمجھی جاتی ہے اور جس سے کاروبار میں، لین دین میں، تبادلہ خیالات میں کام لیا جاتا ہے۔ اُسے تھوڑی دیر کے لئے اُردو کہہ لیجئے لیکن جب اس کو باعتبار حصص ملک یا شہر اور گاؤں کے آپ تقسیم کیا چاہیں گے تو بے شمار اُس کی قسمیں پیدا ہو جائینگی کلکتہ کی اُردو کو دہلی کی اُردو سے کیا مناسبت اور بمبئی کی زبان کا لکھنؤ کی اُردو سے کیا علاقہ۔

اُردو زبان دہلی میں پیدا ہوئی اور اسی جگہ اُس نے نشو و نما پایا اپنے آخر عہد میں یہ لکھنؤ پُہنچی اس لئے یہ کہنے کا حق ہے کہ اُردو وہی ہے جو اِن دونوں شہروں میں بولی جائے۔ لیکن اگر اُردو ایک نئی زبان ہوتی تو کیا ملک کے مختلف گوشے کچھ اپنی خاص خصوصیت نہ رکھتے۔

یہ ہر زبان کا قاعدہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے بُعد مسافت سے کچھ کچھ متغیر ہوتی جاتی ہے۔ عربی زبان جو نہایت ہی کامل زبان ہے اُس کو دیکھئے یہی اختلاف آپ کو وہاں بھی نظر آئے گا۔ اہل عرب جہاں باعتبار قبائل آپ کو باہم ایک دوسرے سے ممتاز ملیں گے وہاں اُن کے محاورے الفاظ بلکہ حروف تہجی کے اصوات و تلفظ میں بھی ایک علیحدہ شان ہوگی پس یہی حال ایران کے اقسام ہفت گانہ زبان کا ہے۔ عہدِ قدیم میں فارس کا علاقہ کنارۂ جیحون سے فرات تک اور باب الابواب سے کنارۂ عمان تک پھیلا ہوا تھا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ ملک کا علاقہ جب اس قدر وسیع ہوگا تو ہر وہ گوشۂ ملک جو دوسرے ملک کے ٹکڑے سے پیوستہ یا قریب ہوگا یا جن غیر ممالک کے باشندوں سے معاشرتی کاروبار میں سابقہ رہتا ہوگا اُن کی زبان کا اثر اس گوشۂ ملک کی زبان پر ضرور پڑیگا۔ پھر اُس کے ساتھ ہی ایک ایسی عام زبان ملکی ہوگی جو ہر گوشۂ ملک میں سمجھی جا سکے یا بولی جا سکے۔ اب خیال فرمائیے۔

فارسی تو وہ زبان ہوئی جو تمام ملک میں بولی جاتی یا سمجھی جاتی تھی۔

پہلوی بیرون شہر کی زبان تھی اس میں قصبات و دیہہ و درۂ کوہ کے باشندے متفق اللسان تھے۔

دری دربار کی زبان تھی جس میں صفائی اور نزاکت حروف کو گھٹا بڑھا کر پیدا کی گئی تھی

زاولی قندھار و غزنی و زابلستان کی گفتگو کا نام ہے۔

سگزی۔ یہ وہ زبان ہے جو سیستان میں بولی جاتی تھی۔ عہدِ قدیم میں سیستان کا نام سگزی تھا۔

سغدی۔ سمرقند کے قرب و جوار میں سرسبز و شاداب قطعہ پر ایک نامور آباد شہر تھا یہ زبان اُس شہر کی طرف منسوب ہے۔

ہروی ہرات و ماژندران کی زبان ہے۔

قدیم و جدید زبان | جسے عہدِ قدیم کی فارسی زبان دیکھنے کا شوق ہو وہ ژند و پاژند و دستیر کو دیکھے۔ ان کتابوں کے جو فقرات یا کچھ حصص ملتے ہیں اُن کو جب عہدِ جدید کی فارسی سے مقابلہ کیا جاتا ہے تو صاف طور پر دکھائی دے جاتا ہے کہ یہ لفظ کیوں کر کیا سے کیا ہوتے گئے محض تفننِ طبع کے طور پر ہم پانچ چار لفظ لکھے دیتے ہیں تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سخندن فارس

فارسی	پہلوی	ژند	پاژند
انبار	انبار	ہاں بار	انبار
شرم	شرم	نشارما	شرم
ناسپاس	اسپاس	.	ان سپاس
اکنوں	اکنی	.	اکنین
خان	خانو	.	اخان

انھیں چند لفظوں کو دیکھئے تو معلوم ہو جائے گا کہ تعلیم تہذیب تمدن و سوسیئٹی اس طرح

آہستہ آہستہ زبان میں تصرف کرتے رہتے ہیں کہ ایک صدی کے اولٹ پھیر کے بعد زبان کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے اہل شہر اور اربابِ علم کی زبان صفائی اور لچک رکھتی ہے۔ قریہ و دیہہ کے باشندے اپنی زبان میں سختی اور لہجے میں درشتی رکھتے ہیں ان کی ضرورتیں تھوڑی ہوتی ہیں اور ضرورت کی پوری کرنے والی چیزیں ضرورت سے بھی کم خیالات محدود۔ واقفیت کا دائرہ بہت ہی چھوٹا اس لئے الفاظ کا ذخیرہ بھی ان کی زبانوں میں قلیل ہوتا ہے لیکن ان کی خالص ملکی زبان ہوتی ہے۔ اس لئے شعرائے ایران کبھی کبھی پہلوی زبان کی مدح کا راگ گاتے ہیں۔ چوں کہ وہ اصلیت پر قائم ہے شہر کے باشندے تمدن کے گہوارے میں زندگی بسر کرتے ہیں ناز پروردگی و تنعم ضروریات روز افزوں کرتی رہتی ہے تبادلۂ خیالات سے دماغ میں وسعت پیدا ہوتی ہے علمی مضامین صیقل و جلا کرتے رہتے ہیں۔ اسی سے الفاظ کا اکتناز رہتا ہے اور اُن میں لطافت پیدا ہوتی ہے۔ پس شعرا جب زبان کی لطافت و نزاکت کا خیال کرتے ہیں تو دری زبان کی ثنا میں رطب اللسان پائے جاتے ہیں۔ نظامی فرماتے ہیں ؎

نظامی کہ نظم دری کارِ اوست　　چنیں نظم کردن سزاوارِ اوست

اُردو کی مثال اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے ہندوستان کی سرزمین میں جب اُردو پیدا ہوئی ہے اُس وقت کے الفاظ کو دیکھئے پھر جو اُن میں تغیر پیدا ہوا اُس کو دیکھئے مثلاً

سوں بجائے سے۔ ہمن کو بجائے ہم کو۔ تمن بجائے طرح یا مثل۔ تھیتر بجائے اندر

اسی طرح جب انگریزی سلطنت مع اپنے تمدن و علوم کے ہند پر حکومت کرنے لگی تو کتنے لفظ نئے داخل ہو کر اُردو کے وسیع کرنے والے ہوئے اور کتنے الفاظ کے مفہوم و معنی

متغیر و متبدل ہو گئے مثلاً گلاس، لالٹین، فلالین، کوچبان وغیرہ یہ سب لوز پہلے آئے ہوئے ہیں جنہوں نے ہندی لباس پہن لیا ہے۔

تغیر معنی کی مثال کوٹھی پہلے مہاجنوں اور تاجروں کی کاروبار کی جگہ کو کہتے تھے اب اُس کے زیادہ مستعمل معنی ایسے مکان کے ہیں جس میں یورپ کی شان باعتبار ساخت و آرائش ہو صاحب ایک تعظیمی لفظ تھا معزز القاب کے ساتھ بولا جاتا۔ مولوی صاحب خانصاحب اب اُس کے معنی یوروپین یا ہندی یوروپین وضع و معاشرت کہنے والا۔ اسی طرح تعلیم یافتہ کے اصلی معنی ظاہر ہیں لیکن اب اس کا اطلاق انگریزی داں پر ہوتا ہے بشرطیکہ کچھ مغربیت کی اداؤں پر فریفتگی رکھتا ہو۔

غرض جس طرح اُردو زبان امتداد زمانہ و انقلاب حالات سے متغیر ہوتی رہی اسی طرح ایران کی زبان بھی موقع بموقع متبدل ہوتی گئی۔ اگر تحقیق کی نظر سے اُن اوراق کا مطالعہ کیا جائے جو جا بجا بکھرے ہوئے اب بھی پائے جاتے ہیں تو صاف طور پر یہ واضح ہو سکتا ہے کہ ایرانی زبان بھی ٹھیک اُسی طرح جیسا کہ ایک طفلِ شیر خوار ہُوں ہاں غُوں غاں سے دیباچہ اپنی گویائی کا شروع کرتا ہے فارسی زبان بھی اپنے عہدِ طفلی کی منازل کو طے کرتی ہوئی آگے بڑھتی جاتی ہے لیکن مرتبۂ کمال تک پہنچنے کے لئے شاعری کی محتاج ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ زبان میں اصلی حسن و خوبی اور نزاکت شاعری سے پیدا ہوتی ہے اور کلام شعر کے ہی سانچے میں ڈھل کر سچا اور صحیح فوٹو جذبات کا ہوتا ہے پس اس کے لئے زبان فارسی ہمہ تن عربوں کے مبارک قدم کی منتظر معلوم ہوتی ہے۔

فارسی شاعری پر عربی شاعری کا اثر اس میں شک نہیں کہ بعض محبانِ ایران کو یہ بات تلخ

گزرتی ہے کہ عرب کی شاعری میں ایران کا اوستاد کیوں کہا جاتا ہے۔ لیکن اس کا جواب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ واقعہ یوں ہی ہے۔ پس مجبوری ہے۔ بعضوں نے اس ثبوت میں جو متفرق اشعار یا بعض مصطلحات شعریہ پیش کیے ہیں وہ خود اُن کے رد دعوی کے دلائل ہیں یا شہادت میں ناقص۔ مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے بہرام نے اور اُس کی معشوقہ نے مل کر ایک شعر برجستہ موزوں کیا تھا، اور یہی شعر سنگِ بنیاد ایران کی شاعری کا ہے۔ بہرام نے جب ایک شیر کو زندہ پکڑ لیا اور اُسے اس قدر زیر و مجبور کیا کہ دونوں کانوں کو اُس کے کھینچکر گرہ باندھ دی تو بہادری کے جوشِ فخر میں بے ساختہ اُس کے منھ سے یہ مصرع نکلا

منم آں پیلِ دماں دمنم آں شیرِ ژیلہ

اُس کی معشوقہ جو بہت ہی حاضر جواب تھی اور جو ہمہ دم اُس کے ساتھ رہتی تھی اُس کی طرف بہرام نے ایک نگاہ تحسین طلب ڈالی۔ اُس نے برجستہ یہ مصرع کہا

نام بہرام ترا و پدرت بوجبلہ

اگر اس واقعہ کو بعینہٖ اسی طرح مان لیا جائے تب بھی یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ لفظِ بوجبلہ عرب کی اوستادی کا کیا ثبوت نہیں دے رہا ہے؟ اس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ بہرام نے دیارِ عرب میں پرورش پائی تھی اور مصرع یوں ہے نام بہرام مرا و پدرم بوجبلہ یوں ہی سہی۔ پھر بھی تو مجیب نے عرب کی اُستادی ہی ثابت کی۔

اس کے علاوہ چند اور متفرق اشعار ہیں۔ من جملہ اُن کے ایک یہ شعر ہے ؎

ہزبر ابگیہاں انوشہ بدے جہاں را بدیدار نوشہ بدے

اِس کے متعلق ہمدردانِ ایران یہ روایت کرتے ہیں کہ عضدالدولہ دیلمی کے عہد میں بعض عمارتیں قصرِ شیریں کی قائم تھیں اُن کے کسی دروازہ پر یہ شعر کندہ تھا۔ لیکن اِس شعر کا انداز خود اپنی قدامت سے انکار کرتا ہے۔ یہ دعائیہ شعر اور عمارت کے در پر کندہ۔ یہ تو موزوں فقرات ہیں جو شعر کے قالب میں لائے گئے ہیں۔ اہل ایران حضورِ شاہ میں انھیں فقرات سے سلام و تحیہ پیش کرتے تھے۔

اسی طرح خانِ آرزو کا یہ کہنا کہ "سلاطینِ قدیمہ میں سے فرہوش نام ایک عالی شان بادشاہ تھا اس کے دربار میں گروہِ کثیر اہلِ سخن کا حاضر رہتا تھا۔ ان میں سے شیدوش شاعر نے ایک موقع پر بادشاہ بیگم کے حق میں کہا ؎

زنِ شاہ بہت در داور گردا گوزگرد دنارد بیم از کس

(زبانِ قدیم میں در داور بمعنی شجاعت۔ گردا بمعنی سمندر۔ گوز بمعنی ہرن) یعنی بادشاہ بیگم شجاعت میں سمندر ہے ہرن کی طرح پھرتی ہے اور کسی سے نہیں ڈرتی"۔ فارس جیسا ملک جس میں چار سلسلے سلاطین با آئین کے گزر گئے اور ایسے شان و شکوہ کے ساتھ سلطنت کر گئے جس کی باتیں آج افسانے ہیں علوم و فنون اس کے یونان و روما کا پہلو مارتے ہیں۔ گلزارِ زمین، خداداد حُسن تفریح کے سامان اور عیش و طرب میں پرستان طبیعتیں زندہ اور شعر کی قوت یہ۔ شاہی دربار کا شاعر بادشاہ بیگم کی مدح سرائی کرے اور وہ مدح ایسی ہو اگر ایران جیسے ملک کے لئے ایسی شاعری مایۂ ناز و فخر ہے اور ملک کی سرسبزی و شادابی آب و ہوا کی تازگی و ولولہ انگیزی نے اسلام سے قبل ایسے ہی شاعر دربارِ شاہی کے لئے

پیدا کئے تو کسی کو اس کے ماننے میں کوئی عذر نہیں کہ ایران ہمیشہ سے شاعر تھا۔ بلکہ ایک قدم آگے بڑھایئے تو دنیا کا کوئی گوشہ ایسا نہ ملے گا جو ایسے باکمال شاعر ہر وقت تعداد کثیر میں پیش نہ کرے۔ یادش بخیر قوم افغان جو آج ہند کے مختلف گوشوں میں آباد ہے اُس میں رامپور کے بے پڑھے پٹھان چار بیتی کہتے ہیں۔ وہ سماں دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ پھر ہر فریق جو کچھ کہتا ہے وہ ان اشعار سے کہیں زائد پر معنی ہوتا ہے۔

افسوس ایران کو عربوں کا شاعری میں شاگرد کہنا اُس کے پایۂ منزلت کو کچھ کم نہیں کرتا ہے لیکن ایسے باکمالوں کا کلام اور پھر شعرا کی فہرست میں اُن کے اسما کا شمار بیشک اُن کی شان کے منافی ہے۔ یہ خان آرزو کی ذاتی آرزو ہے جس نے چند متروک لفظوں کے ساتھ شعر کی صورت میں ظہور کیا ہے۔ دیکھئے ارباب یورپ کی جستجو نے پہلوی زبان کی متعدد کتابیں بہم پہنچائیں۔ جو علوم و فنون کہ ایران میں تھے اُن کا نہ صرف سُراغ ہی ملا بلکہ حکما و ارباب فن کے اقوال و اسما تک معلومات کی رسائی ہوئی۔ لیکن نظم کے متعلق نہ تو ایک شعر مل سکا نہ کسی شاعر کا نام ہی معلوم ہو سکا۔ کیا زبان قدیم اور علوم و فنون تو اپنا نشان دینے کے لئے زندہ رہ گئے مگر فنِ ادب و انشا کا بہترین سرمایہ لٹریچر کا نادر الوجود گنجینہ یعنی نظم، خود قوم کے گنج خانۂ دماغ اور اہل وطن کے حافظوں سے اس طرح محو و سہو ہو گیا کہ ایک دھندلا سا نشان بھی پایا نہیں جاتا۔ پس جس طرح ایران عربوں سے مفتوح ہونے کا انکار نہیں کر سکتا اُسی طرح اُن کے اس احسان کو بھی مٹا نہیں سکتا کہ دین صحیح کی تلقین کے بعد شاعری بھی فاتح و جواد عرب کا ہی عطیہ ہے۔

دوسری بدیہی دلیل یہ ہے کہ شاعری زبان کو بہت جلد تراش خراش کر گھٹا بڑھا مہذب و نازک بنا دیتی ہے ایران پر چار خاندانوں نے مسلسل صدیوں تک حکومت کی میدانِ کارزار کی جو گرما گرمی رہی وہ شاہنامہ سے ظاہر ہے۔ شاہنامہ جہاں اُن کے طرزِ جنگ و فنِ سپاہگری کو بتاتا ہے وہاں وہ ایران کا دائرۃ المعارف یعنی انسائکلو پیڈیا کہے جانے کا بھی مستحق ہے۔ اہلِ ایران کی معاشرت باہمی تعلقات مآکل و مشارب لباس و پوشاک ان سب کا جہاں اُس سے سُراغ ملتا ہے وہاں شاعری کا نام و نشان بھی پایا نہیں جاتا جس عہد کی داستانیں ہیں اُس وقت کے کسی شاعر کا ذکر بلکہ اسم تک نہیں پایا جاتا۔ پھر خود شاہنامہ کی زبان ایسی ہے جس میں بہت کچھ سختی و سنگینی ہے جس کو فردوسی سے بعد آنے والوں نے بنا سنوار کر اس درجہ تک پہنچایا جہاں پہنچ کر وہ مسندِ کمال پر متمکن ہو گئی اور یہ ساری ترقی چوتھی صدی سے شروع ہو کر پانچویں صدی پر ختم ہو جاتی ہے۔

دورِ اوّل کے شعرا کے کلام کو پڑھئے بندش ڈھیلی الفاظ پھسپھسے۔ بے ضرورت حروف کا بڑھنا گھٹنا بے قاعدہ متحرک کو ساکن ساکن کو متحرک بنا دینا نہایت بے موقع لفظ فارسی کو مشدد کر دینا آپ جا بجا پائیں گے۔ اُس پر الفاظ کا ثقل اور بھی غضب ڈھاتا ہے اضافتِ تشبیہی کا نام نہیں استعارہ خال خال جس میں کوئی ندرت نہیں اگر وزن کو توڑ تو ڈھیلی عبارت نثر کی ہو جائے۔ شعر میں وہ چستی نہیں کہ الفاظ تھوڑے اور معنی وسیع کو محیط یعنی ایک شعر کا مضمون اگر نثر میں لایا جائے تو دو سطریں ہوں یہ سب اس امر کے بین ثبوت ہیں کہ ابھی شاعری کی مشقِ اوّل ہے زبان ترقی پا کر شاعری تک آ گئی لیکن شاعری

اپنے عہد طفولیت میں ہی۔ اس سے بھی بڑھکر یہ ثبوت ہی کہ اس وقت جو کلام دور اول کے شعرا کا پایا جاتا ہی اُس میں اگر کوئی شعر اپنے معنی کی وجہ سے بلیغ ہی تو وہ بعینہٖ ترجمہ کسی عربی شعر کا ہی۔ اس کثرت سے عربی اشعار کا ترجمہ قدیم شعرائے ایران کے کلام میں پایا جاتا ہی جس سے بعضوں کو یہ شبہ ہوا کہ ابتدائی مشق اس طرح شعر کی گئی ہی کہ عربی اشعار کو فارسی میں ترجمہ کیا ہی۔ پھر اُسے نظم میں لے آئے ہیں۔ اگر شاعری ایران میں قبل از اسلام موجود ہوتی تو ناممکن تھا کہ جہاں عرب کے کلام کو منظوم کیا تھا وہاں اپنے شعرائے سلف کے کلام کو بھی موجودہ زبان کا لباس نہ پہناتے۔ دیکھئے کعب ابن زہیر جو عرب کے مشہور شعرا میں سے ہیں سبعۂ معلقہ کے سات قصیدوں میں سے ایک ان کا قصیدہ بھی ہی وہ ایک شعر میں کہتے ہیں ؎

مَا اَرَانَا نَقُوْلُ اِلَّا مُعَارًا ۔۔۔ اَوْ مُعَادًا مِنْ قَوْلِنَا مَكْرُوْرًا

یعنی ہم جو کہتے ہیں وہ اگلوں سے مستعار لیا ہوا خیال ہوتا ہی یا اپنے ہی ایک بار کے کہے ہوئے کو پھر دوہرا دیتے ہیں۔ جیسا کہ شراب کی مدح میں اعشیٰ کا ایک شعر ہی ؎

وَكَاْسٍ شَرِبْتُ عَلَى لَذَّةٍ ۔۔۔ وَاُخْرٰى تَدَاوَيْتُ مِنْهَا بِهَا

یعنی پہلا ساغر تو میں نے لذت و سرور کے لئے پیا، لیکن دوسرے جام سے اُس درد کی دوا کی جو پہلے پیالے سے پیدا ہو گیا تھا۔ اسی مضمون کو بغداد کا مشہور شاعر ابو نواس عجب مستانہ طرز سے ادا کرتا ہی ؎

دَعْ عَنْكَ لَوْمِيْ فَاِنَّ اللَّوْمَ اِغْرَاءُ ۔۔۔ وَدَاوِنِيْ بِالَّتِيْ كَانَتْ هِيَ الدَّاءُ

یعنی ملامت کرنا چھوڑ اس لئے کہ ملامت شراب نوشی پر تو اور بھی برانگیختہ کرتی ہے۔ ہاں جو مرض ہے اسی سے دوا کر (یعنی شراب لا) اسی ابو نواس کا دوسرا شعر وہ ہے جو اس نے فضل بن ربیع کی شان میں کہا تھا جس میں بلا کا اچھوتا تخیل ہے ؎

لَیسَ عَلَی اللہِ بِمُستَنکَرٍ　　اَن یَجمَعَ العَالَمَ فِی وَاحِدٍ

یعنی قدرت خداوندی کے نزدیک یہ کیا محال ہے کہ وہ ایک شخص واحد میں ایک عالم کو جمع کردے۔ بغداد کی گلی گلی میں اس شعر کا چرچا پھیل گیا۔ لوگوں نے ابو نواس سے پوچھا کہ یہ نادر خیال تمہاری قوتِ متخیلہ نے کیوں کر پیدا کیا۔ اس نے کہا کہ جریر کے ایک شعر سے یہ مضمون ماخوذ ہے۔ اس نے قبیلہ بنو تمیم کے مدح میں جو قصیدہ کہا ہے اس کا ایک شعر یہ ہے ؎

اِذَا غَضِبَت عَلَیکَ بَنُو تَمِیمٍ　　حَسِبتَ النَّاسَ کُلَّھُم غِضَابَا

یعنی جب تم سے بنو تمیم غصہ ہو جائیں تو سمجھ لو کہ تمام بنی آدم تم سے غصہ ہو گئے۔ ابو ہی مضمون کو عنصری کہتا ہے ؎

کس از خدائے ندارد عجب اگر دارد　　ہمہ جہان را اندر یکے تن تنہا

کیا یہ ابو نواس کے شعر کا ترجمہ نہیں کیا اس کی بندش ڈھیلی نہیں۔ پورے شعر میں ابو نواس کے جس قدر الفاظ ہیں اس قدر یہاں ایک مصرع میں موجود ہیں پس اگر ایران میں شاعری پہلے سے ہوتی تو جس طرح ابو نواس نے جریر یا اعشیٰ کے شعر سے ایک مطلب لیکر اپنی چست بندش سے شعر کو کہاں سے کہاں پہنچا دیا اسی طرح اہل ایران بھی اپنے اسلاف کے کلام کو بلند کر دکھاتے۔ لیکن جب کہ اسلاف کا خزانہ اس گنج سے خالی ہو تو یقیناً دوسروں

کی طرف دستِ تمنا دراز کرنا ہوگا۔ اسی بنا پر انوری نے اپنے محسن و معطی کی سپاس گزاری اور اُن کی تقلید و تلمذ کا نہایت فراخ حوصلگی سے اقرار کیا ہے وہ کہتا ہے ؎

شاعری دانی کدامی قوم کردند آنکہ بود　　اوّلِ شاں امرالقیس آخرِ شاں بوالنواس

اب صرف اس امر کو مقامِ دلیل میں لانا کہ اصنافِ سخن کے لئے اصطلاحیں خالص فارسی لغات میں موجود ہیں یہ اسلام کی بے تعصبی و نصفت پسندی سے چشم پوشی کا نتیجہ ہے۔ اسلام نے کبھی کسی کے مذہب یا زبان سے تعرض نہیں کیا۔ یہ ایک ایسا بدیہی مسئلہ ہے جو براہین و دلائل کا محتاج نہیں ع

آفتاب آمد دلیلِ آفتاب

لیکن اب اس کو کیا کیا جائے کہ خود ہی باطل صدق و حق میں آہستہ آہستہ جذب ہوتا گیا۔ اور اس طرح ایرانی مذہب نیست و نابود ہو کر تقریباً ایرانی مسلم کا مرادف ہو گیا۔ اسی طرح عربی زبان (جو بولتی زبان ہے) اپنی گویائی و نطق سے بے معنی صداؤں کو خاموش کرتی گئی۔ اُس وقت کہ اسلام کا مبارک قدم ایران میں آیا ہے اُن کی اپنی زبان پوری قوت کے ساتھ زندہ تھی۔

فارسی میں اصطلاحات شعریہ | اسلام کی بے تعصبی اور زبان کی زندگی دونوں نے مل کر اہل ایران سے اصطلاحات وضع کرائیں۔ فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد میں ایران فتح ہوا۔ اُس وقت سے لیکر ابتدائے عہد حجاج تک دفتر کی زبان فارسی رہی۔ دفاتر جب خلیفہ کے سامنے معائنہ کے لئے پیش ہوتے تو اُن کا ترجمہ عربی میں ہو کر ملاحظہ کے لئے آتا۔

خدا کی بے شمار رحمت اُن نفوسِ قدسیہ پر جنہوں نے براہ راست بارگاہ نبوت سے تزکیہ و تصفیہ حاصل کیا تھا جس کی بدولت ان میں اس قدر بے تعصبی و شفقت علی الخلق پیدا ہوگئی تھی۔ اُن کے حوصلے کی بلندی و دماغ کے وسعت نے کبھی اس طرح کی تنگ خیالی کا وہم بھی ہونے نہ دیا۔ یہ تو صرف عربی زبان کے ذاتی محاسن و کمال کا نتیجہ تھا جو فارسی زبان نے غریب الوطن بدیسی عربی مہمان کو اس فراخ دلی سے اپنے ہم وطن جیسا بنالیا۔ حکومت عربوں کی تھی عمال و گورنر عرب ہی ہوتے تھے۔ رعایا کو آئے دن جو ضرورتیں پیش آتی تھیں اُن کے انصرام کے لئے نیز حکام کے ساتھ تعلقات و روابط کو صحیح طور پر مستحکم بنانے کے لئے عربی سیکھنے کی اُنھیں ضرورت پیش آئی۔ جب عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس زبان سے اہل ایران مانوس ہوئے تو اُس کے ہر لفظ میں جو فلسفہ تھا اُس کی خوبی نے انھیں اپنا والہ و شیدا بنالیا۔ اب جو دیکھا تو عربوں کے پاس اظہار جذبات کا فوٹو بھی تھا جسے وہ شاعری کہتے تھے۔ فارسیوں نے زبان عربی کے ساتھ اس نقاشی اور فوٹوگرافی کو بھی سیکھنا شروع کردیا۔ اہل ایران کے لئے شاعری ایک عجیب غریب شے تھی جس کی لذت سے قبل میں وہ قطعاً آشنا نہ تھے۔ پس ملک کے ہر فرد کو اس کی حقیقت سمجھانے کے لئے تعلیم یافتہ اشخاص نے اُسی وقت فارسی زبان میں ہر صنفِ سخن کے لئے ایک علیحدہ اسم قرار دیا اور اس طرح اصطلاحاتِ شعریہ کا وجود عالم لغت میں آگیا۔ نظم کا نام "چامہ" نثر کا "پکامہ" غزل کا "پیوستہ" قصیدہ کا "پرگندہ" وزن شعر کا "پساوند" اسم و رسم قرار پایا۔ لیکن عربی زبان کا ایک ایک لفظ جو فلسفہ و حکمت سے لبریز تھا اور جس میں اپنی وسعت و حلاوت کے سبب یہ کمال تھا

کہ ہر طرح کے خیالات بلا تخصیص بہت سہولت سے پوری طرح ادا ہو جاتے تھے۔ اُس نے اپنی حلاوت و شیرینی سے بہت سے مواقع پر فارسی کے لب بند کر دیے اور بہت سے الفاظ فارسیہ اُس کے وسیع دامن میں گم ہو گئے۔ جب میزبان و مہمان باہم شیر و شکر ہو کر مل گئے تب بزم و زمرہ کی گفتگو میں بھی چاشنی الفاظ عربی کی ہوئی۔ وہ کلام بے نمک ہوتا، وہ تقریر بے مزہ ہوتی جس میں عرب و عجم کی آمیزش نہ ہوتی۔ آخر نوبت یہاں تک پہنچی کہ اب اپنی زبان کے الفاظ ایک معتدبہ مقدار میں اُن سے متروک ہو گئے اور اُن کی جگہ صرف عربی الفاظ رہ گئے۔ اب نظم کا نام چامہ رہا نہ نثر کا چکامہ۔ ہاں ان مصطلحات کا وجود صرف لغات میں مثل دیگر متروک الفاظ کے رہ گیا۔ اب باوجود ان قرائن واضحہ کے پھر بھی یہ دعویٰ اور اس پر غلو کہ ایران میں شاعری پہلے سے تھی یہ تو محض خوش اعتقادی و وہم پرستی اور دورِ آخر کے تعصب کا نتیجہ ہے جس کے سامنے تمام دلائل بے سود ہیں۔

آب و ہوا کا اثر شاعری پر

ہاں یہ ضرور ہے کہ ایران میں جب شاعری آئی تو اس نے یہاں پہنچکر نئی نئی حسین شکلیں پیدا کر لیں اور ملک کی آب و ہوا نے اپنی شادابی و تازگی سے بہت جلد فارسی شاعری کو ایک دلِ آرا بنا دیا۔ لیکن پھر بھی بعض خصوصیاتِ عرب ایران میں نہ آسکے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شاعری پر ملک کی آب و ہوا کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے جو چیزیں کہ نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور خصوصیات ملکی جس طرح کے جذبات و کیفیات قلوب میں پیدا کیا کرتی ہیں اُسی کو شاعری کا مایۂ خمیر سمجھنا چاہیے۔ اس لئے ہر ملک کا باشندہ اپنے پسند کا معیار جداگانہ رکھتا ہے۔ ایک ہندی عاشق زلفِ معشوق کی

تشبیہ و توصیف میں بھونرے اُڑاتا ہے، برسات کی رات اور کالی گھٹا کو اُس کا عکس بتاتا ہے۔ عرب زغال یعنی کوئلہ کو شرمندہ کرتا ہے۔ جی چاہتا ہے تو عنبر و مشک سے بھی دماغ معطر کرلیتا ہے۔ ایرانی سنبل سُنگھاتا ہے۔ اہل یورپ سونے کو مقابل میں لاتے ہیں۔ یہ اپنے اپنے ملک کی خصوصیتیں ہیں۔ قاعدہ ہے کہ جس چیز سے انسان کو راحت ملتی یا فرحت و انبساط حاصل ہوتا ہے تو اُس چیز کے ساتھ ایک گونہ دل کا لگاؤ ہوجاتا ہے۔ پھر جب کہ وہ چیزیں اپنے ہی ملک کی ہوں تو پھر دلی میلان کا کیا پوچھنا۔ دیکھئے عرب کا ملک ریگستان اور کوہستان ہے۔ پتھریلی خاکی، ہموار ناہموار نشیب و فراز متعدد اقسام کی زمین اُس میں تھی۔ پھول اور پھل کے درخت کا وہاں نام تک نہ تھا۔ جو درخت پائے جاتے تھے وہ روکھے سوکھے اور اکثر خاردار تھے۔ زراعت کے لئے نہ زمین قابل تھی، نہ پانی میسر تھا۔ عربوں کا اسی ملک میں رات دن رہنا سہنا اور خانہ بدوش پھرنا کام تھا۔ قدرت نے ان کے زندہ رہنے کے لئے دو چیزیں دے دی تھیں۔ حیوانوں میں اونٹ اور نباتات میں کھجور۔ انھیں دو چیزوں سے عربوں نے ہر طرح کے سامان عیش و حیات اپنے لئے پیدا کرلئے تھے۔ دشوار گزار کوہستانی و ریگستانی منازل کو اس عجیب الخلقت جانور کی مدد سے طے کرتے تھے اس کی اُون سے کپڑے بناتے اس کی کھالوں کا خیمہ بنتا اس کے دودھ سے پورا کنبہ پرورش پاتا۔ ذبح کرکے اس کے گوشت سے پورے قبیلہ کی دعوت کرتے اور داد سخاوت لیتے۔ یہی حال کھجور کا تھا۔ اُس کو کھاتے اُس کے شیرے سے ہر طرح کی شیرنی بناتے اُس کی شاخوں سے مکان چھاتے اُس کو کاٹ کر ستون بناتے

غرض یہ اونٹ اور کھجور چونکہ عربوں کی ہر طرح کی راحت کا سامان تھے اور ان کا کوئی جز اُن کے لئے بے کار نہ تھا اس لئے اُن کے کلام میں ان دونوں کے لئے بکثرت لغات وضع ہوئے۔ استعارے اور تشبیہ میں ان دونوں سے کام لیا گیا۔ ان دونوں کی مدح میں طرح طرح کے راگ گائے گئے۔ یہ سب اس لئے کہ ان دونوں نے عربوں کو بہت ہی آرام پہنچایا تھا اور خود اُنکے ملک کی چیزیں تھیں پھر کیا وجہ جو عربوں کو محبوب نہ ہوتیں۔ عرب کی آب و ہوا جس طرح کے جذبات دلوں میں پیدا کرتی ہے وہی شعرائے عرب کے گلزارِ کلام کا شگفتہ چمن ہے اب اگر کسی ملک کا باغ اس تختۂ چمن سے محروم ہو تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔

اقوام و امم کا مورخ جب عرب کی وادیوں میں قدم رکھتا ہے تو اُسے عربی قوم کے خون کا نظام تمام اقوام عالم سے جدا اور غیرت و شرافت انسانی سے مالا مال دکھائی دیتا ہے۔ آزاد عرب حریت کے دالہ و شیدا شجاعت و سخاوت کے دلدادہ جفاکشی و محنت کے عادی غیرت و حمیت کے فدائی کاہلی و بزدلی سے نفور بخل و دنائت سے بمراحل دور۔ غرض یہ کہ محکومیت کے شکنجے سے ماموں رہ کر آزاد زندگی بسر کرنے والے اور فضائے حریت میں جذباتِ فطری کو نشو و نما دینے کے عادی تھے۔ ہمت کی وہ پستی اور حوصلے کی وہ تنگی جو مسلسل محکومیت سے قوم میں پیدا ہو جاتی ہے اُس سے قطعاً آشنا نہ تھے۔

اس لئے ایام جاہلیت کے قصائد دوسروں کی تعریف میں بہت کم ہیں اور جو کچھ ہیں وہ ممدوح کے واقعی اوصاف کے مظاہر ہیں۔ حرص و آز عرب کی قوتِ بیانیہ کو جنبش دے نہیں سکتے تھے۔ جیسا کہ بنو تمیم نے جب ایک شاعر جاہلیت سلامہ بن جندل کے سامنے یہ درخواست

پیش کی کہ عَجِّدْنَا لِشِعْرِكَ یعنی اپنے اشعار مدحیہ سے مجھے غرت بخش تو اُس نے نہایت صفائی سے یہ جواب دیا کہ اِفْعَلُوا حَتّٰی اَقُوْلَ یعنی کچھ کر دکھاؤ تو ہم بھی کچھ کہیں۔

عربی شاعری کی بنیاد کمالات ذاتی پر ہے | عرب کی شاعری ہمیشہ اس عیب سے پاک و صاف رہی کہ اُس کی فصاحت و بلاغت اور اُس کا جوشِ بیان سلاطین و امرا کے خوف و طمع سے مرعوب و مرہون نہ رہا۔ عربوں میں شاعری کی ابتدا رجز خوانی سے ہوئی اور یہ صنفِ کلام کمالاتِ ذاتی چاہتی ہے، نہ تنایلے ملوک و اہل دول۔ اس لئے شعرائے عرب کے قصائد اُن کے محاسن و فضائل کے روشن آئینے ہیں جن میں جوہر ذاتی کے تمام خط و خال جھلک رہے ہیں اور اُن پر یہ شعر صادق آتا ہے ؎

بے گلم نے بلبلم نے شمع نے پروانہ ام　　عاشقِ حسنِ خودم بر حسنِ خود دیوانہ ام

عربی شاعری اسی پیمانے پر اُس وقت تک رہی جب تک عرب کا تمدن ایران کی دل فریب معاشرت سے ہم آغوش نہ ہوا۔ دیکھئے عرب جب بے یار و مددگار رہ جاتا ہے اور حوادثِ دہر اُس سے خویش و اقارب احباب و اغزہ کو چھین لیتے ہیں تو وہ اپنی اُس بیکسی و تنہائی کو بھی اپنی اُسی شجاعت و خودداری عزم و استقلال کے لہجے میں بیان کرتا ہے ؎

ذَهَبَ الَّذِيْنَ اُحِبُّهُمْ　　وَبَقِيْتُ مِثْلَ السَّيْفِ فَرْدًا

(جن لوگوں کو میں دوست رکھتا تھا۔ وہ سب کے سب چل بسے اور میں مثل تلوار کے تنہا رہ گیا)

اسی طرح مصیبت کے وقت دوسروں کا دست نگر ہونا یا مضطر و بے قرار ہو کر اپنے پائے استقامت کو متزلزل کرنا عرب کی غیور طبیعت گوارا کر نہیں سکتی وہ شرافتِ نفس کو بدرجۂ غایت عزیز

رکھتا ہی اور حریت جیسے گراں مایہ جوہر کو سنگِ مصائب و اضطرار سے چکنا چور ہونے نہیں دیتا وہ کہتا ہی ؎

فَلَوْ كَانَ يُغْنِي أَنْ يُرَى الْمَرْءُ جَازِعًا ... بِحَادِثَةٍ أَوْ كَانَ يُغْنِي التَّذَلُّلُ

لَكَانَ التَّعَزِّي عِنْدَ كُلِّ مُصِيبَةٍ ... وَنَائِبَةٍ بِالْحُرِّ أَوْلَى وَأَجْمَلُ

(اگر نزول حادثہ کے وقت مرد کا مضطر ہونا یا لوگوں کے روبرو ذلیل ہونا مفید معلوم ہو۔ تب بھی آزاد مرد کے لئے مصیبت میں صبر ہی زیبا تر و لائق تر ہی)

جنگ کی گرما گرمی میں جب کہ تلوار اور نیزوں کی چمک تیروں کی بارش لڑنے والوں کو فرار کی راہ بتا رہی ہو اُس وقت عرب کا شاعر یوں کہتا ہی ؎

فَلَسْنَا عَلَى الْأَعْقَابِ تُدْمِي كُلُومُنَا ... وَلَكِنْ عَلَى أَقْدَامِنَا تَقْطُرُ الدِّمَاءُ

(یعنی ہم وہ نہیں ہیں جن کی ایڑیوں پر خون ہے۔ بلکہ ہمارے خون کے قطرے بہہ کر قدم پر گرتے ہیں)

عرب جس طرح کہ تذلیل نفس اور جبن و بزدلی کو اپنی شان کے خلاف جانتا ہی اُسی طرح بخل و مال اندوزی اُس کے علو ہمتی و شرافت عربی کے خلاف ہی۔ اُس کو مالکِ گنج و خزانہ کہنا اُس کی سخت توہین کرنی اور کھلی گالی دینی ہی ؎

أَعَيَّرْتَنَا أَلْبَانَهَا وَلُحُومَهَا ... وَذَلِكَ عَارٌ يَا بْنَ رِيطَةَ ظَاهِرُ

(ہم پر اونٹوں اور اُن کے دودھ و گوشت کے بکثرت ہونے کا تو نے عیب لگایا ہی۔ اے ابن ریطہ اُس کا معرف جب ہم بیان کرینگے تو تیرا یہ الزام جاتا رہے گا)

نُحَابِي بِهَا أَكْفَائَنَا وَنُهِينُهَا ... وَنَشْرَبُ فِي أَثْمَانِهَا وَنُقَامِرُ

(اونٹوں کو ذبح کرکے اعزہ و اقارب فقراء و مساکین کو کھلاتے ہیں اور ان کی قیمتوں سے ہم شراب پیتے ہیں اور جوا کھیلتے ہیں)

ایک دوسرا شاعر اپنے اور اپنے قبیلہ کی نفرت و بریت بخل سے یوں بیان کرتا ہے ؎

وَاللُّؤمُ دَاءٌ لِوَبْرٍ يُقْتَلُونَ بِهٖ وَلَا يُقْتَلُونَ بِدَاءٍ غَيْرِهٖ اَبَدًا

(یعنی بنی وبر کے لئے بخل ہی ایک قاتل مرض ہے اور بجز اس درد کے کسی اور مرض سے کبھی نہیں مرتے)

ایک تیسرا شاعر اپنے عزم بالجزم کا اظہار کرتے ہوئے اس طرح قسم کھاتا ہے ؎

بَقِيْتُ وَفْرِيْ وَانْحَرَفْتُ عَنِ الْعُلٰى وَلَقِيْتُ اَضْيَافِيْ بِوَجْهِ عَبُوْسِ

(میں بہت مال چھوڑ کر مروں و بلندی مراتب کی طلب سے انحراف کروں اور اپنے مہمانوں کا استقبال ناگواری ترشح دلی سے کروں)

اسی طرح وہ شرافتِ نسب کے اپنے اخلاق و شریفانہ جذبات سخاوت و شجاعت کا محافظ جانتے تھے نسب کی بربادی کو اپنے یا اپنے قبیلہ و خاندان کے لئے ایک مصیبتِ عظمیٰ جانتے اگر کہیں سلسلۂ نسب میں کچھ بھی نقص نکل آتا تو ساری عزت کا خاتمہ ہو جاتا۔ اخلاق و سیرت میں نسب کا دخل و اثر وہ یہاں تک تسلیم کرتے تھے کہ گھوڑے اور اونٹ کا نسب نامہ بھی ان کے پاس ہوتا۔ اور حیوانوں میں بھی شریف و اعلیٰ نسب کو خراب و تباہ ہونے دیتے۔ عرب کہتا ہے ؎

لَعَمْرُكَ مَا اَخْزٰى اِذَا مَا نَسَبْتَنِيْ اِذَا لَمْ تَقُلْ بُطْلًا عَلَيَّ وَمَيْنًا

(تیری جان کی قسم میں رسوا نہ ہونگا جب کہ تو میرا نسب صحیح صحیح ٹھیک بلا دروغ و افترا بیان کرے گا)

مضامین کے اعتبار سے یہ وہ خصوصیات ہیں جن کو ایرانی شاعر اپنے آپ میں پا نہیں سکتا صدیوں تک پیہم جو اُن پر زبردست حکومت رہی اُس نے اُن کے اُن جذبات کو فنا کر دیا جو عرب میں بدرجۂ کمال موجود تھے اور جس کا تلاطم اُن کے سینوں میں جب موجیں مارتا تو ایسے اشعار بے ساختہ اُن کے مُنہ سے نکلتے اور طرفہ یہ کہ اُن کے افعال اُن کے اقوال سے بھی بڑھکر آزاد و غیور رہتے۔

آب ہوا کا ایک اور اثر | ملکی آب و ہوا کا ایک اور بھی اثر تھا جو عرب اپنے اسلوب بیان کا انداز خاص رکھتا ہے۔ عموماً جب قصیدہ شروع کرتا ہے تو سامع کی دلچسپی اور اپنے مقصد کی دل آویزی کے لئے پہلے دیارِ یار کا ذکر کرتا ہے۔ وہاں کے کھنڈروں اور آثار کو اپنی شاعرانہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ خود روتا ہے دوسروں کو رولاتا ہے۔ شکستہ در و دیوار کو کبھی خطاب کرتا ہے اور کبھی اُن پتھروں کو دیکھکر جن سے چولھے کا کام لیا جاتا تھا ایک نالۂ جگر دوز کرتا ہے۔ وہاں کی ہودج نشین مستورات کا تذکرہ تصویرِ درد و غم ہو کر کرتا ہے۔ مصیبت کی داستان جب ایسے دل گداز پیرایہ میں بیان کی جائے تو سامع کی ہمدردی قائل کے ساتھ ہو ہی جاتی ہے۔ اب وہ یہاں سے مضامین عشقیہ کی طرف رجوع کرتا ہے جسے اصطلاح شعرا میں نسیب کہتے ہیں اُس میں اپنے عشق کے ولولے اور محبت کے جوش کو ظاہر کرتا ہے۔ فراق کے درد سے آہ سرد بھرتا ہے۔ یہ عشق و حُسن کی داستان اُن غم خوار سامعین کو اور بھی متوجہ و مائل بنا دیتی ہے۔ وہ کونسا دل ہے جو حُسن کا خواہاں نہیں اور کس کا قلب ہے جس میں عشق کی چاشنی نہیں۔ اس قدر کلام کا حصہ جب سامع کو ہمہ تن گوش بنا دیتا ہے تو وہ

اپنے شعر میں سفر کرتا ہے۔ راتوں کی بیداری، تمازت آفتاب کی گرمی، لو کی لپٹ تند و تیز ہواؤں کے ہوش رُبا جھونکے، راستے کی ناہمواری، اونٹ کی مضبوطی و تیز روی اُس پر بعد مسافت و شدائد سفر سے اُس کی لاغری۔ غرض ایسی ایسی باتیں کہتا ہے جن سے اُس کی جفاکشی استقلال ہمت و مردانگی ظاہر ہوتی ہے۔ اب وہ اپنے قصیدے میں گریز کرتا ہے اور کہتا ہے جو کچھ کہنا چاہتا ہے۔ چاہے میدانِ جنگ کے اپنے شجاعانہ حملوں کا بیان کرے یا اپنی شرافتِ نسب و حریت کا خطبۂ بلیغ پڑھے یا اپنے ممدوح کو اپنے کلام سے عزت بخشے

عربی قصائد کے چند اور لوازم عربی قصائد میں علاوہ ان باتوں اور اپنے ذاتی فخر و مباہات کے (جس کے وہ ہر طرح مستحق ہیں) چند اور چیزیں ہیں ایک تو اُن کا وہی محبوب جانور اونٹ جس کا بیان ہزاروں طرح سے عرب کرتا ہے اور پھر بھی اُس کی طبیعت سیر نہیں ہوتی دوسرے بیابان اور ریگستان اور ان مقامات کے لوازم یہ وہ چیزیں ہیں جن کو وہ خوب کہتے ہیں۔ چوں کہ یہ سب چیزیں عرب کے پیشِ نظر ہیں اور ان کا ملک ان چیزوں کے سوا اور کچھ اُن کے سامنے پیش نہیں کرتا اس لئے کلام بھی اور چیزوں کے ذکر سے مستغنی ہے۔

مناظر قدرت ہاں کبھی کبھی بارش اور موسلا دھار پانی کی روانی بھی اُن کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ وہاں بھی اُونٹ اپنی ہیولانی صورت کے ساتھ پانی کا بند بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ عرب کا مشہور شاعر ابن مطیر جب کہ والی مدینہ کے پاس پہنچا تو اُس روز وہاں پانی خوب برسا تھا۔ والی نے فرمائش کی کہ آج کی بارش کے متعلق کچھ کہو۔ ابن مطیر نے کہا کہ پہلے منظر اور سماں دیکھ لوں پھر کچھ کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ ایک بلند مقام

پر چڑھا اور ہر طرف نگاہ ڈال کر کیفیت ملاحظہ کی۔ پھر جو والی کے پاس آیا تو ایک قصیدہ تیار تھا۔ لیکن بادل کی تشبیہ اونٹ سے دی گئی اور پورے قصیدے میں اسی کا تلازمہ رہا اسی ذیل میں جو اشعار کہ گھنگھور گھٹا اور موسلا دھار پانی اور بجلی کے چمک میں کہہ گیا ہے وہ عجب بلاغت کا نمونہ ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

مُسْتَضْحِكٌ بِلَوَامِعٍ مُسْتَعْبِرٌ ۔۔۔ بِمَلَامِعٍ لَمْ تُمْرِهَا الْأَفْنَاءُ

فَلَهُ بِلَا حُزْنٍ وَلَا بِمَسَرَّةٍ ۔۔۔ ضَحِكٌ يُوَلِّفُ بَيْنَهُ وَبُكَاءُ

[بادل بجلیوں کی چمک کے ساتھ ہنستا ہے اور لگاتار بارش سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا خس و خاشاک میل کچیل سے صاف و شفاف آنکھیں ہیں جو آنسوؤں سے روز ہی میں بلا خوشی کے ہنستا ہے اور بلا غم کے روتا ہے اس کی ہنسی رونے سے ملی ہوئی ہے]

ذَابَ السَّحَابُ فَهُوَ بَحْرٌ كُلُّهُ ۔۔۔ وَعَلَى لُجُوجِهِنَّ السَّحَابِ سَمَاءُ

[سارے بادل پگھل کر دریا کے دریا ہو گئے اور دریا پر بادل کا آسمان چھا گیا]

مُحْمَرَّةٌ مُهْزَّ إِذَا اكْظَمْنَ فَوَاحِمٌ ۔۔۔ سُودٌ وَهُنَّ إِذَا ضَحِكْنَ وَضَاءُ

[وہ بادل بہت ہی سیاہ ہیں مگر جب پانی بھر لیتے ہیں تو اس وقت کو ملہ ہو جاتے ہیں سیاہ ہیں مگر جب ہنس دیتے ہیں تو روشن ہو جاتے ہیں]

لَوْ كَانَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ مَاءُهُ ۔۔۔ لَمْ يَبْقَ مِنْ لُجَجِ السَّوَاحِلِ عَلْءُ

[اگر سواحل کے عمق سے ان دریاؤں میں پانی آیا ہوتا تو سواحل خشک ہو جاتے اور ایک قطرہ بھی پانی کا ان میں باقی نہ رہتا]

وہ اشعار جن میں بارش و باران ابر و سحاب کی تشبیہ اُونٹنی اور اُس کے شیر و حمل وغیرہ سے دی گئی ہے اُن کو پیش کرنا فضول سمجھا۔ ہند کی سرزمین میں اُس کا بیان کیا لطف پیدا کر سکتا ہے۔ یہاں مقصود صرف اسی قدر ہے کہ شاعر جن چیزوں کو دیکھتا ہے اور حواس جس طرح کے جذبات پیدا کرتے ہیں شاعر اُنھیں کو الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے عربوں کے کلام میں قصائد ہیں اور مراثی ہیں اور یہ دونوں صنفیں نظم کی بدرجۂ کمال پائی جاتی ہیں۔ اور ان دونوں سے مقصود اپنے خصائص و فضائل کو زندہ رکھنا اور آیندہ نسلوں کو رغبت دلانا تھا۔ غزل اُن کے کلام میں اپنی مستقل حیثیت نہیں رکھتی ہے۔ چاہیے تو تشبیب کو غزل کہہ لیجئے۔ اسی طرح مثنوی کے صنف سے بھی اُن کا کلام خالی ہے۔ حالانکہ اس کا مواد جس اکثار و فراوانی کے ساتھ عربوں کے پاس تھا اُس کا اقتضا یہ تھا کہ ایک عظیم الشان کتب خانہ آج ایام جاہلیت کی مثنویوں سے مزین و آراستہ ہوتا۔ بہت سی باتیں عربی شاعری میں اسی وجہ سے نہ آسکیں کہ اُن کا بیان صنفِ مثنوی کا خواہاں تھا ؎

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم　　چناں کہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

فارسی شاعری کی تاریخ اور تدریجی ترقی اب فارسی شاعری کی تاریخ اور اُس کی تدریجی ترقی اور اُن خصوصیات پر نظر ڈالنے کی حاجت ہے جو اس میں باعتبار مضمون اور انداز بیان کے پائی جاتی ہیں تاکہ استاد اور شاگرد کی خصوصیتِ خاصہ اچھی طرح واضح ہو جائے۔ محققینِ السنۂ مشرقیہ کا اس پر اتفاق ہے کہ فارسی زبان اپنے حسن و دل آویزی یعنی مرتبۂ شاعری تک پہنچنے کے لئے عربوں کی سراپا انتظار تھی۔ عرب اُستاد نے شعر کی حقیقت اور اس کی

قوت و کیفیت سے اپنے تلامذہ کو آگاہ کیا اور کچھ ایسے خوش آیند لہجے میں دعوت شعر کی نغمہ سرائی کی کہ ایران کے تمام گوشے لبیک کی صدا سے گونج اُٹھے: یہ امر تو مسلّم ہو چکا کہ ایران میں شاعری کی ابتدا اکتسابی طور سے ہوئی۔ اب غور طلب یہ امر ہے کہ تعلیم یافتہ ایرانیوں نے پہلے پہل جو شاعری کے لئے زبان کھولی۔ وہ کلام کس زبان میں تھا۔ اگر معائن نظر سے کام لیا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ پہلی مشق شاعری کی عربی ہی زبان میں کی گئی تاکہ اُستاد کی اصلاح سے کلام مرصع ہو جائے اور نکاتِ شعریہ کے دقیق مسائل اچھی طرح حل ہو کر سمجھ میں آ جائیں۔ جب عربی میں شعر کی مشق ہو گئی اور شعر گوئی کا طریقہ اور صحت کی راہ معلوم ہو گئی تو اپنی ملکی اور مادری زبان کی طرف فوراً متوجہ ہو گئے۔ اس لئے کہ علم ہو یا فن جب تک اُس پر غیر زبان کا قفل چڑھا ہوا ہے اُس میں کمال بہم پہنچانا اگر محال عقلی نہیں تو محالِ عادی ضرور ہے۔ اس لئے اہلِ ایران نے اپنی بحور بھی علیحدہ قرار دیں اور انھیں جدید مقرر کردہ بحروں میں اُنھوں نے شاعری کی داغ بیل ڈال دی۔ لیکن ابتدائی اشعار کی یہ حالت تھی کہ جس طرح ایک بھولا آدمی سیدھی سیدھی باتیں کرتا جاتا ہے اُسی طرح فارسی کے وہ اشعار تھے جن میں بہت جلد رنگینی و چستی پیدا ہو گئی۔ اس کو واضح طور پر سمجھنے کے لئے اس طرح خیال کرنا چاہئے کہ انسان کو کھانے کے لئے غذا، رہنے کے واسطے مکان، بدن ڈھانکنے کو ستر، حملۂ اعدا سے محفوظ رہنے کے لئے سپر اور حملہ آور ہونے کے لئے آلات درکار ہیں۔ اب انسان اپنی ان ضرورتوں کو جن چیزوں سے پورا کرتا ہے وہ دو قسم کی ہیں: ایک تو وہ جو اپنی موجودہ سادی اور خلقی صورت میں انسان کی

خدمت کے لئے زبانِ حال سے لبیک کی صدا بلند کر رہی ہیں جیسے غار و خندق سکونت کے لئے جنگلی برگ و بار غذا کے لئے، درختوں کے لمبے چوڑے پتے ستر پوشی کے لئے، پتھر کے ٹکڑے اور درختوں کی خشک و تر شاخیں اسلحہ بننے کے لئے ہر وقت طیار ہیں اور یہ وہ ادنیٰ مرتبہ انسان کے زندگی بسر کرنے کا ہے جسے خالق نے خود اُس کے لئے مہیا کر دیا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ ان کی خلقی حالت پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ ان چیزوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے اس میں تغیر و تبدل ترکیب و تحلیل کو عمل میں لائیں اور اس طرح مایحتاج فی الحیات میں ایک نئی شان پیدا کریں۔ جس قدر نازپروردگی بڑھتی جائیگی اور عیش و تنعم کا سامان بہم پہنچتا جائیگا اور محفوظ رہنے کے وسائل قوی ہوتے جائینگے اُسی قدر تمدن کا پلہ گراں ہوتا جائیگا وہی قوم جو اشیاء کا استعمال ابتدا میں اس طرح کرتی تھی کہ صنعتِ عبد کا اُس میں کوئی حصہ نہ ہوتا تھا انتہا میں اگر اُن کے طریقِ استعمال کو دیکھا جائے تو صنعتِ عبد نے اس کی حقیقت بالکل گم کر دی ہوگی۔ اگر متمدن و غیر متمدن قوم کے مآکل و مشارب ملابس و مساکن کو دیکھا جائے تو بہت اچھی طرح یہ حقیقت منکشف ہو سکتی ہے۔ بعینہٖ یہی حال ایران کی شاعری کا سمجھنا چاہیئے۔

حقیقت یوں ہے کہ پہلے پہل جس زبان میں شاعری کا آغاز ہوتا ہے اُس میں ابتدائی رفتار ہی آہستگی و سادگی سے ہوتی ہے۔ ورنہ نظم کمالِ سخن کی جگہ اہمال و لغویت کا دفتر بے معنی ہو جائے۔ ابتداً شعراء کلام کو موزوں کرنے کی مشق کرتے ہیں پھر بہ تدریج ترقی کرتے جاتے ہیں ورنہ اگر آغاز ہی میں بلند پروازی کی جائے تو یہ بجائے ملاءِ اعلیٰ پر پہنچانے

کے تحت الثریٰ تک لے جانے والی ہو۔

اُردو شاعری کی حالت بطور مثال کے | مثال کے لئے اُردو شاعری کی ابتدا اور پھر مرتبۂ کمال تک پہنچنے پر غور کرنا کافی ہے۔ شاعری نے جب ہندوستان کی اُس زبان میں جو اَب یہاں پیدا ہوگئی تھی اپنی جلوہ آرائی کی اُس وقت اُردو میں شعر کہنے والے وہ باکمال حضرات تھے جن کی نگاہوں میں دونوں شاعریاں عرب و عجم کی موجود تھیں۔ لیکن اُردو میں چوں کہ کوئی نمونہ موجود نہ تھا اس لئے سادگی ہی کا جامہ اُس کے لئے مستحسن سمجھا گیا۔

اُردو میں ولی کا وہی مرتبہ ہے جو رودکی کا فارسی میں ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ولی نے فارسی و عربی شاعری کا کافی مطالعہ نہیں کیا تھا۔ پھر جو ولی کے کلام میں سادگی ہے اور الفاظ بغیر تراش و خراش کے ادا ہوتے ہیں دور کے استعارات اور تشبیہات بھی نہیں پائی جاتیں وہ بجز اس کے اور کس کا نتیجہ ہے کہ اُردو میں شاعری اپنی طفولیت کا عہد بسر کر رہی ہے گویا بچوں کی طرح گھٹنوں گھٹنوں چل رہی ہے جس طرح کوئی راہ رو اُس راستے کو طے کرے جو قبل سے قدموں کے نیچے نہ آیا ہو یا کوئی اجنبی ایسے مکان میں داخل ہو جس میں پہلے گیا نہ ہو تو وہ قدم سنبھل سنبھل کر رکھے گا تیز روی و سرعت اس کے لئے بجائے منزل رسائی ثابت ہونے کے سنگِ راہ ہو جائیگی۔

اسی وجہ سے ابتدا میں ایران کی شاعری محض موزوں فقرات سے شروع ہو کر بہت جلد اس قابل ہو گئی کہ اُس کو بزم شعرا میں پیش کیا جا سکے۔ فارسی شاعری پر یہ رودکی کا احسان ہے جس کی دایۂ فکر نے اس طفلِ شیر خوار کو اپنی جودتِ طبع اور حدت

ذہن سے پرورش کرکے عالمِ تمیز تک پہنچایا لیکن ابھی اس کو جوان اور جوانی کے ساتھ سنجیدہ و متین ہونا باقی ہے۔

سادگی کی تاثیر | طبقۂ اول کے وہ شعرا جو دورِ اول میں گزرے اُن سب کا کلام ایک ہی انداز رکھتا ہے۔ بندش کی چستی نہیں مضمون کی بلند پروازی نہیں۔ ان کی نظم میں صرف محسوسات اور ان کے اصلی حالات ہیں۔ سادہ الفاظ میں سیدھی باتیں جو آپس میں بولتے ہیں اکثر و بیشتر اُسی کو نظم کر دیتے ہیں۔ استعارہ و تکلفات سے بہت کم کلام کو آراستہ کرتے ہیں۔ مثلاً رودکی جب کہ بڈھا ہو جاتا ہے اور اُس کے دانت ٹوٹ جاتے ہیں ضعیفی اعضا پر چھا جاتی ہے، اُس وقت جوانی کی یاد میں ایک قصیدہ کہتا ہے۔ عمر کے آخر حصے میں جو کچھ کہتا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے سیدھی سادی باتیں ہیں جو نہایت سادگی سے وزن و قافیہ کے محاصرہ میں لے آئی گئی ہیں۔ مثال کے لئے تین پہلے شعر اس قصیدے سے حاضر ہیں ؎

مرا بسود فرو ریخت ہر چہ دندان بود ۔۔۔ بنود دندان بل چراغ تابان بود
یکے نماند کنوں زان همه بسود و برخت ۔۔۔ چہ نخس بود همانا کہ نخس کیوان بود
نہ نخس کیواں بود و نہ روز کار زرا ۔۔۔ چہ بود مُنت بگویم قضائے یزدان بود

وزن و قافیہ کے ساتھ عہدِ شباب کا کلام شبیہ ہے اس لئے اسے شعر کہئے۔ مگر جو شعر کی حقیقت ہے اُس کا نام و نشاں تک نہیں۔ اگر آج کوئی اس طرح کا شعر کہے تو ہمارے شعرا اُس کی طرف بھول کر بھی ایک نگاہ غلط انداز نہ ڈالیں۔ مگر چونکہ یہ رودکی کا کلام ہے جس نے شاعری کو بزمِ شعر تک آنے کے قابل بنایا ہے، اس لئے یہ اشعار کتابوں میں ارباب ذوق کی زبانوں

پر جاری و مکتوب ہیں۔ رودکی کے کلام میں سب سے مشہور اور بہترین نمونہ وہ اشعار ہیں جو شاہ بخارا کو ہرات سے مضطربانہ بخارا لے گئے۔ اس میں شک نہیں کہ اُن اشعار میں لذت ہے اور لطف و ذوق سے بھی خالی نہیں لیکن شنبم سے ایک پیاسے کی کیا تسکین ہو سکتی ہے۔ واقعہ اُن اشعار کا یوں ہے کہ شاہِ بخارا ہرات پہنچتا ہے اُن اطراف کی نزہت فزا آب و ہوا اُس کے دامن گیر ہو جاتی ہے۔ ایک خوش گوار روح پرور موسم جب گزر جاتا ہے تو دوسرے موسم کا اشتیاق پاؤں کا زنجیر ہو جاتا ہے۔ ہرات کے سرسبز و شاداب خطے اور سیستان و مازندران کے لذیذ و خوش بو میوے چار برس تک بادشاہ کی مہمان نوازی کرتے رہے۔ اس مدت دراز میں اعیانِ دولت و وابستگانِ سلطنت وطن کی دوری اور سفر کی زندگی سے چیخ اُٹھے رعبِ شاہی سے کسی کو لب ہلانے کی طاقت بھی نہ تھی۔ رودکی دربارِ شاہی کا شاعر تھا اور گانے میں بھی بدرجۂ کمال ماہر تھا۔ سبھوں نے مل کر پانچ ہزار اشرفیوں کا وعدہ رودکی سے اس شرط پر کیا کہ وہ اپنی نظم دل گداز اور نغمۂ داؤدی سے بادشاہ کو وطن کی یاد دلائے۔ رودکی بادشاہ کی مجلس میں اُس وقت جب کہ وہ جام و صراحی سے داد انبساط دے رہا تھا حاضر ہوا اور اپنے درد بھرے لحن میں اپنا برجستہ کلام یادِ وطن میں گانا شروع کیا۔ یہ سحر حلال بادشاہ پر چل گیا۔ اُس کی بے چینی بڑھی اور ایسا مضطربانہ گھوڑے پر سوار ہوا کہ موزہ بھی پہن نہ سکا۔ رہوار تیز رفتار کو خیز کیا اور جب تک ایک منزل طے نہ ہوئی گھوڑے کی باگ نہ روکی۔ وہ اشعار بہت تھے لیکن افسوس کہ اب بجز چند اشعار کے جو تذکروں میں منقول ہیں یاد نہیں ملتے ؎

بوے جوے مولیاں آید ہمی — یادِ یارِ مہرباں آید ہمے
ریگِ آموں با درشتی ہاے او — زیر پایم پرنیاں آید ہمے
آبِ جیحوں با ہمہ پہنا وری — خنگِ ما را تا میاں آید ہمے
اے بخارا شاد باش شاد و زی — شاہ سوے میہماں آید ہمے
شاہ سرو دست و بخارا بوستاں — سرو سوے بوستاں آید ہمے
شاہ ماہ ہست و بخارا آسماں — ماہ سوے آسماں آید ہمے

یہ دلکش قصیدہ ایک مدت تک مقناطیس کی طرح لوگوں کے قلوب کو اپنی جانب کھینچتا رہا بعض شعرا نے اس پر طبع آزمائی بھی کرنی چاہی لیکن اس کے مقابل میں نہ آسکے۔ وجہ اس کی صاف ہے شاعر خود چار برس تک وطن سے دور رہا، یاد وطن جس جس طرح دل میں چٹکیاں لیتی ہوگی اس درد کی لذت کسی غریب الوطن سے پوچھنی چاہیے۔ اس پر پانچہزار اشرفیوں کا بعدہٗ

طمع زر کا اثر جذبات پر | خطیہ جو عرب کا مشہور شاعر ہے اس سے کسی نے سوال کیا کہ سب میں بڑا شاعر کون ہوتا ہے، تو اس نے اپنی زبان باریک مثل سانپ کے نکال کر کہا کہ یہ جس وقت طمع سے لذت آشنا ہو جائے۔ اسی طرح احمد بن یوسف نے ابو یعقوب شاعر سے کہا کہ کاتب برامکہ محمد بن منصور بن زیاد کی شان میں تیرے مدائح بھی ہیں اور مراثی بھی۔ لیکن جو جودت اور شاعرانہ تخیل کہ مدح میں ہے مراثی اس سے بالکل خالی ہیں۔ ابو یعقوب نے کہا کنا یومئذ نعمل علی الرجاء ونحن الیوم نعمل علی الوفاء وبینہما بون بعید (یعنی اس وقت جو ہم مدح کہتے تھے تو امیدیں وابستہ تھیں اور جو مرثیہ کہتے ہیں یہ تو محض وفاداری ہے اور ان دونوں میں بہت بڑا فرق ہے)

پھر پانچ ہزار اشرفیوں کی جھنکار نے اگر رودکی کے شاعرانہ جذبات و احساسات کو تیز کر دیا ہو تو کیا تعجب ہے۔ وطن کی یاد پردیس کی تکلیف اور اشرفیوں کی اُمید نے تڑپ تڑپ کر ان اشعار کی صورت اختیار کی۔ اس لئے ان میں اُس وقت بھی لذت و لطافت تھی اور آج بھی ذوق سے خالی نہیں۔ ہر چہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

لیکن اگر تامل صادق سے کام لیا جائے تو دور اوّل کے پہلے شاعر کی خصوصیت یہاں بھی نمایاں ہے۔ رودکی نابینا ہے وہ پانی کی لہروں اور موج کے تلاطم کو دیکھ نہیں سکتا اُس کی حس باصرہ لبِ دریا کے سبزہ زار اور دہاں کی شادابی سے خنک نہیں ہوتی پس اُس کا دماغ اُس تخیل سے بالکل صاف ہے۔ قوت شامہ موجود ہے وہ اپنا کام کرتی ہے پانی کی مہک سونگھتا ہے لیکن اُس کی روانی و سیلاب کا پتہ بھی نہیں۔ دریا کے ریگ پر گزرتا ہے لیکن یہاں بھی آنکھ کا کام وہ اپنے قدم سے لیتا ہے۔ موٹے موٹے ریت کے دانے نہ سخت معلوم ہوتے ہیں نہ پاؤں جلاتے ہیں نہ تلووں میں چبھتے ہیں بلکہ نرم ہو کر قدموں کے نیچے پرنیاں کے فرش ہو جاتے ہیں۔ یہ نتیجہ حبِ وطن کا ہے دیگر اشعار کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے لیکن کیا اگر طبقۂ ثانی کے شعرا ہوتے تو اپنے وطن کا راگ اسی سادے لحن میں گاتے، نہیں کبھی نہیں۔ وہ کم از کم ریگ کے ایک ایک ذرہ کو آفتاب اور ہر ایک سبزہ کو گلستانِ ارم و باغ جناں بنا دیتے۔ موج و حباب کو جب بیان کرتے تو ایک دریا بہا دیتے رودکی بڑا پر گو شاعر گزرا ہے۔ اُس پر بادشاہوں کی قدردانی و عزت افزائی، درہم و دینار کی بارش نے کبھی اُس کو خاموش بیٹھنے نہ دیا۔ ایک لاکھ تک اُس کے اشعار کا شمار بعض

نے کیا ہی۔ یہ ظاہر ہی کہ جب اشعار کی تعداد اس قدر ہو تو پھر اُس میں سب طرح کے مضامین ہونگے۔ تذکروں میں جو رودکی کا کلام منقول ہی اُس میں ہر جنس موجود ہی۔ جا بجا مضمون آفرینی بھی ہی۔ کہیں کہیں تشبیہ و استعارے کا بھی لطف ہی۔ اخلاق و موعظت کے پاک و شیریں مضامین بھی موجود ہیں۔ کہنہ مشق دیرینہ سال شاعر کا جب جی چاہتا ہی تو عشق و حسن کے ناز و نیاز بھی کر لیتا ہی۔ قصیدے کی تشبیب میں غزل کا لطف آجاتا ہی۔ اور گریز میں بھی اس کی قوت و قابلیت نمایاں ہی لیکن با ایں ہمہ شاعری کو ابھی بہت کچھ ہونا ہی اس لئے وہ اپنا قدم نہایت سرعت و تیزی سے آگے بڑھائے جاتی ہی۔

فردوسی اور اسدی طوسی | اس دور کا آخر شاعر فردوسی ہی۔ اُس نے شاہنامہ کیا لکھا اپنی اُس قوتِ دماغی اور جودتِ ذہن کا جو بشر میں ایک عطیۂ الٰہی ہی کامل ثبوت دیا ہی۔ اس نے یہ مثنوی لکھکر ثابت کر دیا کہ انسان کی دماغی قوت اعلیٰ نمونہ صانع بیچوں کے صنعت کا ہی۔ میدانِ جنگ کی تصویر تو ایسی کھینچتا ہی کہ ہو بہو فوٹو ہوتا ہی۔ اس کا کلام و کمال کسی کی تحسین اور ثنا سی کا محتاج نہیں۔ ع

حاجتِ مشاطہ نیست روئے دل آرام را

یہ کہنا ایک امر واقعی کا بیان کرنا ہوگا کہ فردوسی ہی کی بدولت معانی کی کمی انتہائے کمال پر پہنچکر اپنی شان کا جلوہ دکھانے لگی۔ لیکن الفاظ اپنے بناؤ سنوار کے لئے ہنوز مضطرب ہیں۔ کو بہت سے الفاظ متروک ہو چکے محاورات بھی بدل گئے لیکن پھر بھی شعر کی نزاکت و لطافت ان ثقیل الفاظ کے بوجھ سے دبی جاتی ہی۔ مثلاً فردوسی کہتا ہی ؎

برستم دھم تخت و گنج و کلاہ　　نشانمش برجاے کاؤس شاہ

یہاں متحرک کا ساکن ہونا فصاحت پر کس قدر ناگوار ہے۔

سیامک برآمد برہنہ تنا　　بیا ویخت باپور اہرمنا

الف کی زیادتی قافیہ میں کیسی بدنما ہے۔

ایک موقع پر چاند سے خطاب کرکے بہت سے شعر لکھے ہیں اُن میں کا ایک شعر یہ ہے

بہ سی روز گیتی بہ پیمایدا　　دو روزو دو شب روے ننمایدا

یہاں فعل میں الف کی زیادتی اُسی طرح بھدی ہے۔

کہ درمان ایں کار یزداں کند　　مگر کیں غماں بر تو آساں کند

اگر عمر باشد مرا سالیاں　　بہ خدمت بہ بندم کمر بر میاں

جمع کا الف جہاں چاہتا ہے لگا دیتا ہے چاہے فصاحت اس زیادتی کو برداشت کرے یا نہ کرے اگرچہ ضرورت شعری ایک ایسی ضرورت ہے جس کے لئے ہر ناروا روا ہے لیکن الفاظ کا یہی بھدا پن آخر دور میں قطعاً ناجائز قرار دیا گیا۔ یہی دور اوّل کا شاعر اسدی طوسی ہے جس کے کمال نے یہ بے بنیاد روایت وضع کرائی کہ یہ فردوسی کا اُستاد ہے اور شاہنامہ کی تکمیل اسی کے زبردست قلم کا نتیجہ ہے۔ اسدی طوسی فردوسی کا اُستاد تھا یا نہ تھا اس وقت اسے جانے دیجئے لیکن یہ تو محقق ہے کہ شاہنامہ اُس کے زورِ قلم کا مرہون نہیں بہرحال دو چار شعر اُس کے بھی ملاحظہ ہوں۔ اسدی طوسی ؎

چو خورشید آں چادرِ قیر گوں　　بدرید واز پردہ آمد برون

ہوا ابر گشت از بخور عبیر　　بخندید بم و بنالید زیر

الفاظِ فارسیہ میں تشدید زبان پر کس طرح اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ اسدی طوسی سبب تالیف کتاب میں کہتا ہے ؎

بسازم یکے بوستاں چوں بہشت　　کہ خندد ز خوشی برارد بہشت

یہاں بھی وہی تشدید کی ثقالت فصاحت کو دبائے دیتی ہے۔

پہلا دور ختم ہوا۔ رودکی۔ اسدی طوسی۔ عنصری۔ فرخی۔ فردوسی اس دور کے باکمال شعرا تھے جن میں رودکی کو اوّلیت کی فضیلت حاصل ہے اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر ہے۔

دوسرا دور | اب شاعری کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے میں خاقانی۔ انوری۔ نظامی حکیم سنائی۔ مولانا روم و عمر خیام وغیرہ گزرے۔ دونوں دور کے شعرا میں یہ فرق ہے کہ پہلے طبقے کے شعرا قدرتی طبیعت سے شعر کہتے تھے پاس کی چیزوں سے تشبیہ لاتے اور پیش نظر اشیا سے استعارہ لیتے لیکن دورِ ثانی میں نگاہوں نے زیادہ غور پیدا کیا۔ عرب کے علوم ملک میں عام ہو گئے تھے۔ بلاغت کی کتابیں فارسی میں لکھی جا چکی تھیں اس لئے عربی الفاظ کا قبضہ زیادہ ہوا پھر الفاظ و معانی کو صنائع و بدائع نے علمی رنگ دیا۔ دورِ اوّل میں سادگی سنگینی و استواری تھی اب رنگینی لطافت اور ملائمت پیدا ہو گئی۔

خاقانی۔ خاقانی ابتدائی کیفیت اور خاتمۂ مطالب کے نہایت خوبی کے ساتھ نظم کرتا ہے قصائد اس کے لاجواب ہیں لسان العجم کا اس کو لقب حاصل تھا۔

نظامی۔ نظامی مثنوی کے بادشاہ ہیں ان کے کمال کی شاہد ان کی پانچ مثنویاں ہیں جو خمسۂ نظامی کے نام سے مشہور ہیں۔ اُنہوں نے نظم نگاری میں نیا رنگ پیدا کیا۔ تشبیہ و استعارے کو رنگینی و قوت کے ساتھ برتا۔ ان کے پیچ میں بھی بانکپن ہے ان کا کلام تمام لطافت و نزاکت سے لبریز ہے۔ فردوسی کے بعد رزمیہ مضمون کوئی دوسرا ان سے بہتر تو کیا برابر بھی نہ لکھ سکا۔

انوری۔ انوری نے کلام میں مضمون آفرینی پیدا کی استعارہ کو لیا اور خوش ادائی سے برتا۔ قصیدہ کہنے میں اُستاد ہے۔

حکیم سنائی۔ حکیم سنائی پہلے شخص ہیں جنہوں نے تصوف کو مستقل طور پر نظم میں لکھا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے پختگی برجستگی اور صفائی میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔

مولنا رومی۔ مولنا رومی تصوف کے بادشاہ ہیں علم کلام و تصوف کے اہم ترین مسائل دل گیر و دل پذیر طریقے سے بیان کرتے ہیں مثنوی آپ کی چھ جلدوں میں شش جہات عالم میں فیض رساں ہے۔ عربی فارسی میں متعدد شرحیں لکھی گئیں ارباب سلوک آج تک اس کا درس دیتے ہیں۔ اور حق تو یوں ہے کہ مرد راہ رفتہ کے سوا کوئی دوسرا اُسے سمجھ بھی نہیں سکتا۔

عمر خیام۔ عمر خیام علوم عقلیہ میں کمال رکھتا تھا اقسام شعر میں اس کی رباعیاں ہیں جنہوں نے اس کو زندہ رکھا ہے مسلمانوں سے بڑھکر اہل یورپ نے اس کے ساتھ اعتنا کیا

تیسرا دور دوسرا دور بھی ختم ہوتا ہے معانی و الفاظ دونوں ترقی پاکر اس دور میں کامل ہو چکے ہیں اب تیسرا دور شاعری کا شروع ہوتا ہے۔ اس طبقے کے بہترین نمونہ سعدی۔ امیر خسرو اور حافظ ہیں اس عہد میں غزل خوانی کی بڑی دھوم تھی سلاطین و امرا کی خوشامدوں میں خوب خوب قصیدے لکھے جانے لگے عاشقانہ مثنویوں کا رنگ گھٹا ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ چنگیز خاں کے مشہور حملہ نے جو ۶۱۷ھ میں واقع ہوا دلوں کو ایسا سرد کر دیا تھا کہ بہادری و شجاعت کا خیال سروں سے جاتا رہا شعرا غزل و قصائد سے دلوں کو خوش کرنے لگے۔ مردانہ خیالات اس وقت سے جو مٹنے لگے تو آخر مٹ ہو کر ہی رہے۔

پانچویں صدی کی شاعری پانچویں صدی میں حسینوں کی بزم ہر طرح کے سامان اسلحہ سے آراستہ پائی جاتی تھی۔ ابرو کمان تھے جن سے یہ مژگاں چل کر دلوں میں ترازو ہو جاتے تیوری بدلی اور ابرو خنجر ہو گئے مژگاں نیزے بن گئے غرض معشوقوں کی بزم میں عشاق کے چھیدنے کی ویرتھی۔ یہ پھینچے اور رستم و اسفندیار کے میدان جنگ گرد برد لیکن چھٹی صدی میں نکتہ چینی و نزاکت بڑھی مزاجوں میں تغیر پیدا ہوا طبیعت میں چستی و شجاعت نہ رہی راحت پسندی غالب آئی۔ آخر اس کا اثر کلام پر بھی پڑا رفتہ رفتہ ایک وہ وقت پہنچا کہ رزمیہ بزم میں بھی ساغر و مینا کے دور چلنے لگے تشبیہیں بدل گئیں۔ اب سپاہی میدان کارزار میں بھی جو پھنستا ہے تو عشق کے نشہ میں چور جاتا ہے۔ قدسی، کلیم، علی نقی،

سلیم کی رزمیہ مثنویاں اس پر گواہ ہیں۔ بہرکیف یہ دور بھی ترقی سے خالی نہ رہا۔ زبان زیادہ صاف ہوگئی اور مضمون آفرینی نے بہت ترقی کی۔ خاقانی و انوری وغیرہ جو علمی اصطلاحات سے زبان کو زیربار کرتے تھے یہ بات جاتی رہی۔

سعدی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ اس طبقے کے نہایت شیریں کلام شاعر ہیں ان کا مضمون آج تک پھیکا نہوا نظم ہو یا نثر اصنافِ سخن پر قدرت رکھتے ہیں ان کے کلام میں استعارے بھی ہیں لیکن پیچیدہ نہیں۔ صنعتیں دکھاتے ہیں اور لطف بڑھاتے ہیں مبالغہ و استغراق سے کام نہیں لیتے۔ ان کا کلام دین و دنیا کی سودمند نصائح سے پُر ہے۔ اخلاقی مضامین کو ان کے مثل کسی نے نہیں ادا کیا۔ مخلوق کی دردمندی ان کے ہر رگ و پے میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ تجربہ کامل تھا اور سیاحت وسیع اس لئے جو ان کی زبان سے نکلتا ہے وہ دل میں جا بیٹھتا ہے۔ گلستان، بوستان، دواوین و قصائد ان کی مشہور تصانیف ہیں لیکن غزل کا رنگ بدلنے والے، اور سوز و گداز کے ساتھ دقیقہ گوئی کی بنیاد ڈالنے والے بھی شیخ سعدی ہی ہیں اس لئے من حیث شاعر انھیں غزل کا استاد تسلیم کیا گیا ہے۔

امیر خسرو۔ امیر خسرو کے والد امیر سیف الدین ترکستان سے آئے تھے۔ امیر خسرو نے گو ہندوستان میں ولادت اور تربیت پائی تھی مگر دماغ پر قدرت سے وہ ودیعت ہوا تھا کہ ایجاد مضامین کا طلسم خانہ تھا۔ انہوں نے صنائع لفظی و معنوی کا عجائب خانہ کھول دیا۔ تصانیف کی یہ کثرت ہے کہ ہمیشہ اُن کا سمیٹنا دشوار رہا اور آج دشوار تر ہے۔

حافظ۔ خواجہ حافظ کا دیوان مشہور ہے۔ اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ چند قصیدے

برائے نام ہیں مگر غزل ایسی لکھ گئے کہ آج تک ان کا جواب نہیں۔ نہ تصنع ہے نہ تکلف جیسی گزری ہے ویسا لکھا ہے۔ عرفان و حقائق کا ایک بے بہا گنجینہ ہے جس پر نقوش و حروف کے قفل چڑھے ہوئے ہیں! ارباب بصیرت عینک کی طرح اپنی نگاہوں پر لگائے پھرتے ہیں۔

جامی۔ جامی علیہ الرحمہ کا زمانہ ۹۰۰ھ ہجری ہے۔ ناظم ہروی نے امیر خسرو کے بعد شاعری کو ان پر ختم کر دیا ہے جیسا کہ اس کے ایک شعر سے ظاہر ہے ؎

زخسرو چو نوبت بجامی رسید　　زجامی سخن را تمامی رسید

علاوہ عام شاعری کے صوفیانہ طرز میں بلند پایہ رکھتے تھے۔ نقشبندیہ طریق کی تعلیم و مراقبات کی طرف عجب لطف سے اپنے کلام میں اشارہ کرتے ہیں۔

چوتھا دور۔ اب تیسرا دور بھی ختم ہوا اور شاعری کے لئے گرانمایہ متاع چھوڑ گیا۔ ۹۰۰ھ کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم، مرزا صائب اس دور کے ممتاز اراکین ہیں۔ اگرچہ اس دور میں قصیدہ، مثنوی، غزل، رباعی ان تمام اصناف کا بڑا ذخیرہ پیدا ہو گیا لیکن فی الحقیقت یہ عہد ترقی غزل کا انتہائی اور آخری زینہ تھا اس دور کی یہ خصوصیت ہے کہ جو بات کہتے ہیں وہ پیچ در پیچ کہتے ہیں۔ دور کی راہ سے سامعین کی فہم کو مطالب تک لاتے ہیں اور داد لیتے ہیں استعارہ کو استعارہ در استعارہ اور مجاز کو مجاز اندر مجاز کر کے معنوں میں نزاکت اور باریکی پیدا کرتے ہیں اس لئے بہت سے اشعار کی باریکی معشوقوں کی کمر کو بھی بار نزاکت سے خم کر دیتی ہے۔ اور کبھی گم بھی ہو جاتی ہے مثال کے لئے کسی شاعر کا ایک شعر کفایت کرتا ہے ؎

تا کے از عکسِ تو آئینہ گلستاں گردد　　سوئے عاشق نگہے تا ہمہ تن جاں گردد

اس شعر کے سمجھنے کے لئے پہلے ان باتوں کو ذہن میں مجتمع کر لیجئے معشوق کا قد سرو شمشاد ہے، آنکھیں نرگس کے پھول ہیں، رخسار گلاب شگفتہ ہے، زنخداں سیب ہے، خط سبزہ ہے، زلف تختۂ سنبل ہے وغیرہ وغیرہ۔ اب جو معشوق آئینہ دیکھتا ہے اور اُس کا عکس شیشے پر آتا ہے تو گویا آئینہ گلستان ہو جاتا ہے یہ تو پہلے مصرع کا حال ہوا۔ دوسرا تو اس سے بھی زیادہ دشوار ہے۔

اسی طرح اس دور میں مضامین کی بنیاد محالات اور دور از قیاس ایہام پر ہے۔ الفاظ کی نئی تراشیں اور نئی ترکیبیں کثرت سے پیدا ہو رہی ہیں حقیقت و واقعیت سے بیگانگی اور بے بنیاد خیالات سے رشتہ جوڑا جا رہا ہے مثلاً پہلے می کدہ و آتش کدہ وغیرہ مستعمل تھے اب نشتہ کدہ و مریم کدہ وغیرہ ترکیبیں پیدا ہوئیں۔ پہلے یک گلشنِ گل کہتے تھے اب یک آغوشِ گل کہنے لگے۔ اس طرح کی ترکیبیں فیضی اور عرفی نے کثرت سے پیدا کیں مثلاً

مصرع　شکن بروے شکن خم بروے خم چیند

مصرع　موج بر موج شکستم چو بہ عماں رفتم

مصرع　روے بروے حسن کن دست بدستِ نازدہ

اس دور میں عرفی کی قصیدہ خوانی ایک خاص خصوصیت رکھتی ہے۔ غزلیں بھی اس کی با سوز و گداز ہیں لیکن صائب کا کلام پھیکا اور سیٹھا ہے۔ اس نے شاعری کیا کی ہے خشک علمی مباحث ردیف و قافیہ میں بیان کئے ہیں۔ یہ دور بھی ختم ہوا اور اس کے ساتھ ہی ایران میں شاعری

بھی ختم ہوئی۔ اب ہند کی سرزمین میں حافظ و سعدی کا انداز آگیا تھا۔ لیکن الفاظ ایک ہی طرح میں گردش کرتے کرتے اپاہج ہو گئے تھے۔ کسی طرح کی کوئی ترقی نہ ہو سکی۔ ہندیوں نے ایرانی انداز کو زندہ رکھا مگر زندگی کے آثار اس میں نہ پیدا کر سکے۔ پھر بھی فارسی شاعری اہل ہند کی ایرانیوں سے زیادہ مرہونِ منت رہی۔ دہلی، بلگرام، پٹنہ وغیرہ میں ایسے باکمال شعرا اٹھے جن کا کلام اپنے اپنے وقت میں سکۂ رائج الوقت سمجھا گیا۔ مرزا عبدالقادر بیدل، میر غلام علی آزاد بلگرامی اور یادگار بحر خاتم الشعرا غالب دہلوی۔ کیا کچھ احسان فارسی زبان پر نہ کر گئے۔ مدتوں بعد ایران میں قاآنی پیدا ہوا۔ اور اس نے شاعری کی کایا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی۔ وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔ اس نے قصیدے خوب خوب کہے۔ شوکت الفاظ کا بادشاہ ہے۔ بہار یہ مضمون خوب ہی کہتا ہے۔ بہرحال ؎

حریفاں باده ها خوردند و فرتند تهی خم خانها کردند و فرتند

فارسی شاعری کی لفظی و معنوی خصوصیات

اس کے بعد کہ نظم فارسی کی آفرینش اور عہد بعہد ترقی و کمال اور پھر اس کے زوال کی تاریخ معلوم ہو چکی اب ایک اجمالی نظر ان خصوصیات پر ڈالنی چاہیئے جو فارسی شاعری میں باعتبار معانی و الفاظ پائی جاتی ہیں۔ ایران میں شاعری نے جب آنکھیں کھولیں تو اس وقت عرب کی شاعری بالکل متبدل و متغیر ہو چکی تھی اس کی یہ وجہ تھی کہ مقدس اسلام جب سرزمین عرب پر بارانِ رحمت ہو کر برسا تو کلام مجید کی فصاحت و بلاغت شیرینی و لطافت دل آویزی و روح پروری کے سیلاب نے شاعری کو

خس و خاشاک کی طرح بہا دیا۔ چنانچہ زمانۂ جاہلیت کا مشہور شاعر لبید بن ربیعۃ العامری جو سبعہ سیارگان معلقات میں مثل آفتاب کے درخشاں ہے مشرف باسلام ہو کر نظم قرآنی کا ایسا والہ و شیفتہ ہوا کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت میں جب کہ اس شاعر غرا کے پاس یہ پیام بھیجا کہ کچھ تازہ کلام اپنا بھیجو تو اس نے جواب دیا کہ جاہلیت کے رزمیہ و بزمیہ ہر طرح کے کلام موجود ہیں جس قدر آپ فرمائیں بھیجدوں لیکن اب کہ قرآن میرے سامنے ہے اس کے آگے تمام شاعری عرب کی بے مزہ اور پھیکی ہے۔ اس کی تلاوت میں وہ حلاوت ہے کہ شعر گوئی سے طبیعت سیر ہے۔ اس واقعہ سے یہ دکھانا مقصود ہے کہ اسلام کی برکتوں نے حکمت نظریہ و عملیہ کی طرف عربوں کو ایسا مصروف کر لیا کہ شاعری کے بازار سرد ہو گئے لیکن بوقت ضرورت جب کوئی کچھ کہتا تو اس میں وہی عربی شان ہوتی۔ بنو امیہ کے عہد میں خلافت نے صورت سلطنت کی اختیار کی۔ اس کا بہت ہی برا اثر ملک اور اہل ملک کے جذبات پر پڑا لیکن پھر بھی سلف کا ایک دھندلا سا نشان ہنوز باقی تھا۔ مگر جب کے خلفاے عباسیہ کا دورہ آیا اور ان کے عہد میں عجمی معاشرت اور اہل عجم کی ہمہ گیری تمام دربار پر چھا گئی مسلمانوں کا امیر عجمی سلاطین کے نقش قدم پر گام فرسا ہونے لگا تو پھر اس وقت شاعر شاعر نہ رہا۔ بلکہ بھانٹ بن گیا اور یہی وہ عرب تھے جو اہل ایران کو شاعری کا سبق دیتے تھے۔

جوہر ذاتی کا فقدان | فارسی شاعری جب اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کے قابل ہوئی تو اس نے نظر اٹھا کر جو دیکھا تو اپنے ہی عجمی اخلاق و سیرت کو عربی لباس پہنے ہوئے نظموں میں

چلتے پھرتے پایا۔ اساتذہ کو اُنہوں نے دولت و سلطنت قوت و طاقت کے آگے شرافت انسانی و کرامتِ ذاتی کو نہایت فیاضی سے نثار کرتے ہوئے پایا۔ پھر اہل ایران تو صدیوں سے محکوم رہکر فضائلِ انسانی کو نہایت بے جگری سے تصدق کرنے کے عادی ہی ہو رہے تھے اور اس میں ان کی مشق پشتہا پشت سے چڑھی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے سلاطین و اُمرا کی شان میں قصیدے کہے اور بے ضغطۂ زبان جو چاہا وہ کہہ گزرے اور جس حد تک قوتِ بشری نے اُن کی یاوری کی قصائد میں اپنی پستی و تذلل کا اظہار کیا۔ اس لئے فارسی شاعری میں جوہر ذاتی کا بیان آپکو خال خال بھی نہ ملے گا۔ کوئی نظم ایسی نہوگی جس نے ملک کے حق میں یا قوم کے حق میں شریف و باوقار انقلاب پیدا کیا ہو کسی شاعر کا کلام باوجود جستجو کے بھی ایسا نظر سے نہیں گزرے گا جس سے خودداری غیرت حمیت اور نفس زندگی کے صحیح آثار پائے جائیں۔ غرض کہ عربی شاعری کی وہ خصوصیات معنوی جو اوپر گزر چکیں اُس کا نام و نشان بھی ایران کی شاعری میں نہیں اور حق تو یوں ہے کہ ہو بھی کیوں کر سکتے تھے۔ اس لئے کہ محکوم و مفتوح قوم اپنے لئے نہیں پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ اُس کے وجود اور کمال کا صرف یہ مقصد رہ جاتا ہے کہ وہ سلطنت اور اُس کے ارکان و اعیان کی گردشِ چشم و ابرو کو دیکھا کرے۔ اُس کو اپنی ذات سے نہ کسی سے جنگ ہے نہ صلح اُس کے کمالاتِ اکتسابیہ نہ ملک کے لئے ہیں نہ قوم کے لئے بادشاہ کا حکم اس کو میدانِ قتال میں پہنچاتا ہے اور اُس کا قہر و غضب اُسے شجاع و بہادر بناتا ہے۔ پھر اُسی کا حکم اُس کو صلح پر آمادہ کرتا ہے۔ اسی طرح اُس کے کمال کا تعدیہ اور نفع اُسی جگہ اور اُسی مقدار میں پہنچتا ہے جس قدر

اور جس جگہ منشا سلطانی ہو۔ پس ایران کی شاعری اگر ایسے مضامین عالیہ سے خالی و عاری رہی تو یہ کون سے تعجب کا مقام ہے۔ صدیوں کی مسلسل محکومیت اسی کی مقتضی تھی کہ اُن کی زبانیں ثنائے ملوک و اہل دول و ارباب سطوت کے لئے وقف ہوں۔ حکومت کے مقابلہ میں ہمیشہ وہ اپنے نفس کو ذلت و پستی میں دیکھکر خوش ہوں۔

(۱) پند و موعظت

ایرانی شاعری کی خصوصیات ایجابی

ہاں بعض مضامین فارسی میں ایسے بھی ہیں جن سے نظم عربی کا سلک خالی ہے۔ اور یہی فارسی نظم کی ایجابی خصوصیت ہے اور بہت بڑی خصوصیت ہے۔ اور وہ تاریخ، موعظت، اخلاق اور صوفیانہ کلام ہے۔ فارسی شعرا میں کثرت سے ایسے باکمال آپ کو ملیں گے جنہوں نے اپنی شاعری کی قوت انھیں مواعظ حسنہ پر خرچ کی۔ اور ان پاکیزہ مضامین کو کچھ ایسے اخلاص اور درد بھری آواز سے کہہ گئے ہیں کہ نفوسِ قدسیہ اُس کو پڑھتے ہیں اور سر دُھنتے ہیں۔ نظم میں تاریخیں لکھ گئے جن سے واقعات اور اُس کے ساتھ بہت سے جزئیات معاشرت تمدن و طرز جنگ کے متعلق حیاتِ جاوید پا گئے۔ ایسے مضامین کا بیان مثنوی کا مقتضے تھا۔ اور یہ صنف عرب کی شاعری میں نہ تھی۔ اس لئے عربی شاعری ایسے مضامین سے محروم رہی۔ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ کے کلام پاک کے مجموعے یا ابن الفارض و محی الدین عربی و ابن الوردی کے کلام سے ہم ناآشنا نہیں۔ لیکن فیما نحن فیہ سے اُس کا کیا علاقہ۔

قصائد عربیہ بہت کچھ وضع لباس معاشرت ملکی جغرافیہ صلح و جنگ پر روشنی ڈالتے

ہیں مگر تاریخ کا منصب انھیں کسی طرح نہیں دیا جا سکتا۔ اس کی وجہ جو کچھ بھی ہو۔ لیکن یہ کہنا کہ مثنوی کی ایجاد اہل ایران کی خصوصیات میں سے ہے ایک امر واقعی کا اظہار ہوگا۔

(۲) غزل

دوسری خصوصیت نظم فارسی کی غزل سرائی ہے۔ اس کے ایجاد و ایزاد کا سہرہ بھی اہل فارس ہی کے سر بندھا۔ عربی زبان میں غزل تو اُس راز و نیاز کی گفتگو کو کہتے ہیں جو خود عورتوں سے کی جائے یا اُن کے متعلق کی جائے لیکن فارسی میں نظم کی ایک صنفِ مستقل کا نام ہے جس میں واقعات و کیفیات و جذبات عشق و عاشقی کو سوز و گداز سے بیان کرتے ہیں۔ عربی میں قصائد کی تشبیب و نسیب کو چاہے غزل کہدیا جائے لیکن حق تو یوں ہے کہ وہ غزل نہیں ہے۔ یہ اہل ایران کی ایجاد ہے۔ اور وہی اس کو کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں۔ بوالہوس اپنی ہوسناکیوں کو غزل میں الاپتے ہیں اور اہل دل صوفی اپنی واردات قلبیہ کو اسی عشق و حسن و وصل و فراق کے استعارے میں کہہ گزرتا ہے۔ عارف کو اُن اشعار سے راہ ملجاتی ہے اور ناآشنا خط و خال میں اُلجھ کر اُس سے بے خبر رہ جاتا ہے۔ سچ فرمایا مولنا روم علیہ الرحمہ نے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نبشتن شیر و شیر

مدارج محل محبت مختلف ممالک میں

یوں تو عشق کی عالمگیری و ہمہ گیری ظاہر ہے۔ لیکن اس نے جو وسعت کہ ایران میں آکر پائی وہ اسے کسی دیار میں نصیب نہوئی۔ ہند کی سرزمین میں عورت مرد پر عاشق ہے۔ اور اکثر وہ مرد اُس کا شوہر ہی ہوتا ہے۔ اس سرزمین کا خاصہ

ہی کہ عورت میں وفاداری و اطاعت شعاری بے انتہا ہو جب تک شوہر زندہ ہی اُس کی راحت و خدمت میں وقف ہی۔ جب وہ مرا تو اُس کے ساتھ جل کر اپنی وفا و عشق کا ثبوت دیا۔ پس یہاں کی شاعری میں قبل اسلام جو عورت مرد پر عاشق ہوتی ہی وہ یہاں کی عورت و مرد کے تعلقات اور اس کے لوازم کی روشن برہان ہی۔

عرب میں مرد عورت پر عاشق ہی جو بالکل فطرتی و خلقی ہی لیکن ایران کا عشق نظر پر کب قناعت کرنے والا تھا یہاں اُس نے یہ سب مراحل و منازل طے کرتے ہوئے مرد کو مرد پر عاشق کیا اور اس طرح عشق و لوازمات عشق کے لئے گوناگوں رنگینیاں پیدا ہوئیں جن کا قبل میں نام و نشان بھی نہ تھا۔ پھر کیا تھا ؎

یہ عشق کی بیباکی سب تجھکو سکھا دیگی ۔۔۔ اے حسن حیا پرور شوخی بھی شرارت بھی

کمالِ عشق تو یہ ہی کہ لڑکا ابھی مکتب میں ہی حرف شناسی بھی اُسے نہیں آتی لیکن عشاق ہیں کہ پروانوں کی طرح گرے پڑتے ہیں شعر ملاحظہ ہو ؎

تعلیم جفا کردو وفا ہیچ نیاموخت ۔۔۔ زیں درسِ غلط بحث براوستادِ تو دارم

دوسرا شعر ؎

بمکتب میرود طفلِ پری زاد ۔۔۔ مبارک بادمرگِ نو باُستاد

اب معشوق کے عہد طفلی سے متعلق انواع و اقسام کے مضامین پیدا ہو گئے۔

خدا خدا کر کے وہ لڑکا جسے شعور سے پہلے معشوق بننا پڑا تھا اور علم شروع کرنے سے بہت پہلے اُسے سند معشوقیت بارگاہِ عشاق سے دی گئی تھی جوان ہوتا ہی۔ مسیں بھیگتی ہیں

خط نمودار ہوتا ہے اُس وقت عشاق آتے ہیں اور دونوں ہاتھوں سے کلیجہ تھام کر کہتے ہیں

گفتم زغمت دارم ہم از سبزہ و میدان — در دا کہ ز خط حسن بر خت کشت دوبالا

دیگر

حسنِ سبز خطِ سبز مرا کرد اسیر — دام ہمرنگِ زمیں بود گرفتار شدم

خط و سبزہ کے مضامین

اسی خط اور سبزہ سے شعرانے گوناگوں مضامین پیدا کئے۔ عرب غیب ان باتوں کو کیا جانے یہ تو خصوصیات ایران ہیں۔ اب اس سے اس نتیجہ پر پہنچئے کہ جو بچہ بدرِ شعور سے پہلے معشوق بنا ہو اور جوانی تک معشوق رہا ہو وہ جب عاشق بن کر شعر و سخن کے میدان میں اُترے گا تو بالیقین اُس کے کلام میں نزاکت و لطافت اور ایک طرح کی لچک و شیرینی ہوگی اور یہی وہ چیزیں ہیں جن سے ایک غزل کی آرائش ہوتی ہے یہ ظاہر ہے کہ ایسے شاعر کے منہ سے جو بات نکلے گی وہ نازک و لطیف ہی بن کر نکلے گی عشق اور اُس کے معاملات و واقعات کو اس سے بہتر کون جان سکتا ہے مصرع

باشیر اندروں شد باجاں بدر برآید

انما اکبر من نفعہا

یوں تو عاشق و معشوق کے ناز و نیاز کو ہر دل جانتا ہے۔ مگر اس جاننے اور اُس جاننے میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ یہاں خود حدیثے نقد حال ماست آں کا قصہ ہے وہاں دوسروں کی سُنی سُنائی باتوں پر اکتفا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ غزل کی ایجاد اور وقوعہ گوئی کی ایزاد نے فارسی شاعری میں چار چاند لگا دئے زبان سے الفاظ کیا نکلتے ہیں فصاحتِ شیراز کا شیرہ بہتا ہے۔ شہد و شیر کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہے لطیف سے لطیف تر محاورات پیدا ہوتے جاتے ہیں لیکن دستور انصاف شرط ہے۔ اسی شاعری و

عشقبازی نے اخلاق کا آخر میں خاتمہ کر دیا۔ بوالہوسوں کی آتش ہوس اس سے بھڑک اٹھی تمام دفاتر اخلاق و موعظت کی کتابوں میں یا درس میں رہ گئے۔ رفتہ رفتہ عملی زندگی پر تو اسی شاعری کا قبضہ ہوتا گیا۔ اس کا نتیجہ ملک کی بے رونقی علم کا فقدان تمدن کا فنا ہونا لازمی تھا۔ وہ ایران کے لئے نوشتۂ تقدیر ہو کر اسی شاعری کی بدولت سامنے آیا۔ خیر یہ ایک اور ہی بحث ہے جس کا یہ محل نہیں۔

رقیب رقابت کے مضامین

یہاں تو یہ بیان کرنا ہے کہ عشق کے لئے سرزمین ایران کی آب و ہوا بہت ہی موافق آئی اگر مرد مرد پر عاشق نہ ہوتے تو یہ مضامین کہاں سے شعر کی صورت میں آج دکھائی دیتے۔ شعرا کو مردوں کے معشوق ہونے سے ایک رقیب ملا۔ عربی میں رقیب کے معنی نگہبان کے ہیں۔ خیام و اہل خیام کی محافظت پر جو مقرر ہوتے انھیں رقیب کہتے تھے۔ لیکن فارسی میں اس کا استعمال جن معنوں میں ہوتا ہے وہ ظاہر ہے۔ اس تبدیل معنی نے آفرینش مضامین کے لئے ایک نیا دروازہ کھول دیا۔ رقیب رقابت سے ایسے ایسے تخیل پیدا ہوئے کہ ان کی داد نہیں دی جا سکتی۔ فارسی اشعار کے مطالعہ کرنے والوں سے اس کا لطف مخفی نہیں۔ عرب جاہلیت کی شاعری اس وسیع مضمون سے بھی خالی ہے۔ خلیفہ مامون الرشید کے وہ چند اشعار خصوصیت کے ساتھ شہرت رکھتے ہیں جو اس نے قاصد کو مخاطب بنا کر کہے ہیں۔ لیکن اہل ایران کے اشعار سے ان اشعار کو کیا نسبت مرد معشوق ہے بازاروں میں نکلے گا۔ محفل و مجلس میں پہنچے گا مجامع میں اس کا گزر ہوگا پھر رقیبوں کی کثرت ہوگی اور رقابت میں تنوعات ہونگے۔ وہاں یعنی عرب میں باوجود

آمیزش ایران بہت جدت کی تو قاصد کی قسمت پر رشک آگیا۔ مامون الرشید کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

بَعَثْتُكَ مُشْتَاقًا فَفَرَّتْ بِنَظْرَةٍ وَاَغْفَلْتَنِي حَتّٰى اَسَاتَ بِكَ الظَّنَّا

[میں نے تجھے کس اشتیاق سے قاصد بنا کر بھیجا پس تیری نظریں تو اس کے دیدار سے بہرہ اندوز ہوگئیں اور میری جانب سے تو ایسا غافل ہوگیا کہ اپنے بارے میں تو نے بدخیال پیدا کر دیا]

وَنَاجَيْتَ مَنْ اَهْوٰى وَكُنْتَ مُقَرَّبًا فَيَالَيْتَ شِعْرِي عَنْ دُنُوِّكَ مَا اَعْنٰى

[تو نے اس سے سرگوشیاں کیں جسے دل چاہتا ہے اور اس سے نزدیکی حاصل کی۔ اے کاش تیری اس نزدیکی کی مجھے خبر ہوتی اور میں اس سے بے پروا ہوتا]

وَرَدَدْتَ طَرْفًا فِي مَحَاسِنِ وَجْهِهَا وَمَتَّعْتَ بِاسْتِمَاعِ نَغْمَتِهَا اُذُنَا

[تو نے بار بار اپنی نگاہ اس کے چہرے کی خوبصورتیوں کی طرف ڈالی اور تو نے اپنے کان کو اس کے خوش آیند نغمات سے لذت گیر بنایا]

اَرٰى اَثَرًا مِنْهَا بِعَيْنِكَ لَمْ تَكُنْ لَقَدْ سَرَقَتْ عَيْنَاكَ مِنْ وَجْهِهَا حُسْنَا

[تیری آنکھوں میں ایسی علامت میں دیکھتا ہوں جو پیشتر نہ تھی البتہ تیری آنکھوں نے اس کے زیبا چہرے سے حسن چرایا ہے]

خلاصہ یہ کہ عرب کی شاعری جب مٹ گئی اور عجم کی تقلید اس میں آگئی اس وقت بھی عشق کو وہ رتبہ نہ ملا جو اسے ایران میں حاصل تھا۔ یہ ایرانی ہی شاعر میں کمال ہے کہ وہ ادائے معشوقانہ کو بیان کرتا ہے بیان کرتا ہے۔ جب تھک جاتا ہے تو عشق بیان کو اس طرز میں کہہ جاتا

ہے کہ ہزاروں وسعتِ بیان اُس پر قربان ہیں مثلاً ؎

خوبی ہمیں کرشمہ و ناز و خرام نیست　　بسیار شیوہ ہاست بتاں را کہ نام نیست

اب ہم بھی اس بیان سے تھک گئے ؎

قلم بشکن سیاہی ریز کاغذ سوز و دم درکش　　حسنؔ ایں قصۂ عشق ست در دفتر نمی گنجد

(۳) باغ و راغ

اب مضمون کی دوسری قسم لیجئے جسے خصوصیت ملکی نے اہل ایران کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے وہ باغ و بہار کا مضمون ہے۔ ایران کا خطہ ہرا بھرا لہلہاتا مہکتا چمن ہے۔ بہار کا موسم وہاں عجب مستی و حسن و جمال کے ساتھ آتا ہے۔ اُس وقت وہاں کا ایک ایک چپہ سو سو چمن پر خندہ زن ہوتا ہے دلوں پر موسم کی کیفیت سے سرور و مستی چھا جاتی ہے۔ خوشنوا چڑیوں کا چہچہانا، بلبل کا چہکنا درختوں کا سرسبز و شاداب ہونا اور پھولوں کی شگفتگی پھر اُن کی شامہ نواز لپٹ صلِ جل اُس وقت اُن کی تازگی و رنگا رنگی سے دلوں میں سرور و دماغ میں راحت آنکھوں میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے۔ ایرانی شاعر اپنے گرد و پیش باغ جہاں کا نقشہ دیکھتا ہے۔ اپنے ملک اپنے وطن کو جب ایک عروس زیبا کی طرح بنا سنورا پاتا ہے تو بے اختیار مست و سرشار ہو جاتا ہے۔ پھر اُسی کیف میں جو اُن چیزوں کا بیان شروع کرتا ہے تو اس قوت و قدرت سے الفاظ میں تصویر کشی کرتا ہے کہ سننے والا بھی تھوڑی دیر کے لئے مدہوش و بے ہوش ہو جاتا ہے۔

عرب ریگستانی و کوہستانی ملک کے رہنے والے باغ و بہار کا نام و نشان تک نہیں جانتے۔ اس لئے وہاں آپ نہ تو سنبل سونگھیں گے، نہ نرگس کی مستی دیکھیں گے نہ لالہ کا ساغر آپ کو ملے گا۔ چوں کہ اُن کا جزیرہ نما ملک ان چیزوں کے پیش کرنے سے قاصر ہے اس لئے عربی شاعری میں نہ تو ان چیزوں کا بیان ہے نہ ان سے تشبیہ اور استعارے کا نشان۔ بہاریہ مضمون ایران کا حصہ ہے۔

بہار کا نمونہ فارس میں اس دورِ آخر میں جب کہ ایران ایران نہ رہا، نہ ملک کی طرف توجہ ہے نہ اُس کی آبادی و شادابی کا خیال رہا سلطنت غافل اہل ملک کا بل اُس پر بھی قاآنی نے جو بہاریہ قصائد لکھے ہیں اُس سے سمجھنا چاہیئے کہ ایران جب زندہ ہوگا تو شعرا کیسے کیسے مضامین کا چمن کہلاتے ہونگے۔ ہم چند شعر قاآنی کے محض لطفِ ناظرین کی غرض سے پیش کرتے ہیں ؎

بہار آمد کہ از گلبن ہمی بانگِ ہزار آید
بہر ساعت خروشِ مرغِ زار از مرغزار آید

تو گوئی از غنوں بستند بر ہر شاخ و ہر برگے
زبس بانگ تذرو و صلصل و دراج سار آید

بجوشد مغزِ جاں چوں بوئے گل از گلستاں خیزد
بپرد مرغِ دل چوں بانگِ مرغ از شاخسار آید

یکے گیرد بکف لالہ کہ ترکیبِ قدح دارد
یکے بر گل کند تحسیں کزو بوئے نگار آید

یکے بادہ بطرفِ بوستاں گردد
یکے با ساغرِ بادہ بطرفِ جویبار آید

یکے [illegible] کہ [illegible]
[illegible]

یکے اینجا گسارد می یکے آنجا نوازد نے — صدائے ہائے و ہوئے ہر سوئے ہزار آید

زہر سوئے صدائے ارغنون و چنگ و نے خیزد — زہر سوئے صدائے بربط و طنبور و تار آید

یکے بر لالہ می غلطد، یکے در سبزہ می قصد — یکے گاہے رود از ہوش یکے گہ ہوشیار آید

الا یا ساقیا مئے دہ بجان من بپا پے دہ — دما دم ہر خور دہی خورد ہی دہ کہ می ترسم خمار آید

یہ ہیں خصوصیات فارسی شاعری کی جنھیں نہایت اختصار کے ساتھ میں نے اس مختصر تحریر میں بیان کیا اب دو ایک باتیں الفاظ کے متعلق بھی گزارش کر دوں تو یہ تمہید ختم ہو اور آغاز مقصد ہو جائے۔

فارسی الفاظ | فارسی زبان میں لفظ کم ہیں اور مصادر بہت ہی کم۔ اس لیے انھوں نے اپنے الفاظ کی کمی مرکبات سے پوری کی ہے۔ ایک ہی اسم کو مختلف مصادر سے ترکیب دے کر طرح طرح کے دل فریب مطالب یا ایک اسم کو دوسرے سے ملا کر معانی مختلفہ پیدا کیے ہیں۔ مثلاً ان کا ملک رنگین ہے۔ طبیعتیں بھی رنگین پائی ہیں اس پر تعلیم و تمدن نے اور بھی رنگ گہرا کر دیا ہے۔ اب جو بات منہ سے نکلتی ہے رنگین ہو کر نکلتی ہے۔ رنگ انھیں بہت مرغوب و محبوب ہے۔ اس لفظ کو مختلف مصادر سے ترکیب دینگے اور رنگا رنگ معنی پیدا کرتے جائیں گے۔ مثلاً رنگ ریختن، رنگ بردن رنگ برخاستن وغیرہ۔ اسی طرح ان کا ملک سرد ہے۔ گرمی اور آگ انھیں محبوب اور راحت رساں ہیں۔ دو مہینے سرما کے ایسے بسر ہوتے ہیں کہ انسان تو انسان چرند و پرند کا کہیں نشان تک نہیں ملتا ہے کاروبار بند آمد و رفت مسدود۔ اہل صنعت و حرفت کے پیشے

اُن کے ہاتھوں سے سوا ٹھنڈے۔ اُس وقت یہی آگ انھیں راحت پہنچاتی ہے۔ اور حیات کو خوشگوار رکھتی ہے۔ اب لفظ آتش کو وہ مختلف اسما سے ترکیب دینگے اور ایسے معانی پیدا کرینگے جن سے چستی رونق و قدر وغیرہ کے مفہوم سمجھے جائیں مثلاً آتش بیان آتش لباس آتش بے دود وغیرہ۔ اس گرمی کی ضد سردی ہے۔ وہ انھیں نامرغوب ہے۔ تو اس سے جس قدر مرکب بنائیں گے اُن میں بے رونقی و سستی و کاہلی کا مفہوم ہوگا۔ مثلاً سرد مہر۔ سرد نفس سرد رو وغیرہ۔ یہ الفاظ کی ترکیب اہل فارس سے مخصوص ہے۔ عربوں کو اس طرح ترکیب دے کر الفاظ میں وسعت پیدا کرنے کی ضرورت نہیں۔ اوّلاً اُن کے پاس اس قدر اکثر الفاظ ہے جو انھیں ایسی ضرورتوں سے محفوظ رکھتا ہے پھر اُن کی زبان ایک بولتی زبان ہے۔ لفظ اپنا مفہوم اور فلسفہ اس طرح بیان کرتا ہے کہ آج حیرت ہوتی ہے کہ خداوند اوہ بھی آخر بشر ہی تھے جنھوں نے ایسی زبان وضع کی۔ ثانیاً ایک ہی مادے کو مختلف ابواب میں لے جاکر عجیب معانی پیدا کرتے ہیں۔ ثالثاً اسم ظرف و اسم آلہ وغیرہ مشتقات اپنا وسیع دامن رکھتے ہیں۔ انھیں وجوہ سے عربوں نے دیگر السنہ کو عجم کہا اور سچ کہا۔ عربی الفاظ کی بحث بہت ہی نادر و لطیف بحث ہے لیکن یہاں جس قدر بیان کرنا ضروری سمجھا گیا اُس قدر عرض کر دیا۔ تفصیل کے لئے دوسری ملاقات چاہیئے ؎

مل رہینگے ترے کوچے میں کبھی دل و جگر ۔۔۔ یار باقی ہے تو صحبت ہے دل آرا باقی

حضرت امیر خسرو کی شاعری

فارسی شاعری اور اُس کے عروج و نزول کی تاریخی بحث اور اُس کے ہر دور کی خصوصیات وغیرہ ایک مختصر طریقے پر جب کہ معلوم ہو چکیں تو اب اصل مدعا یعنی امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری پر ایک تنقیدی نظر ڈالنی چاہیئے۔

خسرو اور انواع کمال

خسرو علیہ الرحمہ کو جو جامعیت کہ مبدءِ فیاض سے عطا ہوئی ہے اس طرح کی بخشش صفحات تاریخ میں بہت ہی کم یاب و نادر ہیں۔ خصوصاً سرزمین ہند کے لئے تو ان کی ذات ایک بے مثل مایۂ ناز و فخر ہے مختلف پہلوؤں سے ان کی ذات باکمالوں کی صف میں صدر نشین پائی جاتی ہے۔

اگر صوفی کی حیثیت سے دیکھو تو فانی فی اللہ۔ ندیم کی حیثیت سے دیکھو تو ارسطوءِ زمانہ عالم کی حیثیت سے دیکھو تو متبحر علامہ۔ موسیقی کی حیثیت سے دیکھو تو امام المجتہد۔ مورخ کی حیثیت سے دیکھو تو بے نظیر محقق۔ شاعر کی حیثیت سے دیکھو تو ملک الشعرا۔ ان کے ہر کمال کا دامن نہایت وسیع ہے اور اپنے بیان میں نہایت طوالت پذیر۔ سچ ہے ؎

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

(قدرت خداوندی سے کیا بعید ہے اگر وہ ایک عالم ایک ہی شخص میں جمع کر دے)

اب ہر حیثیت اور کمال کے ہر پہلو سے بحث تو ان کے سوانح نگار کا فرض ہوگا۔ مجھے تو صرف ان کے ایک کمال یعنی شاعری کا ایک ایسا نمونہ پیش کر دینا ہے جس سے خسرو علیہ الرحمۃ

کی خسروی تمام اصنافِ نظم پر من وجہٍ ظاہر ہو جائے۔

اربابِ فن نے کلامِ منظوم کی جو قسمیں کی ہیں اُن میں پانچ قسمیں اصل ہیں۔ غزل قصیدہ مثنوی، رباعی اور قطعہ پھر ان میں بھی باعتبار مضامین تنوعات گوناگوں پائے جاتے ہیں۔ جن کا بیان اپنے اپنے موقع پر آیندہ آئے گا۔ لیکن ناصحانہ، حکیمانہ، عشقیہ، رزمیہ اخلاقی جذبات کی مصوری اور مناظر کی نقاشی یہ دو اقسام ہیں جہاں شاعر کی طبیعت کا اصل جوہر کھلتا ہے۔

کلامِ خسرو اور ہر دور کے محاسن

خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ نظم کی کوئی قسم ایسی نہیں ہے جس میں ان کے قلم کی روانی دریا کی موجوں کی طرح لہریں نہ مارتی ہو اگرچہ ان کا وجود دورِ ثالث کے شعرا میں پایا جاتا ہے لیکن ان کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر دور کے محاسن ان کے کلام میں موجود ہیں۔ سادگی سنگینی بستواری جو دورِ اوّل کی ممتاز خصوصیت ہے ان کے کلام میں بکثرت اس کے نمونے پائے۔ رنگینی لطافت اور ملائمت جو دورِ ثانی کا کمال ہے اس آرائش سے بھی کلامِ خسرو بہ تمام و کمال مزین و مرصع ہے۔ ہر طرح کے اساس مضامین فراوانی و اکثار کے ساتھ خزانۂ خسروی میں پائے جاتے ہیں۔

یہ امر محتاجِ بیان نہیں کہ خسرو کا دور ایسے زمانے میں آتا ہے جب کہ نظم پوری آرائش سے آراستہ و پیراستہ ہو چکی ہے۔ اسلاف نے ہر طرح کے مضامین کا احاطہ کر لیا ہے زبان بھی

صنائع و بدائع سے مرصع ہو چکی ہے۔ شاعری کی بحث میں ابھی تم پڑھ چکے ہو کہ معانی کی کمی فردوسی نے پوری کر دی۔ الفاظ میں تراش و خراش اور رنگینیٔ دورِ ثانی کے شعرا کر چکے اب اس تیسرے دور کے لئے کیا رہ جاتا ہے۔ بقول خود امیر خسرو ؎

در محفلِ وصالت دریا کشند مستاں　　چوں در خسرو آمد مے در سبو نماند

باوجود اس تنگی و کشاکش کے یہ صرف خسرو ہی کا کمال ہے کہ نہایت قادر الکلامی سے ایسا سدا بہار چمن کھلا گئے جس کے پھول آج تک نہ کملائے اور اس کی شامہ نواز لپٹ عطر مجموعے کی طرح گوناگوں خوشبو سے اربابِ ذوق کے دماغ کو معطّر کرتی رہی۔

خسرو شاعر گر تھے | اگر خسرو علیہ الرحمہ کی صرف شاعرانہ حیثیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بحث و نقد کا سلسلہ چھیڑا جائے تو اچھی ضخیم اور پُر مغز و مفید کتاب طیار ہو سکتی ہے اس لئے کہ کل انواع شاعری پر صرف انھیں کا قلم ہے جس نے حسن و لطافت زور و قوت کے ساتھ سیر کی ہے۔ ان کی اسی ہمہ گیری کو دیکھتے ہوئے ایک سخن شناس جب ان کے مجموعۂ کلام کا امعان نظر سے مطالعہ کرتا ہے تو وہ اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ خسرو صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ شاعر گر۔ گو یہ اپنی تصانیف کے ہر پڑھنے والے کو شاعر نہ بناتے ہوں تاہم اس میں کوئی کلام نہیں کہ جو شخص فطرتاً شاعری کا مادہ رکھتا ہے اس کے اس مادے میں یہ ایک تحریک سی ضرور [illegible] موجود ہے اور طرح طرح

کے اسلوب سے بیان ہوئی ہے اس لئے جس کی طبیعت جس سے مناسبت رکھتی ہوگی اُس میں ایک جنبش کا پیدا ہو جانا ایک لازمی امر ہے اس حساب سے ان کو شاعر کر کہنا کچھ بیجا نہ ہوگا ؎

فیض پہنچاتا ہے ہر تسلیم کو اُس کا قلم　　نفع بخشِ خلق ہے جو کچھ کیا اُس نے رقم

اب ہم بعض نمونے کلام خسروی کے نمونۃً پیش کرتے ہیں تاکہ اس اجمال کی تفصیل ہو جائے اگرچہ ان کا سارا کلام بجائے خود نمونہ ہے جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھ لو، کچھ انتخاب کرنے کی حاجت نہیں لیکن چوں کہ اس کتاب کے پڑھنے والے کی سہولت اور خسرو کی شاعری سے اُس کی ایک عام واقفیت مقصود ہے اس لئے جا بجا سے مختلف نمونے لے کر یکجا جمع کر دیے جاتے ہیں۔

کلام خسرو کا ناصحانہ پہلو

یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نصیحت گری بادی النظر میں جس قدر سہل و آسان معلوم ہوتی ہے فی الحقیقت اُسی قدر اہم و معرکۃ الآرا ہے۔ ناصح اگر ان نکات سے آگاہ نہیں ہے جس سے نصیحت کی تلخی دناگواری دُور ہو کر گوارا بلکہ خوش گوار ہو جاتی ہے تو ہمیشہ اُس کی نصیحت مقبولیت سے محروم رہیگی بلکہ بعض اوقات اُس کا سننا بھی گراں گزرے گا۔

خسرو علیہ الرحمہ کے ناصحانہ اشعار میں قطع نظر شاعرانہ صنائع بدائع کے یہ بھی بڑا کمال ہے کہ نصیحت ایسی دل گیر و دل پذیر طرز میں پیش کرتے ہیں کہ بے اختیار دل لبیک کہہ اُٹھتا

ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکیمانہ آنکھ سے ہر جزوِ عالم پر نظر رکھتے ہیں اور ہر دلچسپ نکتے کا گہرا اثر لیتے ہیں ان کی طبع رسا عجائب عجائب باتیں گھڑتی رہتی ہے۔ یہ ادنیٰ ادنیٰ سی باتوں سے بھی اخلاقی سبق لیتے ہیں اور پھر ان کو نہایت قبول صورت میں اپنے ناظرین کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ تعلیم اخلاق کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہیں چھوٹتا اور پند و نصائح کا دروازہ اُن کے ہاں برابر کھلا رہتا ہے۔ قدم قدم پر پند و نصائح کے موتی رولتے جاتے اور سلکِ نظم میں اُسے پروتے جاتے ہیں۔

مثال اول تواضع و خاکساری

مثلاً انھیں یہ کہنا ہے کہ انسان کو فرائضِ انسانیت سے غفلت نہ چاہیے باوجود بے شمار دولت کے بھی متواضع و خاکسار ہی رہنا زیورِ انسانیت ہے کام وہی کرنا چاہیے جس میں صلاح و فلاح ہو۔ ان مضامین کو وہ اس طرح بیان کرتے ہیں ؎

سرمایۂ مردمی مکن کم — کز مردمی ست نوعِ مردم
گرچہ زرت از عدد فزون بود بیش — درویش نواز باش و درویش
در ہر چہ تراشمار باشد — آن کن کہ صلاحِ کار باشد
بینائیِ عقل پیش می دار — بنیاد شو و پاسِ خویش میدار

مثال دوم ہنر کی رغبت و کاہلی کی برائی

یا مثلاً انھیں ہنر کی طرف مائل کرنا ہے تو اے عملیہ کو بے کار و معطل رکھنے سے منع کرنا ہے تو اس کو اس طرح کہتے ہیں ؎

آں کو بہ ہنر نہ شد طلب گار — چوں بے ہنراں بود قفا خوار
آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش — کاہل ترازدست آرزویش

جاں کن کہ غرض بہ چنگ یابی　　کاں کن کہ گہر بہ سنگ یابی

زاندیشہ دقیقہ نغز خیزد　　وز بیختن آرد مغز ریزد

یک شاخ کمیوۂ دھد تر　　بہتر ز ہزار باغِ بے بر

مثال سوم۔ بلندی ہمت و پستی حرص

یا مثلاً انہیں ہمت کی بلندی اور حرص و پست ہمتی کی مذمت مقصود ہو تو اُسے اس طرح پیش کرتے ہیں ؎

ہیچ کسے رہ سوئے بالا نیافت　　تا قدم از ہمتِ والا نیافت

پری دل سوئے بلندی کشد　　پستی ہمت بہ نژندی کشد

تشنگی آبِ رود ز آب جو　　تشنگی چشم برد آبرو

دیکھو یہ پیش پا افتادہ مضامین ہیں۔ شعرائے سلف انہیں طرح طرح سے بیان بھی کر چکے ہیں پھر اب اس انداز سے بیان کرنا کہ طبائع متوجہ ہو جائیں اور سامع اسے فرسودہ سمجھ کر غفلت نہ کرنے پائے بیان کا کمال نہیں ہو تو کیا ہو؟ ہر شخص جانتا ہو کہ کاہلی اچھی چیز نہیں مگر شرر نے جس شان سے اس کی برائی دکھائی ہو وہ ایک بے نظیر فلسفہ ہو ؎

آں خواجہ کہ کاہلی ست خویش　　کاہل ترا ز دست آرزویش

یعنی قوائے عالیہ کے تعطل کا اثر جذبات پر پڑتا ہو انسان جب سست و کاہل ہو جاتا ہو تو یہی نہیں کہ کام نہیں کرتا ہو بلکہ آرزو تمنا حوصلے و ولولے یہ سب فنا ہو جاتے ہیں نہ دل میں اُمنگ باقی رہتی ہو نہ حوصلہ۔ جس قدر اس شعر پر زیادہ غور کیا جائے

اُسی قدر اُس کا لطف زیادہ آئے گا۔ دیگر مضامین کا بھی یہی حال ہے کہ باتیں وہی معمولی ہیں جنھیں ہر شخص جانتا ہے۔ مگر اُن سے جو نتائج نکالے ہیں یا جو اُن کی مثالیں دی ہیں یا جس انداز سے الفاظ باہم ترکیب و ترتیب دئے ہیں اور بیان کا جو اعجوبہ اسلوب اختیار کیا گیا ہے ان باتوں نے قدیم خیالات کو ایک نیا جامہ پہنا دیا ہے۔ اور یہی شاعر کا اصل کمال ہے۔

مثال چہارم شرافت انسانی اور ایک جاں نواز نصیحت

دیکھو ایک جگہ اسی بات کو کہ انسان کو منہیات شرعیہ سے بچنا چاہیے اس کے عبادات و معاملات میں فتور نہ آنا چاہیے کس دردمندی سے سمجھاتے ہیں۔ پہلے انسان کے اشرف المخلوقات ہونے کو جتاتے ہیں عالم علوی سے عالم سفلی تک کی اشیاء کو اُس کا خدمت گزار و مطیع ثابت کرتے ہیں پھر اُس دولت کی جو بارگاہ خداوندی سے خاص اُس کے لئے مخصوص ہوئی ہے یاد دلاتے ہیں۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد اب نصیحت کرتے ہیں اور صرف ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر کہہ جاتے ہیں۔ اس مضمون کے اشعار انتقاط کرکے یہاں درج کئے جاتے ہیں ؎

اے ز ازل گوہر پاک آمدہ — گوہرِ تو زیورِ خاک آمدہ

چنبرِ نہ چرخ بسے بیخت خاک — تا تو بروں آمدی اے دُرِ پاک

آں خلفے تو کہ ز رحمِ نخست — کون بہ مہمانیِ شش روزہ تست

خود ز پدر گرچہ کنوں آمدی — با پدر از جملہ بروں آمدی

دفترِ معنی نہ ز برخواندہ — تختۂ اسماء ز پدر خواندہ

عرصۂ عالم بہ مسافت ترا ست | دولتِ عالم بہ خلافت ترا ست
حبلِ وریدِ تو فگندہ بلند | در شرفِ کنگرۂ اللہ کمند
نورِ تو ہنگامۂ انجم شکست | دستِ تو تسبیحِ ملائک گسست
جانِ جہان ہمہ عالم توئی | وانچہ نگنجد بجہاں ہم توئی
تو شہے اقلیم تو سر دوسرے | تو ملکے تخت تو شد چار پائے
گنجِ خدا را تو کلید آمدی | نہ از پے بازیچہ پدید آمدی
چرخ کہ از کوہرِ احسانت سا خت | آئینہ صورتِ رحمانت سا خت
آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ چنگ | آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

اشعار مذکورۂ بالا میں جو صنائع عجیبہ و تلمیحات لطیفہ ہیں اُس کے بیان کا کہاں موقع شعر و سخن سے اگر کچھ بھی مذاق آشنا ہو تو خود ہی سمجھ لو۔ کرامتِ انسانی کا جو فلسفہ بیان کیا ہے وہ شاعر کے خواص سخن و شاعر فن ہونے کی دلیل ہے۔ اس حکیمانہ انداز سے اس بیان کی ابتدا نہایت کی گئی ہے کہ جس کی داد دی نہیں جا سکتی۔ صرف اسی ایک پہلو کو لو کہ جس طرز سے اس نصیحت میں مرصع کاری کی گئی ہے اس سے فلسفۂ نفسیات پر نسہ دکا کیسا ملکہ ظاہر ہوتا ہے۔ عام فلسفۂ نفسیات سے یہ امر مخفی نہیں کہ جب کسی کے ساتھ محققانہ برتاؤ و رسوا کن انداز سے گفتگو کی جاتی ہے تو اُس سے مخاطب میں قطع نظر نفرت کے ایک طرح کی پست ہمتی اور پست فطرتی سے شریف جذبات کا فنا اور اُس کے فنا سے کمینہ عادتوں کا نشو و نما شروع ہو جاتا ہے۔

برخلاف اس کے اگر کسی کی عادات رذیل بھی ہوں لیکن جماعت اور اُس کے احباب اگر اُس سے اس طرح ملنا شروع کریں کہ کسی کے انداز میں یہ نہ پایا جائے کہ وہ اُسے رذائل سے آلودہ جانتا ہے اور اخلاقی حیثیت سے اُسے حقیر سمجھتا ہے تو یہ طریقہ اُسے شریف عادات کی طرف مائل کر دے گا۔

تاریخ کی کتابوں میں ایسے واقعات بہت ملیں گے جن سے فلسفۂ نفس کے اس اہم مسئلہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس مقام پر خسرو علیہ الرحمہ کی اس طرز خاص سے نصیحت گری بھی اسی نکتہ کو مشعر ہے۔

پہلے فرزند آدم کی کرامتوں کا ایسا پُر جلال و جمال مرقع کھینچا ہے کہ بے ساختہ دل اُسے دیکھ کر کھنچ جاتا ہے۔ پھر آخر کے دو شعر عجب کمال کے نمونے ہیں ؎

چرخ کہ از گوہر احسانت ساخت　　آئینۂ صورتِ رحمانت ساخت

آئینہ زیں گونہ کہ داری بہ چنگ　　آہ ہزار آہ کہ داری بہ زنگ

پہلے شعر کا مدعا یہ ہے کہ حقیقتاً انسان تو وہی ہے جس کے دیکھنے سے غافل کو بھی خدا یاد آجائے انسان کا مجسمہ ایک آئینہ ہے جس میں رحمان کی صورت دکھائی دیتی ہو۔ اب اگر ایسا آئینہ کسی کے پاس ہو اور اُس کی غفلتوں سے وہ زنگ آلود ہو جائے تو یہ کیسی مصیبت عظمیٰ ہے

ع آہ ہزار آہ کہ داری بزنگ

صرف اس ایک مصرع کے زور بیان اور اسلوب ادا کو دیکھو بلاغت و جوشش کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

مثال پنجم۔ جوہر ذاتی چاہیئے نہ آبائی | ایسے ایسے مضامین کو کہ صرف تمنا پستی سے بلندی تک نہیں پہنچا سکتی دوسرے کے بھروسے کام نہیں چلتا استخوان فروشی دوں ہمتی ہی کچھ ایسے دل میں گھر کر جانے والی ادا اور روانی سے بیان کر جاتے ہیں کہ بے خواستہ واہ وا ہ نکل آتی ہی ؎

پست نہ گردد بہ تمنا بلند　　گرچہ بہ انگشت کند پا بلند

تکیہ چہ آری بعصائے کساں　　زندہ نشد کس بہ بقائے کساں

چند زبا د پد ر و جد پری　　باد بود ہر چہ نہ از خود بری

خسرو کا تصوف | تصوف کے اہم و معرکۃ الآرا مسائل کو جس صفائی و روانی سے انہوں نے نظم میں بیان کیا ہی اس سے قطع نظر کمال شاعری زور کلام اور حسن ادا کے یہ بھی معلوم ہوتا ہی کہ اس راہ کا منزل شناس کہہ رہا ہی۔

اکثر و بیشتر شعرا نے یہ سمجھا کہ مثل گل و بلبل اور معاملات ناز و نیاز کے مسائل تصوف بھی صرف زبان و بیان چاہتے ہیں حالانکہ بقول سعدی شیرازی ؎

قدم باید اندر طریقت نہ دم　　کہ اصلے ندارد دمِ بے قدم

ایسے شعرا جو خود مقامات تصوف کے طے کرنے والے نہیں ہیں صرف الفاظ و مصطلحات صوفیہ لیکر اشعار میں نظم کر دیا کرتے ہیں۔ اہل دل گردہ اُسے خوب پہچانتا ہی کہ یہ قال ہی حال نہیں۔ مولنا رومی علیہ الرحمہ ایسے ہی شعرا کے متعلق مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

لفظِ درویشاں بدزد مردِ دوں　　تا بخواند بر سلیمے ایں فسوں

خسرو علیہ الرحمہ جہاں کہیں مسائل تصوف بیان کرتے ہیں وہ اُن کی حالت کا آئینہ ہوتا ہے اُس پر بیان کا ایک خاص زور وضاحت کلام کا ایک لطیف انداز ایسا ہوتا ہے کہ حسن بیان پر بلاغت، بلاغت پر فصاحت اور فصاحت پر ہزار شیرینی قربان ہے۔

تصوف کا پہلا شعبہ یعنی الٰہیات

مسائل تصوف میں الٰہیات کا حصہ خاص اہمیت رکھتا ہے۔ خواجہ فریدالدین عطارؒ حکیم سنائی، مولانا رومی، نظامی گنجوی ان سے قبل اور سعدی ان کی حیات میں اس طرح ان مسائل کو بیان کر چکے تھے کہ عقل حیران تھی کہ اب ان مسائل کے بیان کا کون سا جدید عنوان ہوگا۔ لیکن خسرو علیہ الرحمہ نے جب اُنھیں مسائل کو بیان کیا ہے تو معلوم ہوا کہ بیان کا یہ پہلو خسرو کا منتظر تھا۔ مثلاً یہ مسئلہ کہ انسان جو عالم امکان میں سب سے افضل ہے اور اس کی ترقی کی کوئی انتہا نہیں یہ اگر اس کی کوشش کرے کہ حقیقت الٰہ سے آگاہ ہو جائے تو یہ ناممکن و محال ہے علم ممکن حقیقت واجبہ کا احاطہ تو کہاں کر سکتا ہے وہاں تک اس کی رسائی بھی محال ہے۔ اسی مضمون کو سعدی نے کہا ہے

تواں در بلاغت بسحباں رسید　　نہ در کنہ بیچون سبحاں رسید

لیکن اب خسرو کو دیکھو کہ کس نئے انداز سے بیان کرتے ہیں ؎

ہر چہ از تو گماں برم بہ چونی　　آں من بوم و تو زاں برونی

انسان کی عقل جد و جہد کرتی ہے مقدمات ترتیب دیتی ہے۔ حقائق اشیاء سے بحث کرتی ہے۔ صفات و خواص سے آگاہ ہوتی ہے۔ قدم و حدوث کا مسئلہ تحقیق کرتی ہے۔ ان سب مراحل کے بعد ایک نتیجے پر پہنچتی ہے اور چاہتی ہے کہ اُسے حقیقۃ الٰہ قرار دے لیکن جب

اُسے یہ معلوم ہوتا ہی کہ ساری گردش گردشِ پرکار تھی دائرہ امکان سے ذرہ برابر بھی قدم آگے نہ بڑھا تو بیساختہ کہہ اُٹھتا ہی سبحان ربك رب العزت عما یصفون ۔ اب اس ایک شعر کو دیکھو چند سادے الفاظ میں کس وضاحت سے آیۃ کریمہ کی معنی خیز تفسیر کی ہی کس طرح دریا کو کوزہ میں بند کیا ہی ۔ یہ ہی زورِ کلام اور حسنِ بیان

دوسری مثال اور دوسرا مسئلہ | اس عقیدے کو کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہی اور جو کچھ عالم کون میں ظاہر ہوتا ہی وہی مقتضائے مصلحت ہی ۔ وجود و عدم دونوں اُس کے تحت حکم ہیں ہستی و نیستی کوئی بھی حکمت سے خالی نہیں، کس صفائی و روانی سے نظم کا جامہ پہنایا ہی ؎

دانندۂ توئی بہر چہ رازست — سازندہ توئی بہر چہ سازست
از بودنی ہر چہ بود دارد — از تو رقم وجود دارد
وانچہ از عدم ست نام او نیز — از حکمتِ تست ماندہ ناچیز
بود ہمہ گشتہ از تو موجود — حکم تو رواں بہ بود و نابود

تیسری مثال اور تیسرا مسئلہ | صرف عقل علۃ معرفت باری تعالیٰ ہی یا نہیں اس کا یوں جواب دیتے ہیں ؎

لوامع صفتش ہست چشم پوشِ عقول — چو آفتاب کہ نورش حجابِ ابصارست
حکیم گفت شناسم بعقل یزداں را — زہے کمالِ حماقت و ایں چہ گفتارست

کنہِ باری تعالیٰ تک عرفا کی رسائی ہی یا نہیں اس کا کیسا خوبصورت جواب دیا ہی ؎

بکنہِ حق نرسد عارف ارچہ داندہ ست بر آسماں نہ پرد جعفر ارچہ طیار ست

چوتھی مثال اور چوتھا مسئلہ | اس مسئلہ کو کہ دنیا کی ہر شے سے معرفتِ حق حاصل ہی یوں بیان کرتے ہیں ؎

بہر صحیفہ برگ سمت نو ز حکمتِ او نوشتہ چوں لقبِ شہ بروے دینار ست

اسی مضمون کا شعر سعدی علیہ الرحمہ کا بھی نہایت مشہور ہی ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

تصوف کا دوسرا شعبہ | تصوف میں الٰہیات کے بعد وہ مسائل ہیں جن کا تعلق سالک کی ذات سے ہوتا ہی۔ مثلاً رضا و تسلیم، ریاضت و مجاہدہ، عشق و محبت، ذکر قلب و حیاتِ دل وغیرہ وغیرہ۔ چند نمونے اس شعبۂ تصوف کے بھی ملاحظہ ہوں۔

مثال اول | انسان کو راضی برضا رہنا چاہئے اور کسی حالت میں شریعت کے دائرہ سے قدم باہر نہ نکلنے پائے۔ ان باتوں کو یوں سمجھاتے ہیں ؎

انچہ مقدر شدہ است چوں نبود بیش و کم گر بر سد خرمیم ور نہ رسد باک نیست

حرص بخاکت کشد شارعِ دیں گیر زانکہ بے روشِ مصطفےٰ راہ بر افلاک نیست

مثال دوم | ریاضت کی تصوف میں کتنی ضرورت ہی بغیر مجاہدہ کچھ نہیں ہوتا قدم قدم پر ایثار و قربانی کرنا چاہئے۔ اسے عمدہ مثالیں دے کر نہایت خوبصورتی سے سمجھاتے ہیں ؎

گاہِ وغا در صفِ مردانِ مرد نام نبرد آں کہ خدنگے نخورد

طبل کہ سوراخ کنندش بہ پوست | بہر بروں رفتنِ آوازِ اوست
تا نشود خستہ بصد جا دلت | نورِ حقائق نشود حاصلت
چہرۂ سنگ ار نہ کنی گو بگو | دانہ کجا سود شود جو بجو

مثال سوم | دل کیا ہی۔ اس کی کیا قدر ہی۔ اس کی زندگی کیا ہی۔ اس کی موت کیا ہی۔ ان امور کو جس شاعرانہ پیرایہ میں اور جس محققانہ طریقے سے اُنہوں نے بیان کیا ہے اُنھیں کا حصہ ہی کہتے ہیں ؎

چوں تنِ آدم بگل آراستند | خانۂ جاں بہرِ دل آراستند
آدمی آن ست کہ در وے دل ست | ورنہ علف خانۂ آب و گل ست
دل نہ ہماں قطرۂ خون ست بس | کز خور و آشام برآرد نفس
دل اگر ایں مہرۂ آب و گل ست | خرہم از اقبالِ تو صاحب دل ست
لیک دل آں شد کہ ہوائے درو ست | وز طرفے بوئے وفائے درو ست
زندہ بجاں خود ہمہ حیواں بود | زندہ بدل باش کہ عمر آں بود
زندگیِ دل چہ بود ہم سوز و چاک | زندگیِ کالبدی چیست خاک
غمزدہ بہ جاں کہ غم اندوز نیست | سوختہ بہ دل کہ درو سوز نیست
سردیِ دل مردگیِ دل بود | خوں چو بہ تن سرد شود گل بود

مثال چہارم | عشق کی کیا شان ہی عشاق کی کیا روش ہی۔ عشق کا کیا درجہ ہی ان باتوں کو اس وجد و کیف میں بیان کرتے ہیں کہ اگر ذرا غور کرو تو دل روحانی سرور سے

کیف ہو جائے ؎

عشقِ زبانی زہر افسردہ پرس — سوزش آں از دلِ آزردہ پرس
ذوقِ نمک گرچہ زباں را خوش ست — چوں بجراحت فگنی آتش ست
موم بود دل کہ ز عشق ست زار — کو بگداز د وفتد از یک شرار
شعلۂ عشق چو شد خانگی — سوختہ شد عقل بہ پروانگی
زندہ نہ آنست کہ جانے در وست — اوست کہ از عشق نشانے در وست
جاں کہ نہ عشقش بود آں بازی ست — عشق نہ بازی ست کہ جاں بازی ست
چند بری عشق بہ بازی پسر — عشق دگر باشد و بازی دگر
مرد کہ در عشق زجاں فرد نیست — گر صفِ کافر شکند مرد نیست
چوں تو فغاں از سرِ خارے کنی — بہ کہ جز از عشق شمارے کنی

مثال پنجم | مرد وہی ہے جو مصائب میں گھبرا نہ جائے۔ ابتلا و امتحان کے میدان میں جرأت و استقامت سے مقابلہ کرے اور آخر میں کامیاب ہو کر رہے ؎

مرد نہ ترسد ز فقر شیر نہ ترسد ز زخم — مذہبِ عیّار نیست بیمِ عسس داشتن
عذرِ عروساں بود دعوئ مردی و بس — گاہ وغا پیشِ خصم روئے بہ پس داشتن

اسی مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں ؎

شیر شو و صید را در تہِ چنگال کش — مرد شو و خصم را بر سرِ میداں طلب

تصوف کا نیسرا شعبہ | سب سے وسیع ترین تصوف کا وہ حصہ ہے جس میں عشقیہ روش کی

آمیزش ہوتی ہے۔ اس کی بنیاد سعدی علیہ الرحمۃ نے ڈالی تھی جس پر ایک قصرِ عالی شان خسرو قلیم سخن نے تعمیر کر دیا۔

تخیل کا کمال اور کلام میں درد

بیان کی اس صنف میں خصوصیت کے ساتھ ان کا تخیل بہت ہی بلند پایہ رکھتا ہے۔ اپنے تخیل کو یہ جسمانی جامہ پہنا کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں جس سے ان کا تخیل تخیل باقی نہیں رہتا بلکہ وہ گوشت و پوست و استخواں سے درست ملکوتی روح پھونکی ہوئی مورتیں ہوتی ہیں۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار دیکھو ؎

مثال اوّل

گُل اندر خوابگاہِ نرگس افتد چوں زدبوست — ولیکن عشق بازاں را خسک در خوابگاہ اُفتد
زچشمت کاروانِ صبرِ من تاراج کا خرشد — مسلماناں کسے دیدست کاندر شہر راہ اُفتد

مثال دوم

فصلِ نوروز کہ آورد طرب بر ہمہ خلق — چشمِ بد دور مرا موسمِ باراں آورد
ہر سحر باد کہ بر سینۂ من کر دگزر — در چمن بوے کباب از پیِ مستاں آورد

انھیں اشعار کو دیکھو تخیل کیسا اعلیٰ ہے اور پھر کلام میں کس طرح درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہے کہ دل تڑپ کر رہ جاتا ہے یہ شاعرانہ حیثیت سے بھی اعلیٰ مظہر ملکوتی عالم میں حسن و عشق حقیقی کے خیالات میں محو اور دوسرے نازک تر جذبات و لطائف میں غرق زندگی بسر کرتے تھے اور ان کے لئے بقول انہیں کے ؎

(یک بلبلِ خوش نوائے و دل کش — بہتر ز دو صد کلاغِ ناخوش) ہے۔

صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں کہ اوائل میں جب امیر خسرو شعر کہتے تو اس کو اپنے شیخ طریقت حضرت سلطان المشائخ (رضی اللہ عنہ بجرمتہ) کو دکھایا کرتے تھے۔ ایک

روز حضرت نے فرمایا کہ "طرز صفاہانیاں بگو" یعنی عشق انگیز و زلف و خال آمیز۔ اُسی روز سے خسرو زلف و خال کے پھندے میں ایسے پھنسے کہ تمام ماسوی اللہ سے بے نیاز ہو گئے اور آج تک اُن کا عاشقانہ کلام مردہ دلوں کے لئے آب حیات کا کام کر رہا ہے۔ ثبوت کے لئے ان کے کلام کا دفتر بھرا پڑا ہے۔ جہاں سے چاہو اُٹھا کر دیکھو ایک چھوڑ ہزار ثبوت پاؤ گے۔ یہاں صرف دو مثالوں پر اکتفا کرتا ہوں ؎

مثال سوم

برو اے یار پیشِ دیگراں ده جلوه بستاں را
مرا بگزار تا می بینم آں سروِ خراماں را
گرفتارِ خیالات لبش گشتم یقیں باشد
اثر ہر گہ مگس در خواب بیند شکرستاں را
مپرس از من کہ چوں می باشد آخر جانِ غمناکت
کہ من دیریست کز یادش فرامش کرده ام جاں را

مثال چہارم

تنِ پاکت کہ زیرِ پیرہن ست — وحده لاشریک لہ چہ تن ست
اندر آ در میانِ جاں بنشیں — کہ تو جانی و جانِ من بدن ست
تا زیم در غمِ تو جامہ درم — وز پسِ مرگ نوبتِ کفن ست
دلِ خسرو خوش ست با تنگی — کہ مرا یادگار زاں دہن ست

کلام میں دو آگینی کی وجہ

اس دو آگینی کی وجہ صاف ہے۔ آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد۔ ان کو اہل دل گروہ سے واسطہ تھا۔ ناسوت و ملکوت جبروت و لاہوت اور

ان چاروں سے ماورا جو عالم ہیں ان کی سیر سے ان کی چشم بینا بصارت حاصل کئے ہوئے تھی اور انھیں عالموں کی آب و ہوا میں ان کے قوائے باطنی نے پرورش پائی تھی۔ دل خستہ تھا اور آتشِ عشق سے برشتہ زبان صرف دل کی ترجمان تھی اور بس خسرو دل کی برشتگی و سوختگی کچھ ازل سے ہی لیکر آئے تھے جس کو چشتی نسبت نے اور بھی بھڑکا دیا تھا۔ اُس پر شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین اولیا سلطان المشائخ محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کی توجہ ظاہری و باطنی جب پڑتی تو اُس آتش کی شعلہ فشانی افسردہ دلوں کو اور بھی جلا کر خاکستر کر دیتی۔

لطائفِ اشرفی، سفینۃ الاولیا، سیر الاولیا، سبع سنابل، نفحات الانس وغیرہ میں خسرو علیہ الرحمہ کے شرر افشاں دل کے متعلق حضرت سلطان المشائخ کے یہ کلمات نقل کئے ہیں:-

ایک بار آپ نے فرمایا کہ "کل قیامت میں جب خداوند عالم پوچھے گا کہ میرے دربار کے لئے کیا تحفہ لائے تو میں خسرو کو پیش کر دونگا" پھر کسی وقت ارشاد ہوا کہ "کل قیامت میں ہر ایک شخص کسی شے پر ناز کریگا اور اے ترک میں تیرے سوز سینہ پر ناز کرونگا" اکثر دعا میں یوں فرماتے کہ "الٰہی بسوزِ سینۂ ایں ترک مرا بخش" اور ایں کا اشارہ حضرت خسرو کی طرف فرماتے۔ اللہ اللہ وہ کیا دل تھا اور وہ دولت عشق سے کیسا مالا مال تھا۔

اسی سوز و گداز نے خسرو کو حضرت سلطان المشائخ کا ایسا محبوب بنا دیا تھا کہ

آپ اکثر فرماتے کہ "اے ترک میں سب سے تنگ آجاتا ہوں یہاں تک کہ کبھی خود اپنے آپ سے بھی تنگ آتا ہوں لیکن تجھ سے کبھی تنگ نہیں آتا۔" کبھی یوں اظہارِ محبت فرماتے کہ "اگر ایک قبر میں دو شخص مدفون ہو سکتے تو میں وصیت کرتا کہ خسرو کو میری قبر میں دفن کرنا"

حضرت سلطان المشائخ کا یہ شعر ؎

گر برائے ترکِ ترکم آرہ بر تارک نہند ترکِ تارک گیرم و اما نہ گیرم ترکِ ترک

اسی محبت کو شعر ہی۔ ایک اور آپ کی رباعی کلام خسرو کے مدح میں ہی جس سے ان کے کلام کی مقبولیت معلوم ہوتی ہی وہ ہو ہذا ؎

خسرو کہ بہ نظم و نثر مثلش کم خاست ملکیتِ ملکِ سخن آں خسرو راست

آں خسرو ماست ناصر خسرو نیست زیرا کہ خدائے ناصر خسرو ماست

دربارِ شیخ سے خسرو کو ترک اللہ کا لقب عطا ہوا تھا۔ اور اکثر صرف لفظ ترک سے خطاب ہوتا خسرو علیہ الرحمہ کو اس خطاب پر ناز تھا چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں ؎

بر زبانت چوں خطابِ بندہ ترک اللہ رفت دستِ ترک اللہ بگیر و ہم باللہش سپار

یہ چند کلماتِ طیبات جو حضرت سلطان المشائخ کے نقل کئے گئے ہیں ان سے مدعا یہ ہی کہ ایک وہ شخص جو فطرتاً آتشِ عشق دل میں دبی رکھتا ہو جب اُسے کامل و مکمل شیخ طریقت ملجائے اور پھر شیخ کی محبت و عنایت اُس پر ایسی ہو کہ مرید کے مرتبے سے مراد کے مرتبے میں پہنچ جائے تو اُس کے مقاماتِ سلوک و تصوف کا کیا پوچھنا اور اُس کے کلام کی تاثیر کا کیا کہنا۔

تاثیر کلام | اہل دل جو کچھ کہتا ہے اُسے ایک اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے۔ تزک جہانگیری و دیگر تذکروں مثل داغستانی وغیرہ میں یہ روایت معتبر موجود ہے کہ جہانگیر نے صوفیہ کی دعوت سماع کی مجلس گرم ہوئی۔ قوال نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کا یہ شعر گانا شروع کیا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے　　من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

مولنا علی احمد مہر کن نشانی تخلص اُس وقت وجد و رقص میں آئے۔ جہانگیر نے اس شعر کا مطلب پوچھا مولنا اُسی طرح رقص کرتے ہوئے جہانگیر کے سامنے گئے اور فرمایا کہ ہنود اپنی کسی عید میں عورت و مرد سب کے سب جوق در جوق نہایت شان و شوکت سے دریا کنارے جمع ہو رہے تھے اور بموجب اعتقاد غسل کر کے ثواب حاصل کر رہے تھے حضرت سلطان المشائخ بھی اُس وقت سیر کرتے ہوئے اُس طرف گزرے۔ اُن کے اس شغف مذہبی و انہماک کو دیکھ کر آپ نے خسرو علیہ الرحمہ کی طرف جو ہم رکاب تھے اشارہ کر کے فرمایا ؎

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

اُس وقت ٹوپی حضرت سلطان المشائخ کے سر مبارک پر اتفاقاً کج تھی۔ خسرو علیہ الرحمہ نے فوراً دوسرا مصرع

من قبلہ راست کردم بر سمت کج کلاہے

عرض کر کے پورا شعر کر دیا۔ مولنا علی احمد روایت ختم کر کے چاہتے تھے کہ اپنے سر پر ہاتھ لے جائیں تاکہ ٹوپی اپنی اُسی طرح کج کر کے جہانگیر کو دکھائیں کہ اس شان سے کلاہ مبارک حضرت سلطان المشائخ کی کج تھی۔ لیکن ہاتھ کا اُٹھنا تھا کہ وجد کا وہ عالم طاری ہوا کہ ایک

نعرہ کے ساتھ جاں بحق تسلیم ہو گئے۔

سیر الاولیا جس کے جامع امیر خُرد خلیفہ حضرت سلطان المشائخ ہیں۔ اُس میں ایک نقل لکھی ہے کہ ایک روز حضرت سلطان الاولیا محبوب الٰہی (رضی اللہ عنہ بحرمتہ) کے حضور میں امیر خسرو کے صاحبزادہ نے امیر کی ایک غزل پڑھنی شروع کی۔ جب وہ اس شعر پر پہنچے کہ ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار کیں عشق تیغ بر سرِ مردانِ دیں زدہ است

حضرت سلطان المشائخ کی روتے روتے یہ حالت ہوئی کہ آپے سے گزر گئے۔

اسی سیر الاولیا میں ایک وقت کی اور نقل لکھی ہے کہ امیر خسرو خود سلطان جی کے حضور میں اپنی ایک غزل پڑھنے لگے جو نہیں اُنھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

رخ جملہ را نمود و مرا گفت تو مبیں زیں ذوق مست و بیخبرم کیں سخن چہ بود

حضرت سلطان المشائخ نے گوشۂ چشم سے (کہ چشمۂ محبت تھا) خسرو کی جانب دیکھا اور بیخود ہو گئے۔

الغرض ایسی بہت سی معتبر روایتیں ملتی ہیں جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل دل گروہ میں خسرو کا کلام کیا مرتبہ رکھتا ہے۔

خسرو کی غزل سرائی اس میں کچھ شبہ نہیں کہ غزلیات کے اُن انقلابات و ایجادات کے سبب سے جو سعدی نے شاعری کی اس صنف میں کئے تھے خسرو بہت کچھ سعدی کے مقلد و متبع ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سعدی سے قبل نظم کے لئے بہت سے کام تھے۔ صرف اوقات فرصت میں عشق و عاشقی اور اُس کے لوازم سے تفریح کر لی جاتی تھی اور باقی اوقات دوسرے کاموں کے لئے تھے۔ قدما میں تو غزل کوئی نظم کی قسم ہی نہ تھی۔ تشبیب میں کچھ عاشقانہ مضمون

ادا ہو جاتے تھے۔ آخر دورِ قدما میں غزل نے اپنا مستقل وجود اختیار کیا لیکن اُن غزلوں کا یہ رنگ تھا کہ چمن سے گزرے ایک نگاہ پھولوں کے خوش رنگ تختے پر بھی ڈالی اور بڑھ گئے۔ اچھی صورت سامنے آگئی۔ آنکھیں ٹھنڈی ہو گئیں۔ کبھی کبھی دل میں ایک گدگدی سی ہو گئی اور بس۔ جام و صراحی محفل میں رکھی گئی تو شاعری نے دو ایک گھونٹ سے تبدیلِ ذائقہ کر لیا یہی انداز دوسرے دور تک رہا۔

لیکن تیسرے دور میں نظم محض تفریح کے لئے رہ گئی۔ جوش اور ولولے ٹھنڈے ہو چکے تھے۔ اصل مردی مٹ رہی تھی۔ اس لئے اس دور میں نظم اور کاموں سے فارغ تھی۔ صرف ایک غزل سرائی تھی جس سے بزمِ سخن کی گرمی تھی۔ زبان زیادہ منجھ کر صاف ہو گئی تھی۔ سعدی ہی تیسرے دور کے رنگین بیان شاعر تھے لیکن یہ صرف شاعر ہی نہ تھے بلکہ ایک عالم و ولی کامل بھی تھے۔ انہوں نے غزل میں تصوف کی آمیزش کی اور نہایت لطف سے حقائق و واردات قلبیہ کو غزل میں کہنا شروع کیا۔ عشق و حسن کے راز و نیاز اور اُس پر تصوف کی چاشنی پھر زبان کی صفائی و شیرینی۔ کلام میں پختگی و گھلاوٹ ان چیزوں نے سعدی کو غزل کا امام بنا دیا۔

خسرو بھی اسی دور میں مسند شاعری پر جلوہ افروز ہوئے۔ قاعدہ ہے کہ اگر کسی زمانے میں کسی ناظم یا ناثر کا طرز اہلِ زمانہ کے مذاق و خیال کے مطابق ہو تو پھر وہی طرز رائج الوقت و عام پسند ہو جاتا ہے اور خواہی نخواہی اُس زمانے کے ناظم یا ناثر کی نظم و تحریر کا جزو لاینفک بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ بلا آورد ویسی ہی عبارات مضامین و خیالات ہر ایک فی جوہر کے

قلم سے نکلنے لگتے ہیں۔ خاصۃً جب کہ اُس ایجاد میں واقعی پاکیزگی اور لطف بیان بھی ہو تو پھر اُس کی ہمہ گیری کا کیا پوچھنا۔

سعدی جن کے عہد پیری میں خسرو کی شاعری جوان ہوئی ہے کچھ اس شیرینی و حلاوت سے شیراز میں بیٹھے ہوئے غزل کی نغمہ سرائی کر رہے تھے کہ ان کی اس تازہ روش نے اپنا سکہ بٹھا رکھا تھا۔ عام مذاق کی پسندیدگی گرویدگی کی حد تک پہنچ چکی تھی۔ جو جو انقلاب و ایجاد کہ اس صنف میں اُنھوں نے کیے وہ مثل غناصہ کے ضروری مان لئے گئے تھے۔ اور حق تو یوں ہے کہ سعدی کی غزل گوئی اسی کی مستحق تھی اور ہے۔ پس خسرو جیسا صحیح مذاق رکھنے والا خلقی شاعر کیوں اُسے نمونہ نہ بناتا۔ لیکن اسی کے ساتھ جہاں سعدی کی تبعیت ضروری مان لی وہاں اپنے اختراعات و اضافات کا بھی ایک کافی ذخیرہ فارسی داں عالم کے لئے چھوڑ گئے۔

صنف غزل میں خسرو کے اضافے

غزل کی صنف میں کس طرح کے اضافے ہیں جو خاص دماغ خسرو کے مرہون ہیں اُن کی مجمل فہرست یہ ہے۔ بحروں کی موزونی، تشبیہ و محاورات کی جدت، بیان کا محبوبہ اسلوب۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن سے غزل میں جان پڑ جاتی ہے۔ غزل کا کمال یہ ہے کہ درد، سوز و گداز، تشنگی و نیاز، عشق کی ہنگامہ آرائی، حسن کی دلکشی و دلربائی، اس طرح عام محاورہ اور روزمرہ کی بول چال میں ادا ہو جس میں کسی طرح کی پیچیدگی نہ پائی جائے۔ ہاں اسلوب بیان ایسا ہو جس سے دل شگفتہ ہو جائے۔ تشبیہ ایسی لطیف ہو کہ جذبات میں ہلچل پڑ جائے۔ واقعات عشق اس طرح کہے جائیں کہ سننے والے کو بھی عاشق

پر رحم آجائے۔ غزل میں شاعر کا بس یہی کمال ہے۔ اس جگہ چند اشعار لکھے جاتے ہیں تاکہ ہر ایک کی مثال ناظرین کے سامنے ہو مثلاً :

ایک شخص جس کے مسلمہ فضل و کمال نے اُسے محسود خلائق بنا رکھا تھا عاشق ہو کر سب کچھ کھو بیٹھتا ہے اب وہ حاسدوں سے کہتا ہے خوش ہو کہ تمہاری مرادیں پوری ہوئیں دیکھو میں وہی یکتائے زمانہ ہوں لیکن اب نہ فضل مجھ میں رہا نہ کمال۔ اس مضمون کو خسرو اس درد سے ادا کرتے ہیں کہ سُننے والے کا دل بھر آتا ہے ؎

حسدی بردی اے دشمن بعقل و دانش خسرو ۔۔۔ بیا تا بر مرادِ خاطرِ خود بینی اکنونش

معشوق جن کو اپنے بناؤ و سنوار کے سوا کسی سے کوئی غرض نہیں ہوتی اُن کے اس استغنا اور خود آرائی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

گل بخندید کہ حالِ بلبلِ کیست ۔۔۔ او ہمیں کار رنگ و بو دارد

معشوق سامنے سے گزرتا ہے عاشق کے دل پر ایک بجلی گرتی ہے اب طبیعت پر قابو ہے نہ دل پر اختیار استغاثہ کرتا ہے تو دار القضا و دار الافتا کوئی بھی اس مظلوم کی داد رسی نہیں کرتا اس مضمون کو دیکھو ؎

کافرے رفت و دلم غارت کرد ۔۔۔ شہر اسلام و مرا داد نہ بود

معشوق کی ہر ہر ادا ہے کہ دل چھینے لیتی ہے۔ عاشق کا ایک دل کس کس کا مقابلہ کرے۔ بھاگنا چاہے تو یہ بھی ممکن نہیں۔ آخر گھبرا کر اسی سے تدبیر پوچھتا ہے ؎

لبِ تو ہان و رخت ہر یکے بلائے دل اند ۔۔۔ یکے دلم چہ کند جانب کدام شود

بخت بیدار معشوق کو عاشق پر مہربان کرتا ہے۔ معشوق حالت پوچھتا ہے۔ عاشق جس کی تباہی و بربادی شرح و بیان سے مستغنی ہے وہ کہے تو کیا کہے۔ اپنا دل جو معشوق کے پیچھے کھو چکا ہے اور اب وہ معشوق کا ہے نہ عاشق کا اُس کا گلہ کیوں کر کرے۔ اُسے معشوق سے کیوں کر مانگے ان پُر کیف معاملات کو دیکھو ؎

مرا غمے ست کہ پیدا نمی توانم کرد　　حکایتِ دلِ شیدا نمی توانم کرد
تو حالِ من خود ازیں روئے زرد میں پرسی　　کہ من بروئے تو پیدا نمی توانم کرد
مگر تو خود بکرم باز بخشیم دل ریشیں　　کہ من ز شرم تقاضا نمی توانم کرد

عشاق کے آنسو کبھی دریا ہیں اور کبھی سمندر ان کے جوش و طغیانی کا یہ عالم ہے کہ کبھی سکون آنے ہی نہیں پاتا لیکن خسرو نے جس انداز سے اس مضمون کو ادا کیا ہے وہ اپنی جدت میں آج تک نیا ہے ؎

میروی و گریہ می آید مرا　　صبر کن چندان کہ باراں بگذرد

اس شعر کی جدت و جامعیت قابل لحاظ ہے معشوق جانا چاہتا ہے اس لئے کہ لازمۂ معشوقیت ہی یہ ہے۔ عاشق کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہ نکلتے ہیں اب وہ معشوق سے کہتا ہے کہ گو میرے پاس بیٹھنا ناگوار سہی لیکن ذرا صبر کر پانی تھم جائے تو چلے جانا لطف یہ کہ اس پانی کی علت معشوق کا جانا ہی ہے۔ دیکھو صرف ایک چھوٹے سے شعر میں کتنے مضامین ہیں معشوق کے جانے سے جو صدمہ کہ عاشق پر گزرتا ہے اُس کا بیان ہے معشوق کو عاشق کے پاس بیٹھنا جبر ہے جس کے لئے تلقینِ صبر ہے۔ آنسو بارش کی طرح آنکھوں سے

جاری ہیں جب تک یہ بارش نہ تھمے اُس وقت تک کے لئے معشوق سے التماس توقف ہی طول قیام کی آرزو کس لطف سے پیش کی گئی ہی۔ افسوس ہم سطریں کی سطریں لکھ گئے لیکن وہ مزہ کہاں جو خسرو کے ایک شعر میں ہی۔

اسی اشتک کے مضمون کو ایک دوسرے شعر میں نظم کرتے ہیں اور ایک عجیب خیال کا اظہار کرتے ہیں ؎

اشکم بروں می افگند از درونِ پردہ را　　آرے شکایتہا بود مہمانِ بیروں کردہ را

شعرا نے معشوق کے قامت کو کیا کیا کچھ نہیں کہا ہی لیکن ذرا انداز خسرو دیکھنا کہ وہ کیا کہتے ہیں اور کس طرح کہتے ہیں ؎

یارب آں بالا گر از آب حیواں بختیند　　یا گر جان کساں بگداختند آں بختیند

شیرہ جانہائے شیریں برکشید از انہاں　　وین تن شیریں ازاں شیرہ نمی جاں بختیند

آتش عشق سے سوختہ و برشتہ عاشق جب اپنے معشوق کو دیکھتا ہی تو اس میں ایک حیات تازہ آجاتی ہی اب وہ اس رشتے متعجب ہی حیات بخشی کی وجہ پوچھے تو کس سے پوچھے خالق عالم کو پکارتا ہی اور پوچھتا ہی کہ تو ہی بتا اس کا خمیر آب حیات سے ہی جس کی تاثیر سے مجھ میں جان پڑجاتی ہی یا بہت سی جانوں کو پگھلا کر یہ ایک جسم بنا ہی یا شیریں جانوں کا شیرہ و روح کھینچکر یہ ایک جسم شیریں بنا ہی۔ دیکھو کیسا لطیف و شیریں خیال ہی۔

نظم کے پرکھنے والے ارباب بصیرت کا یہ فیصلہ ہی کہ بعض بعض اشعار خسرو کے ایسا بلند پایہ رکھتے ہیں کہ ہر شعر ایک دیوان کی قوت رکھتا ہی۔ مثلاً ؎

زلفت زہر دو جانب خوں ریز عاشقان ست　　چیزے نمی تواں گفت روئے تو درمیان ست

رُخِ خود بپوش ورنہ رقمِ منجماں را　　بحسابِ ہشتم آخر بشمار خواہی آمد

خلاصہ یہ کہ غزلوں میں ان کا مستانہ دار نعرہ دل ہلا دیتا ہے اور یہاں ان کا تیر بے خطا ثابت ہوتا ہے کہیں کہیں ان کی نمکینی سعدی کی شیرینی پر چشمک زن ہے۔ اپنی تمنا، اپنی مایوسی، اپنا انتظار، اپنی ناکامی، اپنی بیقراری، اپنی پریشانی کی جو تصویریں اپنی غزلوں میں انہوں نے کھینچی ہیں وہ گویا جیتی جاگتی بولتی چالتی چڑیاں ہیں جو اپنی درد انگیز آواز سے دل ہلائے دیتی ہیں چند غزلوں کے مسلسل اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں ؎

از جانِ من آرام رفت آرام جانِ من کجا　　ہجرم نشانِ فتنہ شد فتنہ نشانِ من کجا

آمد بہارِ مشک دم سنبل دمید و لالہ ہم　　سبزہ بصحرا زد قدم سروِ روانِ من کجا

در کارِ غم شد سوریم بے پردہ شد مستوریم　　تلخ ست عیشِ از دوریم شکر فشانِ من کجا

ہر دم جگر در سوز و تاب اے دیدہ ریزم خونِ ناب　　اینک مَی و اینک کباب آں میہمانِ من کجا

گل نو رسید و بوئے زبہارِ من نیامد　　چہ کنم نسیمِ گل را چو زیارِ من نیامد

دلِ من چرا چو غنچہ نہ شود دریدہ صد جا　　کہ صبا رسید بوئے زبہارِ من نیامد

اگرت حریف داری نظرے بروئے یارے　　تو بہارِ خویش خوش کن کہ بہارِ من نیامد

بہ شبِ نشاط یارا چہ خبر ترا ز خسرو　　کہ بہ جانبِ تو روزے شبِ تارِ من نیامد

زندگی کی بے ثباتی، دنیا کی بے وفائی، زمانہ کا جور، یارانِ رفتہ کی جدائی کا گلہ

اکثر شعرا نے کیا ہے مگر جس درد انگیز لہجہ میں راگ خسرو الاپ گئے ہیں انھیں کا حصہ ہے ؎

یاراں کہ بودہ اند مذاقم کجا شدند — یارب چہ روز بود کہ از ما جدا شدند
گر نو بہار آید و پرسد ز دوستاں — گو اے صبا کہ آں ہمہ گلہا کیا شدند
اے گل چو آمدی ز زمیں گو چہ گونہ اند — آں رویہا کہ در تہ گرد فنا شدند
آں سروراں کہ تاجِ سرِ خلق بودہ اند — اکنوں نظارہ کن کہ ہمہ خاکِ پا شدند
خورشید بودہ اند کہ رفتند زیرِ خاک — آں ذرہا کہ ہر ہمہ اندر ہوا شدند
بازیچہ ایست طفل فریبِ متاعِ دہر — بے عقل مردماں کہ بریں مبتلا شدند

غزل میں خسرو کی قادر الکلامی احاطۂ انضباط و تحسین سے باہر ہے۔ ان کی عبارت میں الفاظ کو اپنے مضمون کے ساتھ غضب کا تناسب پایا جاتا ہے۔ جو لفظ جہاں کے لئے مناسب ہوتا ہے وہی یہ استعمال کرتے ہیں بحروں اور قافیوں کے یہ بادشاہ ہیں چاہے کہ بحور و قوافی انکی روانی طبع کے سدراہ ہوتے ہوں ہرگز نہیں بلکہ یہ اور بھی ان کی طبیعت میں جولانی پیدا کردیتے ہیں تمثیلاً ذیل کی غزل پڑھو۔ کیسا سرتوڑ قافیہ ہے۔ مگر ہوا رقلم اس روانی سے جاتا ہے کہ زمین ہموار و مسطح معلوم ہوتی ہے ؎

سروے چو تو در اصل چہ در نتہ نباشد — گل شکلِ رخِ خوبِ تو لبستہ نباشد
دوزند قبا بہرِ قدت از گل سوری — تا خلعتِ زیبائے تو از زلتہ نباشد
در جنتِ فردوس کسے را نہ گزارند — تا داغِ غلامیِ تو انگشت پتہ نباشد
تمثالِ تو مسکین نکند میل بہ جنت — در صحنِ بہشت ار طبقِ تتہ نباشد

ایں حسن و لطافت کہ تو کافر بچہ داری　　در چین و ختا و ختن و خجستہ نہ باشد

اب ایک دو نمونے عام عاشقانہ جن میں معشوق سے خطاب عشق کی واردات مستی و بیخودی کی باتیں ہیں درج کرتا ہوں ؎

ساقیا مے دہ کہ امروزم سرِ دلجوئیست　　دور برگرداں کہ دم گم از تہی پیمانگیست
من بزخمت جاں دہم تو زحمت آری بر تنم　　ایں عنایت در میانِ دوستاں بیگانگیست
شمع شبہ نیی چشیدست ار بسوزد باک نیست　　لذت از آتش گرفتن مذہبِ پروانگیست

بہرِ تو خلقے می کشد ہر سو من بدنام را　　بس می نیایم چوں کنم ایں دلِ خودکام را
یکشب ز بامے دیدمت وآنگہ بیاد پائے تو　　رنگیں لساطے می کشم از خونِ چشمِ آں بام را
خواہم کہ خونِ خود دمے در گردنِ جامت کنم　　دانی چہ دولت میدہی ساعت از لبِ جام را
تا چند دزدم از صبا در جنبش آید زلفِ تو　　آخر دمے آرام دہ دلہائے بے آرام را
گر کشتہ شد خسرو ز غم تہمت چہ بر خوباں نہم　　چوں چرخ خنجر میدہم در کشتنم بہرام را

شمعِ فلک بر آمد با آتشیں زبانہ　　ساقی نامسلماں در دہ مے مغانہ
کشتی ما رواں کن ما تا کنارہ یابم　　دریائے غم ندارد چوں بیچ جا کرانہ
نے نے کہ از رخِ خود کن بہشتیم کہ بارے　　یک دم خلاص یابم از محنتِ زمانہ
رو تا رویم بیروں دستے بگردنِ تو　　تو بیخودِ سبوئے من بیخودِ شبانہ
اے من غلامِ شکلت چوں در خمار باشی　　نے روئے خواب شستہ نے موئے کردہ شانہ
مطرب دو دِ خود بر دستے چو ابر باراں　　ویں زہد خشکِ ما را تر کن بہ یک ترانہ

من نیم خوردہ خوردم و زبادۂ نرگسی — دل برلبِ تو دارم می خواستن بہانہ
خسرو کہ مست ناز تو ام ناز خواستہ — ہاں در چنیں نشاطے یک رقصِ عاشقانہ

لشکر کشید عشق و دلم ترکِ جاں گرفت — صبر گریز پاے سر اندر جہاں گرفت
گفتی کہ ترک من کن و آزاد شو ز غم — آساں بہ ترک ہیچ توئی چہ تواں گرفت
اے آشنا کہ گریہ کناں بند میدہی — آب از بروں مریز کہ آتش بجاں گرفت
نظارہ ہم نہ کرد گنہ سوختن مرا — آنکس کہ آتشم زد و از من کراں گرفت
در طوقِ بندگیش رود جاں بعافیت — ہر فاختہ کہ خدمتِ سرو رواں گرفت

کج کلہا شکارِ تنگ قباے کیستی — لا بہ گراے دلبرا عشوہ نماے کیستی
زیر کلاہ جعد ترا تا کمند کشید — بستہ بہ چابکی کمر چست قباے کیستی
مرکب ناز کردہ زیں دادہ بغمزہ تیغ کیں — ساختہ آمدہ چنیں تازبراے کیستی
سینہ بند جاے تو دیدہ بزیر پاے تو — با ہمہ رہواے تو توبہ ہواے کیستی
خسرو خستہ را سخن بستہ شد از تو در عجب — طوطیِ شکرینِ من نغمہ سراے کیستی

اگرچہ غزل میں مسلسل کلام نہیں ہوتا اُس کا ہر شعر ایک لگ مضمون ہوتا ہی (اور اسی لئے شعرانے غزل ایجاد کی) لیکن یہ عاشق کی گفتگو ہی۔ کبھی کبھی وہ ایک مسلسل کلام بھی کرتا ہی۔ اس لئے اساتذۂ غزل کے دیوانوں میں ایسی غزلیں بھی بکثرت موجود ہیں جن کا مضمون مسلسل ہی خسرو کی آخری غزل جو میں نے درج کی ہی وہ تسلسل ہی کا نمونہ ہی۔

شوخی و ظرافت پر جب آتے ہیں تو ایک ایک جملے میں سو سو چمن کھلا جاتے ہیں

طبیعت اس بلا کی چلبلی پائی ہے کہ خود حسنِ بیان مُنہ چھپائے دوڑتا ہے مثلاً ؎

تو شبانہ می نمائی بہ برکہ بودی امشب — کہ ہنوز چشمِ مستت اثرِ خمار دارد

ہر دو عالم قیمتِ خود گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

مست آمدہ باز مہمان کہ بودی — دائم شکری در شکرستان کہ بودی

اے یار جدا ماندہ دلِ تنگ کہ جستی — اے یوسف گم گشتہ بہ زندان کہ بودی

دیوانۂ من پرسہ کوے کہ گزشتی — تشویش دہِ حالِ پریشان کہ بودی

می دادش کجا خوردی و ساغر بہ کہ دادی — در ظلمتِ شب چشمۂ حیوان کہ بودی

بعدت کہ کشد دست و لبت را کہ گزیدست — پیشِ کہ نشستی شبِ مہمان کہ بودی

آہستہ و مست و رآغوش کہ خفتی — ایں بخت کرا بود بفرمان کہ بودی

چھوٹی بحروں میں یہ جب کہتے ہیں تو آبِ حیات کی نہروں کی روانی کا مزہ آجاتا ہے۔ مثلاً اس غزل کو دیکھو ؎

دیوانہ شدم در آرزویت — اے چشمِ ہمہ جہاں بسویت

مائیم و تحیر و خموشی — و آفاق ہمہ بہ گفتگویت

وے روے تو دیدم و نمردم — شرمندہ بماندہ ام ز رویت

پرسی کہ چگونہ ز من دُور — دور از تو چہ پرسیم چو مویت

خسرو بکمندِ تو اسیرست — بیچارہ کجا رود ز کویت

اگر غزل گو شعرا کی فہرست طیار کی جائے تو صرف اُن کے اسمار سے ایک ضخیم جلد طیار ہو سکتی

ہی لیکن غزل کا حق جس نے ادا کیا ہو اگر اس نقطۂ نظر سے فہرست طیار کیا چاہو تو بجز چند ناموں کے اور کچھ نہ پاؤ گے جن میں اُستادِ غزل سعدی ہیں اور ان کے بعد خسرو و حسن دہلوی۔ سعدی نے جن اصول و مضامین پر غزل کی بنیاد رکھی وہ محض شاعری نہ تھی بلکہ حقائق و معارف کی چاشنی بھی اُن میں تھی اس لئے خسرو و حسن دہلوی کے سوا کوئی شاعر سعدی کے تتبع میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ان دونوں میں بھی خسرو کو مرتبۂ اولیت حاصل ہی خسرو کی غزلوں پر اگر ایک مختصر و جامع تنقید چاہتے ہو تو صرف اس قدر کہنا کافی ہی کہ وہی بادۂ شیراز ہی جو دوبارہ کھینچ کر دو آتشہ ہو گئی ہی۔

غزل کا دوسرا دور | اس کے بعد ایک دوسرا دور غزل کا آیا جس میں خواجو کرمانی و حافظ شیرازی ہیں اگرچہ یہ کوئی نیا دور نہ تھا لیکن بعض مضامین مثلاً ساقی و صراحی بادہ و جام میخانہ و پیرِ مغاں رندو خرابات کی مدح زاہد و واعظ کی ہجو۔ دنیا کی بے ثباتی انکا نہایت ہی جوش و بلند آہنگی سے ترانہ گایا گیا تھا۔ یہ باتیں سعدی کی غزلوں میں اُسی انداز خاص سے جو اُنکا طرز تھا موجود تھیں لیکن ان کا مرتبہ بنیاد کا تھا۔ خواجو کرمانی نے اُنھیں بنیادوں کو ذرا نمایاں کیا اور حافظ نے اُسے آسمان تک پہنچا دیا۔ اُنھوں نے اپنی سُریلی آواز سے فارسی دان دنیا میں ایک مستی و بیہوشی کا عالم پیدا کر دیا جس کا نشہ آج تک باقی ہی۔ خواجہ حافظ نے جس وقت شاعری شروع کی ہی اُس وقت سلمان ساوجی و خواجو کرمانی کا رنگ چھایا ہوا تھا خود ان کی طبیعت میں بھی فطری جوش و مستی بھری ہوئی تھی۔ اُنھوں نے اپنے کلام کی بنیاد انھیں دونوں کی داغ بیل پر ڈالی جیسا کہ اُن کے بعض اشعار سے ظاہر ہی ؎

شہنشہِ فضلا بادشاہِ ملکِ سخن　　جمالِ ملت و دیں خواجہ جہاں سلماں

چہ جائے گفتہ خواجو و شعرِ سلماں ست　　کہ شعرِ حافظِ شیراز بہ بود شعرِ نظیر

اوستادِ غزلِ سعدی ست پیشِ ہمہ کس اما　　دارد غزلِ حافظ طرز و روشِ خواجو

لیکن ان کی طبیعت کے اصلی جوہر نے اُسے ایسا چمکایا جس کے سامنے سلمان و خواجو دونوں کے گوہرِ فکر بے آب معلوم ہونے لگے سلمان کی غزلوں میں تو کچھ نہیں۔ ہاں ان کے قصائد ہیں جن سے ان کی شاعرانہ قوت ظاہر ہے البتہ خواجو کے دیوان میں ایسی بہت سی غزلیں ہیں جو حافظ کی ہم ردیف و ہم قافیہ و ہم بحر ہیں۔ اسی کے ساتھ اکثر مضامین اور اسلوبِ ادا کا بھی اتحاد پایا جاتا ہے جس سے حافظ کا تتبع صحیح ثابت ہوتا ہے۔ خواجو کا دیوان نایاب ہے جس نے نہ دیکھا ہوگا اُس کو تعجب ہوگا کہ حافظ اور خواجو کا تتبع لیکن جس نے خواجو کا دیوان دیکھا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ وہی صہبائے مستی ہے جس کی تندی و تیزی بڑھا دی گئی ہے۔

مقصود اس سے یہ ہے کہ خسرو کا مقابلہ غزل میں حافظ شیراز سے نہیں کیا جا سکتا کیونکہ دونوں کا طرز ہی جداگانہ ہے۔ جہاں ایک رود و سرود زلف و خال باغ و راغ کوہ و صحرا دشت و دریا میں شاہدِ معنی کے جمالِ جہان آرا سے مست ہو رہا ہے وہاں دوسرا میخانہ و مے کا دلدادہ بن کر مے کی لہروں میں معشوقِ حقیقی کے رخ و عارض کا جلوہ دیکھ کر مدہوش ہے اگرچہ دونوں یکساں عشق کے پھندے میں پھنسے ہیں مگر دو رنگ سے ؎

ہر دو شاعر ہم سبق بودند در دیوانِ عشق　　یک بصحرا رفت و دیگر با مغاں مستانہ شد

حافظ کا صحیح مقابلہ خواجو کرمانی سے جو ان کے عہد میں تھے اور حکیم سنائی و عمر خیام سے جو

ان سے بہت قبل تھے کیا جا سکتا ہے اس لئے کہ ان تینوں کا ایک ہی رنگ ہے۔ ورنہ یوں تو دس بیس شعر متحد المعنی انتخاب کر کے لکھ دینا کچھ دشوار نہیں مگر یہ فی الحقیقت اپنی بدمذاقی کا ثبوت دینا ہوگا مثلاً خسرو کا ایک شعر ہے ؎

از پس مرگ اگر بر سر خاکم گزری　　بانگ پایت شنوم نعرہ زناں برخیزم

اسی مضمون کو اسی بحر و قافیہ میں حضرت حافظ و سلمان ساوجی نے کہا ہے۔

حافظ ؎

بر سر تربت من بامی و مطرب بنشیں　　تا من از کنج لحد رقص کناں برخیزم

سلمان ؎

چوں شوم خاک بخاکم گزرے کن چو سبا　　تا بہ بویت ز زمیں رقص کناں برخیزم

خسرو نے جس سادگی اور صفائی کے ساتھ خوش نما پیرایہ میں مضمون بیان کیا ہے وہ مذاق سلیم رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے یہ امر مسلم ہے کہ عاشق جو فراق یار میں ہمہ تن انتظار ہے اُس سے اتنا صبر نہیں ہو سکتا کہ معشوق کے پہونچنے کا انتظار کرے پاؤں کی آہٹ پاتا ہے اور استقبال کو کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوں کہ یہ مضمون فطرت سے بہت نزدیک ہے بایں وجہ کلام نہایت بلیغ ہو گیا۔ "بانگ پا" اور "نعرہ زناں" نے شعر کے لطف کو کہیں سے کہیں پہونچا دیا۔

حضرت خواجہ حافظ نے برخیزم کی کیفیت کو رقص سے اور بھی مکیف کر دیا۔ مگر ان کو لحد اُٹھانے کے لئے ساز و سامان چاہئے۔ مے ہو مطرب ہو اور اس کے ساتھ یار کی

نشست ہو۔ صرف آمد کافی نہیں۔ ان تینوں کے مجموعۂ قوت کا یہ اثر ہو کہ لحد سے رقص کناں اُٹھیں۔

سلمان کا شعر ان دونوں کے مقابل ہیچ ہے۔ اگرچہ سادگی و صفائی ہے مگر کوئی لطف نہیں۔ جو ہوا کہ خاک کو رقص میں لاتی ہے اور بگولا بناتی ہے وہ صبا نہیں ہے۔ صبا لطیف پُروائی ہوا کو کہتے ہیں یہاں بو کی وجہ سے صبا کا ہونا ضرور تھا۔ اگر شاعر صبا کی جگہ کسی تند و تیز ہوا کو لاتا تو بو اُڑ کر غائب ہو جاتی۔ یہاں صبا سے بو پہنچانے کی خدمت لی گئی ہے رقص کناں برخیزم کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔

غرض یہاں بحث خسرو کی تغزل سے ہے کہ یہ کس رنگ میں غزلیں کہتے ہیں اور ان کا پایہ غزل میں کیا ہے اور یہ بحث اس مختصر رسالے کے تحمل سے زیادہ ہو چکی اب ہمیں صرف ایک بات اور کہنی ہے کہ شاعری میں موسیقی کا بھی دخل بعضوں نے تسلیم کیا ہے چنانچہ سعدی و حافظ کی غزلوں میں جہاں اور لطافتیں بیان کی گئی ہیں وہاں بحور کی نغمہ و ترنم سے موزونی و مناسبت بھی بیان ہوئی ہے۔ اب میرا یہ کہنا کہ اگر شاعری کے محاسن میں موسیقی کا دخل ہے اور لطیف نظم کے الفاظ تال و سم سے مطابقت رکھتے ہیں تو اس باب میں خسرو علیہ الرحمہ کا کوئی بھی مقابل و مساوی نہیں ایک کھلے راز کا اظہار ہوگا

قصائد امیر خسرو سے قبل ظہیر رشید کمال اسمٰعیل الملقب بہ خلاق المعانی خاقانی الملقب بہ حسان العجم انوری وغیرہ مشہور قصائد نگار گزر چکے تھے۔ لیکن جس طرح کہ غزل میں یہ شیخ سعدی کے قدم بقدم رہے اور بہت سی غزلوں میں اپنی شان خسروی بھی

ظاہر کر گئے۔ اُسی طرح قصائد میں بھی ان باکمالوں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں اور جب ان کا خاص میدان آتا ہے تو سب کو پیچھے چھوڑ کر آگے نکل جاتے ہیں۔

یہ ایک زمانہ دراز تک چونکہ شاہزادوں اور بادشاہوں کے دربار کے زیور رہے ہیں اس لئے قصائد نویسی کا موقع ان کو بہت ملا جس نے ان کی طبیعت پر اور بھی جلا کر دی قصیدہ میں شاعر کا جوہر دو جگہ کھلتا ہے۔ ایک تو مخلص یعنی گریز جہاں سے مقصد شروع ہوتا ہے دوسری تشبیب و مقصد میں توازن و لطف کا اس طرح قائم رکھنا کہ دونوں حصوں میں سے کوئی بھی بدمزہ ہونے پائے۔

نصر بن سیار جو بنی اُمیہ کی طرف سے خراسان کا والی تھا اُس کے سامنے کسی نے مدحیہ قصیدہ پیش کیا جس میں سو شعر تو تشبیب کے تھے اور صرف دس شعر میں پوری مدح تھی۔ نصر نے جو کہ خود سخن فہم تھا قصیدہ سُن کر کہا ما بقیت کلمۃ عذبۃ ولا معنی لطیفاً الا وقد شغلتہ عن مدیحی بتشبیبک یعنی الفاظ شیریں اور معنی لطیف تو سب تشبیب میں ختم ہو گئے اب مدح کے لئے کیا رہ گیا تب اُس نے دوبارہ قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا

ھل تعرف الدار لام العمر دع ذا وحبّر مدحہ فی نصر

یعنی کیا تو ام عمر کے مکان کو پہچانتا ہے اس ذکر کو چھوڑ اور نصر کی مدح لکھ۔ اسے سُن کر نصر نے کہا۔ لا ذا لک ولا ھذا ولکن بین الامرین۔ یعنی نہ وہ افراط نہ یہ تفریط۔ بلکہ ان دونوں کے بین بین کلام ہونا چاہیئے۔

اس واقعہ سے یہ بتانا مقصود ہے کہ جہاں گریز میں شاعر کی قوت دیکھی جاتی ہے کہ

سلسلہ کلام کو باقی رکھتے ہوئے کس طرح مطلب و مقصد کی طرف آتا ہے وہاں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ لطف بیان اور زور کلام میں بھی توازن رہا یا نہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے قصائد سیکڑوں ہیں اور ان دونوں کمالوں سے آراستہ و پیراستہ ہیں ارباب دنیا کی مدح میں اُن کا بیان پھیکا ہو جاتا ہے چوں کہ وہ دل کی صدا نہیں ہوتی اس لئے ایسے قصائد میں ساری قوت تشبیب میں صرف کر دیتے ہیں۔ گریز اچھی کرتے ہیں لیکن مدحِ اہلِ دول ان سے نہیں بن آتی۔ پھر بھی اگر کہیں اس پر متوجہ ہو گئے ہیں تو مبالغہ میں کسی سے پیچھے نہیں رہے مثال کے طور پر دو نمونے پیش کرتا ہوں۔

ظہیر فاریابی اپنے ایک قصیدہ میں قزل ارسلاں کی شان میں لکھتا ہے ؎

نہ کرسیِ فلک نہد اندیشہ زیر پائے　　تا بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ اس پر یوں تعریض کرتے ہیں ؎

براہِ تکلف مرو سعدیا　　اگر صدق داری بیارو بیا
تو منزل شناسی و شہ راہ رو　　تو حق گوے و خسرو حقائق نیوش
چہ حاجت کہ نہ کرسیِ آسماں　　نہی زیر پائے قزل ارسلاں
مگو پائے غرت بر افلاک نہ　　بگو روے اخلاص بر خاک نہ

خسرو نے سلطان جلال الدین کی شان میں جو قصیدے لکھے ہیں اُن میں سے ایک قصیدے میں فرماتے ہیں ؎

زآبِ حیات شستہ دہن را ہزار بار　　تا بوسہ بر رکاب ستہ کامراں دہد

اندیشہ کے رسد کہ بہ بوسد رکابِ شاہ　　گر بوسہ بر رکاب قزل ارسلاں دہد
زاں سوے کوں گر پرد اندیشہ تا ہمہ　　نتواند آنکہ بوسہ براں آستاں دہد

اسی بحر و قافیہ میں سلمان ساوجی کا بھی ایک قصیدہ شیخ اویس کی شان میں ہے اُس میں وہ کہتے ہیں ؎

در بوستاں بیاد دہانِ تو غنچہ را　　ہر دم ہزار بوسہ صبا بر دہاں دہد
ہست آستانِ حضرتت اقبال را حرم　　مقبل کسے کہ بوسہ براں آستاں دہد
گشتست پائے بار مشرف بدست تو　　بر پائے خویش بوسہ پیاپے ازاں دہد

دیکھو ظہیر فاریابی امیر خسرو سلمان ساوجی تینوں ایک ہی مضمون کہہ رہے ہیں۔ لیکن یہاں خسرو چونکہ مبالغہ کا حق ادا کرنا چاہتے ہیں اس لئے ظہیر و سلمان دونوں سے انکا مبالغہ بڑھ گیا۔

ماہ نو کی تشبیب مشاہیر قصائد نگاروں کی ایک موقع پر صاحب خزانہ عامرہ نے جمع کردی ہے ہم اُس میں سے بخوفِ طوالت صرف خاقانی و انوری و خسرو کی تشبیب درج کرتے ہیں۔ ظہیر کے ساتھ مقابلہ اوپر گزر چکا اب تکرار سے کیا حاصل۔

خاقانی ؎

دوش چوں خورشید را مصراعِ خاور ساختند　　ماہِ نو را چوں حمائل حلقہ پیکر ساختند
محتسب گوئی بماہِ رونِ جامِ مے شکست　　آں شکستِ جام را رسوائے خاور ساختند
چرخِ جادو پیشہ چوں زرّیں قوان کرد گم　　دامنِ کحلیش را جیبِ مقور ساختند

در زبان چرخ را گوئی چہ سہو افتادہ بود
کاں زہِ سیمیں بدیں دامن نہ در خور ساختند

یا شبانگہ قصد کردند اختراں تیر زدہ
کاسماں طشت و شفق چوں ماہ نشتر ساختند

نیمۂ قندیل عیسےٰ بود یا محراب روح
یا مثالِ طوق اسپ شاہ صفدر ساختند

انوری ؎

دوش سلطانِ چرخ آئینہ فام
آنکہ دستور شاہ راست غلام

از کنارِ نبرد گاہِ اُفق
چوں بدستِ غروب داد زمام

دیدم اندر سوادِ طرۂ شب
گوشوارہ فلک ز گوشۂ بام

گفتم آں نعل خنگ دستورست
قرۃ العین و فخر آلِ نظام

خسرو ؎

برآمد ماہِ عید از اوجِ گردوں
طرب چوں ماہِ نو شد ہر دم افزوں

بلوحِ آسماں نونے ست یا عین
کہ بیروں آمدہ از کلکِ بیچوں

بہ بیں اندر رکوعِ آں پارۂ نور
ہلالش گوئی خواہی خواہ ذوالنوں

ہمانا حلقۂ گوشِ سپہرست
کہ دارد از کواکب درِ مکنوں

سوادِ شام در پیشِ مہِ نو
مگر لیلےٰ ست در پہلوے مجنوں

چنیں ماہِ نو و عیدِ خجستہ
مبارک باد بر ذاتِ ہمایوں

قصائد گوئی کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہے وہ بوجہ احسن و اکمل خسرو میں موجود تھیں اور اُنھوں نے نہایت خوبی و خوش اسلوبی سے اپنے قصائد میں اپنے جوہر کا اظہار کر دیا ہے۔

شوکت و ندرت الفاظ مسائل علمیہ مقدمات حکمیہ دقائق سلوک و تصوف اصطلاحات علوم مختلفہ دقت معانی صنائع و بدائع لفظی و معنوی (خصوصاً تجنیس و ترصیع) بلند پروازی مبالغہ وغیرہ۔ قصائد نویسی کے زیور ہیں۔

خسرو کا خزانۂ خیال ان سب متاع سے مالا مال تھا پھر جس فراوانی سے وہ اس کو لٹا سکتے تھے وہ کچھ کہنے کی بات نہیں۔ ان کے کلیات کو اٹھا کر دیکھو مختلف بحور و قوافی میں پچاسوں قصیدے پاؤ گے اور نہایت سیر۔

الحمد للہ کہ پیر جواں ہمت خادم اسلام و مخدوم قوم نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے چشمۂ فیض کی بڑھتی ہوئی موجوں میں قوم کو قصائد خسرو کے بھی مطالعہ کا موقع ملے گا۔

ہم یہاں محض ایک دو نمونے قصائد خسروی کے درج کرتے ہیں تاکہ ایک مجمل اندازہ ان کی قصائد نویسی کے متعلق ناظرین کر سکیں۔

موعظت و اخلاق میں ان کا ایک قصیدہ ہے جس کا نام بحر الابرار یا دریائے ابرار ہے نہایت ہی سیر قصیدہ ہے اس میں یہ التزام ہے کہ ہر شعر کا پہلا مصرع دعویٰ ہے اور دوسرا دلیل دو شعر اس کے یاد ہیں انھیں کو لکھتا ہوں ؎

عاشقی رنج ست و مرداں را بسینہ راحت ست — سلسلہ بند ست و شیراں را بگردن زیور ست

راہ رو چوں در ریا کوشد مرید شہوت ست — بیوہ زن چوں رخ بیاراید بہ بند شوہر ست

چند قصائد ان کے صنعت لف و نشر مرتب میں ہیں جن میں علاء الدین کی مدح کی ہے۔ تین شعر نمونۃً اس میں سے بھی لکھتا ہوں ؎

کجا خیزد چو تو سروے جوان و نازک و نوبر — شکر گفتار و شیریں کار و گل رخسار و مہ پیکر
نباشد چوں لبِ اندام و گیسو درخت ہرگز — شکر شیریں و گل رنگیں و شب مشکیں و صبح انور
ببرد اندیشۂ مہرو فراق و آرزوئے تو — ز شخصم تاب و ردیم آب و چشم خواب و جانم خور

خسرو کے بعد سلمان ساوجی و قاآنی نے اسی صنعت میں قصیدے لکھے ہیں جو ان کے کلیات میں موجود ہیں لیکن سلمان ساوجی کا قصیدہ تو بہت ہی پھیکا رہا۔ بالکل آورد و تصنع معلوم ہوتا ہے۔ قاآنی جو شوکتِ الفاظ کا بادشاہ ہے یہ اپنے زورِ الفاظ سے بہت کچھ رنگ آمیزی کرنا چاہتا ہے لیکن خسرو سے بمراحل دور ہے۔

خسرو نے اپنے ایک طولانی قصیدے میں جس قادر الکلامی کے ساتھ مسئلہ تخلیقِ عالم اور اس کے متعلقات پر بحث کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان فلسفیانہ مسائل میں وہ اس طرح تیرے ہوئے ہیں اور فلسفہ کے دقائق و نکات اُن پر اس طرح حل ہیں کہ طرح طرح کے اسلوب سے بیان کرنے پر انھیں قدرت تامہ حاصل ہے۔

پدید کرد جواہر مجرد از مادہ — کہ در خزانۂ ملکش بسلکِ اظہار است
یکی ست نفس کہ ہست و مدبر ابدال — کہ بہر ہر بدنے روز و شب بہ تیمار است
وگر دوم طلبی عقل جوہر است کہ آں — نہ در تعلقِ کارِ دیار و دیار است
زہے عجائب صنعش کہ در لوائح کن — ولد سہ پشت نہ و مرد ہفت زن چار است
بنات و معدن و حیوان و ریحہ کنوں — سہ میوہ ایست کہ از یک درخت آں بار است
یکی ست سنگ جماد و ملون و سادہ — کہ از مشابہتِ دو شریک بیزار است

دوم چو شعلہ دراں تکیہ کرد بر پایش — گہے بکنج حرم گہ بصفۂ نار است
سوم رونده و گرداں خزانہ خانۂ جاں است — کہ بہر نقب خزانہ بسیش ہنجار است
دراں خزینہ چہارم گراں بہا گہر است — کہ قیمتش نہ ود و عالمش خریدار است
ازاں سہ جاہل سود و زیاں و لذت و ذوق — بریں یکے کہ یگانہ ست جملہ اغیار است
وجود آدمی از عین عرتش عکس است — چو عکس آبکے از آدمی نمودار است

اسی قصیدے میں انسان کی ترکیب جسمانی وحیوانی کو یوں بیان کرتے ہیں ؎

زآب و گل تن مردم چو قلعہ آراست — بشکل تنگ و بمعنی جہان اسرار است
در و کشید چو عنصر چہار بازارے — کہ رخت ہر دو جہانش بچار بازار است
خزینہ دار نفائس بسینہ دل راست — خرد وزیر شد و جان سپاہ سالار است
نخست حس بروں را بہ تجربہ بنگر — کہ ذوق و فائدہ در ہر یکے چہ مقدار است
دگر حواس درون بینی آنچہ واندر تن — ہزار عالم مستور خاص ستار است
تو حس مشترک و وہم و فہم صورت کن — کہ ہر یک آئینۂ جاں بغیر زنگار است

شاعر کی جادوگری و سحر نگاری کے جو مواقع ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ خشک علمی مضامین کو اپنی رنگین بیانی سے ایسا آراستہ کرے کہ صحیح مسائل کا بیان دل آویز و دل پذیر ہو جائے جس نے فلسفہ و حکمت میں ان مسائل کو پڑھا ہوگا وہی سمجھ سکتا ہے کہ ان دقیق مسائل کو خسرو نے کس محققانہ طرز سے ادا کیا ہے۔ جو مسائل کتب حکمیہ میں چند صفحوں میں بیان ہوئے ہیں یہاں اُنھیں چند اشعار میں بیان کر رہے ہیں۔

خاقانی نے ایک نہایت طویل الذیل قصیدہ لکھ کر اُس کا نام مرات النظر رکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے ؎

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زباندانش دمِ تسلیم سرعشرو سرزانو دبستانش

یہ قصیدہ اُس کا بہت ہی مشہور قصیدہ ہے اس میں کوئی کلام نہیں کہ اس قصیدے میں اُس نے بڑی داد قادرالکلامی دی ہے۔ مضامین اپنے علو مرتبت میں اور خیالات اپنی بلند پروازی و ندرت میں آپ اپنا جواب ہیں۔ عادت کے موافق خاقانی نے اس قصیدے پر بہت کچھ فخر و مباہات کیے ہیں اور کوس انا ولاغیری بجایا ہے۔ خسرو نے اس کے جواب میں ایک قصیدہ اسی بحر و قافیہ میں لکھا اور اُس کا نام مرات الصفا رکھا۔ خسرو کے بعد مولنا جامی نے بھی اسی بحر و قافیہ میں طبع آزمائی کی۔ اور اپنے قصیدے کا نام جلاء الروح رکھا۔

ان تینوں قصائد میں کیا فرق ہے۔ اس بحث کو میں یہاں چھیڑنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ ان پر بحث کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے جس کا یہاں موقع نہیں۔ اور چند اشعار کے مقابلہ سے پورے قصائد کی خوبیاں اور ایک دوسرے کا فرق ظاہر نہیں ہو سکتا تاہم اس خیال سے کہ سطحی طور سے بھی عام ناظرین اندازہ کر سکیں اپنے مقصد کے لئے مناسب ہوگا کہ تینوں قصائد میں سے تھوڑے تھوڑے اشعار ذیل میں درج کر دیے جائیں جس میں جامی کا قصیدہ خود تنقید کا مرتبہ رکھتا ہے اُنہوں نے آخر قصیدے میں فیصلہ کر دیا ہے کہ کس کے قصیدے کا کیا پایہ ہے۔

خاقانی ؎

دلِ من پیرِ تعلیم ست و من طفلِ زبان‌دانش — دمِ تسلیم سرعشر و سرزانو دبستانش
نه هر زانو دبستان ست و هر دم لوحِ تسلیمش — نه هر دریا صدف دار ست و هر نم قطره نیسانش
سرِ زانو دبستان ست چون کشتی نوح آن را — که طوفان جوش در دامست و جودی گرد دامانش
کسے کیں خضرِ معنی رہبت و منگیر چون موسیٰ — کفِ موسیٰ و آبِ خضر بینی در گریبانش
مرا همت چو خورشید ست شاهنشاه نژندستا — که چرخش زیر رانست و سرِ عیسیٰ ست بر رانش
بلے خود همتِ درویش چون خورشیدمی باید — که سامانش همه شاهی ست او فارغ ز سامانش
زهے خضرِ سکندر دل هوا تخت و خرد تاجش — خهے سرمست عاقل جاں بقا منزل رضا خوانش
دد کون امروز دکان نیست کحال شریعت را — که خود کحل الجواهر یافتند انصار و اعوانش
به بندار کحل دیں خواهی کمر چوں دستهٔ هاون — به پیشِ آنکه ارواح اندهاون کوبد کانش
همه گیتی ست بانگ هاون اما نشنود خواجه — که سیماب ضلالت ریخت اندر گوش خذلانش
فلک هم هاون کحل ست کرده سرنگوں گوئی — که منع کحل سائی را نگوں کردند زیں سانش

حق یہ ہے کہ اس خاقانِ ملک سخن نے اپنی قادر الکلامی اور بلند خیالی کا بے مثال نقش صفحۂ قرطاس پر کھینچ دیا ہے۔ بلحاظ شکوہ الفاظ۔ رفعت خیال۔ زور کلام استعارات و تشبیہات کی موزونی۔ بندش کی چستی۔ اشعار کی برجستگی فصاحت و بلاغت و متانت اور صنائع شعری کے خاقانی کا یہ قصیدہ بے بدل ہے۔

امیر خسرو ؎

دلم طفل ست و پیر عشق استاد زبان دانش — سواد الوجہ سبق و مسکنت کنج دبستانش
زبان داں پیر عشق آمد کہ ہر کہ آموخت ذاتش — درونش لوح محفوظ ست و خاموشی ست بزبانش
بہ بازار فقیراں بر و اگر نقد ست و گر کیسہ — کہ چندیں تحفہ گنج ست و ہر کنج دکانش
چو مست از خود بروں آید گل و خارست یکرنگش — چو مست از ہوش فارغ شد شب و روزست یکسانش
ز دریائے شہادت گر نہنگ لا بر آرد سر — تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش
ز من گفتار دانا را جوابے ساختم لیکن — جوے آوردم و کاہی کہ ریزم پیش یکرانش
سخن زاں گونہ گفتم من بلند امروز در دہلو — کہ از خواب گراں بیدار کردستم بشروانش
مرا انصاف مطلوب ست نے تحسین از یں معنی — کسے کو بگزرد از انصاف باشد خصم یزدانش

خسرو قلیم معانی نے بھی اپنے قصر مرات الصفا کی آئینہ بندی اور زیب و زینت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی ہے اور جواہر و زواہر معانی سے اس کی آرائش و زیبائش اس طرح کی ہے کہ خاقان ملک سخن کے قصر معلی کی رفعت شان سے ہم رتبہ ہو سکے۔ اور انصاف یہ ہے کہ اگر ہمسر نہیں تو قریب قریب بام مراد تک رسائی حاصل کی ہے۔ لذت کلام نزہت خیال حسن ادا فصاحت و متانت اور صنائع شعری کے اعتبار سے ان کا قصیدہ بھی لاجواب جواب ہے۔

جامی ؎

علم کیست عشق و کنج خاموشی دبستانش — سبق نادانی و دانا دلم طفل سبق خوانش

زہر کس نا یداین استاد و شاگردی نہ ہر کو ہے
بدخشاں باشد و ہر سنگ پارہ لعلِ رخشانش

زباں جز بے زبانی نیست این نادر معلم را
دریغا در ہمہ عالم ندانم کس زباں دانش

دو شاخِ لا شود در کفر غل گردن سالک
چو بگشاید در الا بوحدت چشمِ عرفانش

میانِ لا و الا یک الف فرق ست و زنبود
در الا آں الف بالا شمارد عقل یکسانش

سخن آں بود کز اول نہاد استاد خاقانی
بمہمان خانہ گیتی پیِ دانشوراں خوانش

چو در سیرِ معانی یافت خسرو سوے آں خواں رُو
ملاحتہائے او فگند شورے در نمکدانش

اگر امروز ایں خادم زبحرِ شعر تر آبے
پیِ دست و زباں شستن بیارِ نبیت تا دانش

سخن سنج جام نے جو فیصلہ کیا ہے اُس سے بہتر فیصلہ اس زمانے کے لوگوں کا کیا ہو سکتا ہے۔ خاقانی نے خوانِ نعمت بچھایا۔ خسرو نے اُس کو نمک ڈال کر بامزہ بنایا جامی علیہ الرحمۃ نے کھانے والوں کے ہاتھ دھلوا دیئے۔ اب ہم بھی قصائد کی بحث کو ختم کرتے ہیں۔

مثنوی | مثنوی میں بھی خسرو کا پایہ بہت ارفع ہے سادگی و صفائی کے ساتھ ساتھ ایک خاص جوش و اثر دل آویزی و دل ربائی ان کی مثنویوں میں پائی جاتی ہے۔ بیان کی سلاست زبان کی شوخی الفاظ کی موزونیت و ندرت۔ بندش کی نفاست خیالات کی ہمواری عبارت کی روانی مثالوں کی چاشنی تمثیلوں کی برجستگی مواعظ و پند کی لینت و شیرینی اہل ذوق کو والہ و شیدا بناتی ہے۔

اصناف نظم میں مثنوی کی قدر و قیمت اور اس کی اقسام | مثنوی نظم کی بڑی صنف اور بہت قدیم صنف ہے باعتبار مضامین

اس کی تین قسمیں ہیں رزمیہ۔ بزمیہ۔ اور اخلاقی وصوفیانہ۔

رزم اور فردوسی | فردوسی کا شاہنامہ جو اُس کی تمام شاعرانہ قوت کا خلاصہ و جوہر ہے اُس میں رزم کی تصویر ایسی ہو بہو کھینچی ہے جس کا مقابل آج تک کوئی پیش نہ کر سکا اگرچہ اُس کے اس التزام نے کہ عربی آمیزش سے حتی الامکان زبان فارسی محفوظ رہے بہت سے ثقیل و نامانوس الفاظ داخل کر دیئے۔ لیکن رزم کی مثنوی میں فردوسی کی زبان سے اُن الفاظ کی ثقالت بھی ایسی ہی خوش نما و پیکر آرا رہی جیسے ایک نبرد آزما جنگ جو کے جسم پر جوشن و زرہ۔

فردوسی و یوسف زلیخا | محمود کے دربار سے جب فردوسی شکستہ خاطر ہو کر بھاگا تو اُس نے اپنی اُس زندگی میں یوسف زلیخا لکھی اور چاہتا تھا کہ بزم میں بھی اپنی عروس سخن کو اس جلوہ گری سے ظاہر کرے کہ رزم و بزم دونوں کا سکہ فردوسی ہی کے نام کا جاری ہو لیکن یہ حصہ کسی آیندہ آنے والے کا تھا۔ اس لئے اس کی سعی یوسف زلیخا میں کچھ کامیاب نہو سکی۔ بعض اس کی علت اُس کی شکستہ خاطری اور پریشاں حالی قرار دیتے ہیں خیر سبب کچھ بھی کیوں نہو لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ رستم و سہراب بہمن و اسفندیار کے خنجر و شمشیر کا بیان کرنے والا لیلےٰ کے تیغ ادا اور کمندِ گیسو کو کیونکر جان سکتا ہے اس لئے اس کا لکھنا نہ لکھنے کے برابر تھا۔

ہاں اُس قدر عشق کا بیان جس میں سپاہ منشی کی آن بان قائم رہے وہاں تک تو اُس کا قلم بے مثل مصوری کرتا ہے لیکن اس سے جہاں عشق نے قدم آگے

بڑھایا۔ بس فردوسی کا قلم کانپ اٹھتا ہے اگر کوئی فردوسی کے کمالات پر خاک ڈالنا چاہے تو اُس کی یوسف زلیخا سے جامی علیہ الرحمۃ کی یوسف زلیخا کا مقابلہ کرکے عوام کو بخوبی دھوکا دے سکتا ہے۔

صوفیانہ و اخلاقی مثنویاں مولنا رومی حکیم سنائی فریدالدین عطار کے شحات قلم سے عالم وجود میں آئیں اور اس طرح مثنوی کی دو قسمیں بہ تمام و کمال زیور نظم سے آراستہ و پیراستہ ہوگئیں۔ لیکن ان کی ایک قسم یعنی بزم و عاشقانہ وہ اپنی پوری آرائش و زیبائش کے لئے کسی زبردست قلم کی ہنوز منتظر تھی۔

مولنا نظامی اور مثنوی یہاں تک کہ ۵۳۳ھ میں مولنا نظامی گنجوی پیدا ہوئے ان کا خاندان ایک علمی خاندان تھا اور اس کے ساتھ شعر و سخن کا بھی گھر میں شغل رہا کرتا تھا۔ مولنا طالب العلمی کے ساتھ اشعار کی بھی مشق کرتے جاتے تھے۔

پچیس یا چھبیس برس کی عمر میں پہنچکر مخزن الاسرار تصنیف فرمائی۔ اور بہرامشاہ کے نام سے اسے معنون فرمایا۔ پانچ ہزار دینار رسرخ ایک قطار شتر اور مختلف قسم کے کپڑے انعام پائے۔ یہ مثنوی صوفیانہ ہے فلسفہ نظری و عملی کو صوفیانہ طرز میں بیان کیا ہے اگرچہ اس موضوع پر مولنا سے پیشتر اسلاف بہت کچھ لکھ چکے تھے لیکن رنگینی و مرصع کاری مولنا کے قلم سے ہوئی تھی جیسا کہ مطالعہ مخزن الاسرار سے یہ وصف ظاہر ہوگا

مخزن الاسرار کے بعد شیریں و خسرو تصنیف ہوئی۔ اس سے فارغ ہوکر داستان لیلیٰ و مجنوں کو نظم کا جامہ پہنایا۔ پھر ہفت پیکر کی آراستگی فرمائی۔ آخر عمر میں سکندر نامہ

لکھ کر اپنے زورِ قلم کا ایک نمونہ چھوڑ گئے۔

مولٰنا نظامی کی جامعیت اگرچہ مولٰنا کی ہمہ گیر طبیعت نے تمام اصنافِ سخن پر زورِ قلم دکھانا چاہا۔ غزلیں بھی کہیں قصائد بھی لکھے لیکن اصل مضمون مثنوی ہے جس میں مولٰنا کی طبع رواں عجیب عجیب خوش رنگ و خوش بو گل کھلاتی ہے۔

مثنوی میں نظامی کی خصوصیات یہ نظامی ہی کی جدت آفریں طبیعت تھی جس نے شیریں و خسرو اور لیلیٰ مجنوں لکھ کر شاعری کو عشق و حسن کے مراحل و منازل بھی مثنوی کے سہارے طے کرا دیئے۔ اور مثنوی کی تیسری قسم جو ہنوز تشنہ تھی وہ نظامی کے چشمۂ فیض سے اب ایسی سیراب ہوئی کہ آج تک اس راہ کے پیاسے اُسی چشمۂ صافی سے پیاس بجھاتے ہیں۔

مولٰنا نظامی سے قبل مثنوی کے لئے تین بحریں مخصوص تھیں شعرا جب مثنوی کہتے تو انھیں تین بحروں میں اُن کے کلام کی روانی پائی جاتی۔ مولٰنا نے دو بحریں اور اضافہ کیں۔ مخزن الاسرار و ہفت پیکر کی بحریں مثنوی کو نظامی ہی کے دبیرِ قلم کی عطا کردہ ہیں شعرائے مابعد نے ان دونوں نئی بحروں کو بھی ویسا ہی قبول کیا جیسا کہ اس سے پیشتر کی تین بحریں مقبول تھیں اس طرح اب مثنوی کی پانچ بحریں ہوگئیں

علاوہ اس کے کہ یہ دو امور خصوصیات بلکہ ادبیات نظامی ہیں نفس بیان ترکیب و نشست الفاظ، زورِ تشبیہ اور ندرت استعارہ۔ ان محاسن سے مولٰنا کا گنجینۂ سخن مالا مال ہے۔ یہ وہ خوبیاں ہیں جن سے دورِ اوّل کا کلام بہت کچھ خالی تھا اگرچہ ایک

خلقی حسین آرائش کا محتاج نہیں ہوتا لیکن جب وہی حسین آرائش کے ساتھ سامنے آتا ہے تو پھر دل پر کچھ اور ہی اثر پڑتا ہے۔

نظامی کے کلام میں وہ حسن بھی ہے جو قدما کی مثنویوں میں تھا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ اُسے سولہ سنگار سے ایسا آراستہ کیا ہے کہ اہل نظر کی نگاہ اُن سے ہٹنے نہیں پاتی۔ مولنا کے اس کمال کا سخن سنجوں نے ایسا صحیح اعتراف کیا کہ بزم شعرا میں انھیں خدائے سخن کا لقب ملا۔ اور یہ لقب مولنا کے ساتھ مخصوص اور آپ کے تخلص نظامی کا مرادف ہوگیا ہے۔

اقسام سہ گانہ مثنوی میں جس قوت و جامعیت سے کہ مولنا کے قلم نے مضامین رنگین کے مینھ برسائے ہیں اُن کا احاطہ ناممکن ہے۔ پھر جذبات کی مصوری و واقعات کی تصویر کشی مولنا نے کچھ اس کمال و خوبی سے کی ہے کہ فردوسی جیسا واقعہ نگار بھی کہیں کہیں پیچھے رہ جاتا ہے۔ مولنا کے اس کمال کے دو نمونے ہدیۂ ناظرین ہیں۔

مثال اول | دارا جب غلاموں کے ہاتھ سے زخمی ہوتا ہے اور حالت نزع میں آخری سانس لے رہا ہے اُس وقت سکندر اُس کے پاس جاتا ہے اور دارا اُس سے کچھ کہتا ہے اس واقعہ کو فردوسی و نظامی دونوں نے بیان کیا ہے لیکن جو تصویر کہ مولنا کے قلم نے کھینچی ہے اُس کے خط و خال ایسے نمایاں ہیں کہ دارا کے جذبات جذبات معلوم نہیں ہوتے بلکہ گوشت و پوست سے درست ایک چلتی پھرتی صورت معلوم ہوتی ہے۔

فردوسی نے واقعہ یہ دکھانا چاہا ہے کہ مرتے وقت انسان کے تمام ولولے اور جوش فنا ہو جاتے ہیں بستر مرگ پر ایک فقیر و بادشاہ دونوں کے جذبات پہلو بہ پہلو ہوتے ہیں۔ اپنی بیکسی و بے مائگی پس ماندوں کی حیرانی و تباہی دونوں پر یکساں چھا جاتی ہے۔

اس لئے فردوسی دارا سے ایسے کلمات نقل کرتا ہے جس سے صرف دنیا کی بے ثباتی اپنی مجبوری انقلاب دہر کا عبرت ناک سماں سمجھا جاتا ہے۔

برخلاف اس کے مولانا نظامی علیہ الرحمۃ اُس لطیف فرق کو نہایت خوبی سے بیان فرماتے ہیں جو شاہانہ و خسروانہ دماغ کے ساتھ مخصوص ہے وہ بھی تاسف و تحسر کے کلمات دارا کی زبان سے بیان کرتے ہیں لیکن شاہنشاہی اور کیانی تاجداری کی شان اُس میں مضمر ہے اور یہی نکتہ بیان کا کمال بلکہ سخن کی جان ہے۔ دونوں کے کلام سے سات سات شعر اس جگہ ثبوت کے لئے نقل کرتا ہوں۔

فردوسی	نظامی
زمین و زماں بندہ بدپیش من	اگر تاج خواہی ربود از سرم
چنیں بود تا بخت بدخویش من	یکے لحظہ بگزار تا بگزرم
چو از من ہماں بخت بیگانہ شد	مگرداں سر خفتہ را از سریر
ہمہ کاخ و ایواں چو ویرانہ شد	کہ گردن گرداں برآرد نفیر

فردوسی	نظامی
زنیکی جدا ماندہ ام زیں نشاں	تو اے پہلواں کآمدی سوئے من
گرفتار در دست دشمن کشاں	نگہ دار پہلو بہ پہلوئے من
ز فرزند و خویشاں شدہ ناامید	کہ با آنکہ پہلو دریدم چو میغ
سیہ شد جہاں دیدگانم سفید	ہمی آید از پہلویم بوئے تیغ
ز خویشاں کسے نیست فریادرس	چہ دستت کہ با ما درازی کنی
امیدم بہ پروردگار ست و بس	بتاج کیاں دست بازی کنی
برین ست آئین چرخ رواں	نگہ دار دستت کہ دارست ایں
اگر شہریاری وگر پہلواں	نہ پنہاں چو روز آشکارست ایں
بزرگی بفرجام ہم بگذرد	زہی را منم تاج تارک نشیں
شکارست مرگش ہمی بشکرد	مخنباں مرا تا بخنبد زمیں

دیکھو فردوسی نے بجز اس کے کہ پہلے شعر میں اُس کا صاحبِ تخت و اقبال ہونا بیان کیا ہے اس کے سوا اور کوئی کلمہ ایسا نہیں کہا جس سے ایک ایسے شخص کے جذبات کی خصوصیت معلوم ہوتی جس کا وجود ایک بہت بڑے شاہی خاندان کی یادگار تھا اور جس کی زندگی کی ہر حرکت و سکون سلطنت کیانی کا ایک تاریخی ورق تھا۔

برخلاف اس کے مولنا کا ہر شعر اس خصوصیت کے اظہار میں کیسا کامل ہے

جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ ایک بادشاہ دم واپسیں تک بھی شاہی جذبات سے خالی نہیں ہوتا۔

مولانا نظامی کے کمال کی ایک دوسری مثال

اسی طرح اس واقعہ کو کہ خود سکندر قاصد کے لباس میں ایک دوسرے شاہانہ دربار میں جاتا ہے۔ پیام پہنچاتا ہے اور پہچان لیا جاتا ہے کہ یہ قاصد نہیں بلکہ خود سکندر ہے۔ لیکن سکندر انکار کرتا ہے۔ آخر میں شاہانِ عجم کی تصویریں نکالی جاتی ہیں اور سکندر کے پاس کوئی حجت نہیں رہتی ہے۔

اس واقعہ کو دونوں نے بعینہٖ لکھا ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ مولنا نظامی نے نوشابہ کے دربار میں پہنچایا ہے اور فردوسی قیدافہ کی بارگاہ میں لیجاتا ہے لیکن واقعات کا تسلسل جو نظامی کے یہاں ہے وہ فردوسی کے یہاں بالکل نہیں پایا جاتا۔

فردوسی نے سکندر کو جو قاصد بنایا تو تھوڑی دیر کے لئے اس کے شاہانہ حوصلے خسروانہ جذبات ملوکانہ اولوالعزمی شجاعانہ ہمت یہ سب ہیچ مچ فنا ہو گئے اور قاصدی کے جامہ میں آتے ہوئے حقیقتاً ہر طرح کا ضعف بھی اس میں آگیا۔ چنانچہ قیدافہ کے دربار میں وہ جب پہنچتا ہے تو دربار کی آراستگی اور شاہانہ جاہ وحشم اسے متحیر کر دیتا ہے۔ سطوت وہیبت شاہی سے وہ مرعوب ہو کر تمام مراسم قاصدی پورا کرتا ہے۔ لیکن اثنائے گفتگو میں بادشاہ کو خود بخود خیال ہوتا ہے کہ یہ صورت سکندر سے ملتی ہے اور وہ تصویر نکال کر دیکھتا ہے۔

مگر نظامی اس واقعہ کو یوں بیان کرتے ہیں کہ اگر بادشاہ کسی معمولی و کمتر شخص کے لباس میں بھی آجائے تو شاہانہ دماغ کے لوازم اُس حال میں بھی اُسے اہل بصیرت کی نگاہوں میں ممتاز رکھتے ہیں۔

اس لئے سکندر جب نوشابہ کے دربار میں پہنچا تو سجدہ برسم قاصداں بجا نہ لاسکا طرز کلام میں اُس کے جو وقار و جرأت پائی جاتی تھی اُس میں شان قاصدوں کی نہ تھی۔ اس سے نوشابہ کو حیرت ہوتی ہے اور خیال گزرتا ہے کہ یہ جرأت بادشاہوں جیسی ایک قاصد میں کیونکر ہوسکتی ہے۔ اس خیال کی بنا پر وہ کہتی ہے

کہ صد آفریں بر تو شاہِ دلیر — کہ پیغام خود میگزاری چو شیر
میانجی نہ شاہِ آزادہ — فرستندہ نہ فرستادہ

سکندر انکار کرتا ہے۔ قاصد ہونے پر مصر ہے اور سکندر کی عظمت و جلال کا خطبہ پڑھتا ہے تب نوشابہ تصویر منگواتی ہے سکندر کی تصویر اُس کے روبرو رکھ دیتی ہے اب وہ حیران ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ فردوسی جو مثنوی کے باب میں پیغمبر تسلیم کیا گیا ہے اور جس کے کلام کی پختگی خیالات کی بلندی جذبات و احساسات کی مصوری ایک امر مسلم ہے نظامی نے اُس اُستادِ مسلم کے ساتھ میدانِ رزم میں مسابقت کی اور اس میں

شک نہیں کہ اُن تمام مقامات پر جہاں اُس سے کچھ بھی کمی رہ گئی تھی نظامی نے اُسے پورا کرکے ایک قدم اپنا آگے بڑھالیا۔ بہت سی جگہوں میں اُس کے دوش بدوش رہے لیکن جو میدان کہ فردوسی کا خاص ہو چکا تھا اور اُس کے کلام کی بلندی اُس حد تک پہنچ گئی تھی کہ جس سے ترقی ناممکن تھی وہاں رزم میں البتہ نظامی سے اُس کے کلام کی فوقیت نمایاں ہے۔

بہرحال فردوسی و نظامی کا سکندر نامہ و شاہنامہ سے مقابلہ مقصود نہیں اور حق تو یوں ہے کہ ایک ایسے جوہر کا جسے حکاک نے تراش خراش کر مجلّے بنایا ہو اُس کا ایک کان جواہر سے کیا مقابلہ۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ نظامی کی ہمہ گیر طبیعت کا صحیح اندازہ ناظرین کو ہو جائے اور یہ معلوم رہے کہ ان کی پُرزور طبیعت فردوسی کے چمن سے گزرتے ہوئے وہاں پہنچکر گل کھلاتی ہے جس جگہ فردوسی پہنچنے سے کانپ کانپ اُٹھتا ہے۔

مولنا نظامی کی جامعیت بمقابلہ فردوسی

مولنا نظامی قصائد لکھتے ہیں غزلیں کہتے ہیں۔ مثنوی عشقیہ اخلاقی و صوفیانہ تصنیف کرتے ہیں اور اپنی سحرالبیانی کا خراج تحسین باکمال اساتذہ سے وصول کرتے ہیں لیکن فردوسی کا قلم جب رزم سے کسی دوسری طرف کا قصد بھی کرتا ہے تو تھرا اُٹھتا ہے شق ہو ہو جاتا ہے۔ یہی حال دوسرے مثنوی کہنے والے شعرا کا نظامی کے مقابلہ میں ہے۔ ہر ایک مثنوی گو ایک ایک صنف مثنوی پر قدرت

رکھتا ہے لیکن اقسام سہ گانہ مثنوی پر قوت و شوکت کے ساتھ صرف نظامی ہی کا قلم رواں ہے۔

خمسہ نظامی کا سو برس تک جواب نہ ہو سکا

الغرض اس خدائے سخن کی پانچ مثنویاں جو خمسۂ نظامی کے ساتھ مشہور ہیں ۵۹۷ھ میں مکمل ہو کر ایسی مقبول خاص و عام ہوئیں کہ ان کا جواب غیر ممکن سمجھا جانے لگا۔ اور اس طرح یہ خمسۂ نظامی سو برس تک انا ولاغیری کا مدعی رہا۔ اب سو برس بعد تلك الايام نداولها بين الناس کا یوں ظہور ہوتا ہے کہ حضرت امیر خسرو علیہ الرحمہ اس میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اس جوش و مستی سے بادیہ پیمائے سخن ہوتے ہیں کہ باوجود مشاغل گوناگوں و تصانیف متنوعہ تین برس سے کم عرصے میں نہایت کامیابی کے ساتھ خمسہ نظامی کی منزل سے قریب اپنے خمسۂ خسروی کا خیمہ نصب کر دیتے ہیں۔ ذالك فضل الله يوتيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

بیان مثنوی میں یہ صفحات جو فردوسی و نظامی کے متعلق لکھے گئے ان سے صرف اس امر کا ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اقسام نظم میں مثنوی اپنے ایسے مرتبۂ کمال پر پہنچ گئی تھی کہ سو برس کے عرصہ میں جس قدر بھی کہ شعرا گزرے انہوں نے قصائد کے غزلیں کہیں اور اسلاف سے کہیں زیادہ اپنے کلام کو محاسن و لطائف سے آراستہ کیا لیکن مثنوی کے ارادے سے جب نظامی کے خمسہ پر نظر ڈالتے تو حواس خمسہ جواب دے جاتے۔

حالانکہ اصناف نظم میں سب سے زیادہ مفید مثنوی ہی کی صنف تھی مسلسل مضمون اسی میں بیان ہوسکتا ہے اور اسی لئے شعرائے ایران نے مثنوی کی قسم ایجاد کی تاکہ واقعات و حالات تاریخی نظم کی دل آویزی سے مرغوب و پسندیدہ ہوکر بقا کی صورت میں آجائیں لیکن نظامی کے کلام کی بلندی نے سب کے حوصلے اس طرح پست کردیئے تھے کہ مثنوی کی صنف قریب تھی کہ معدوم ہوجائے۔

یہ خسرو علیہ الرحمۃ کے کمال و زور بیان کا احسان ہے کہ عالم نظم میں سو برس بعد پھر مثنوی کا دورہ آیا۔

خسرو کا احسان اور مثنوی کی دوبارہ زندگی

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس خزینۂ نظم کے ابواب اپنی خداداد قابلیت سے اس وسعت و فراخی سے مفتوح کردئے کہ آج تک شعرا اپنے اپنے حوصلہ و استعداد کے مطابق اس سے حصہ پا رہے ہیں۔

مثنوی پر یہ احسان حضرت خسرو علیہ الرحمہ کا ہے جن کے قلم اعجاز رقم نے پھر اسے ایسا زندہ کیا کہ آج تک یہ مردہ نہوسکی۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام میں اگر خمسۂ خسروی کے سوا اور کچھ نہوتا تو بھی اُن کے کمال کا مسلم ہونا ظاہر تھا۔ اس لئے کہ نظامی علیہ الرحمۃ کے بعد مثنوی گوئی کا ارادہ شاعری کے لئے کچھ آسان نہ تھا۔

مولانا نظامی کی تمام عمر کا جسے سرمایۂ ناز اور اُن کے چمن شاعری کا گل سرسبد کہا جاتا ہے وہ صرف مثنوی ہے۔

مولنا کی طبیعت میں نظم کی اس صنف سے خاص لگاؤ تھا اطمینان و فراغ

خاطر سے مشق اس کی بڑھاتے رہے یہاں تک کہ کلام کی بلندی اُس مرتبہ پر پہنچی کہ خدائے سخن کا لقب ملا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ جنہیں اپنا وقت صبح سے شام تک دربار شاہی میں بسر کرنا ہوتا تھا اور اُس کے بعد جب مہلت و فرصت ملتی تو اُسے اپنے شیخ طریقت کی خدمت میں سعادت اندوز فرماتے۔ اسی کشاکش وضیق وقت میں جو لمحات کہ مل جاتے اُن میں شاعری کی طرف توجہ ہوتی۔

انصاف شرط ہے کہ ایک ایسے شخص کا خمسہ نظامی کے مقابل جو اُن کی عمر کا سرمایہ ہے تین برس میں خمسہ طیار کرنا کیا کرامت نہیں ہے۔

اس بحث کو ہم یہاں چھیڑنا نہیں چاہتے کہ خسرو کا خمسہ کہاں تک کامیاب ثابت ہوا۔ اس لئے کہ اس رسالہ کے آخری حصہ میں مبسوط بحث اسی مضمون پر ہے ہفت پیکر و ہشت بہشت کا سیر کن مقابلہ کیا گیا ہے یہاں صرف اس قدر بیان کرنا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے جب یہ دیکھا کہ شاعری کی ایک مفید صنف معدوم ہوئی جاتی ہے نظامی کی ہیبت کسی کو قلم اُٹھانے کی اجازت نہیں دیتی تو آپ نے بسم اللہ کہہ کر ہمت مردانہ سے کام لیا۔ اور الحمدللہ کہ آپ کی سعی مشکور ہوئی جیسا کہ خمسہ کی پہلی مثنوی مطلع الانوار میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ بملک سخن از پنج گنج — نوبتِ آں گنجہ نشیں گشت پنج
نوبت خسرو کہ پسیچش نواست — پنجہ زنِ نوبتِ آں خسرو ست
سازم ازاں ساں بسرائے پنج — پنج کلید از پئے آں پنج گنج

کانچہ بہر گنج بود ناپدید　　فتح شود ہم بزبانِ کلید

آں نمط آرم کہ ہمہ ناقداں　　فرق ندانند ازیں تا بداں

ملکِ کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے خمسہ کو پانچ خزانے بتایا ہے اور اپنے خمسہ کو اُن خزائن کی کنجیاں یہ استعارہ اُس وقت اور بھی لطف دے جاتا ہے جب یہ دیکھا جائے کہ بعد خسرو علیہ الرحمۃ کے ستر سے بھی زیادہ خمسۂ نظامی کی طرز پر مثنویاں لکھی گئیں۔

منقولۂ بالا اشعار کے پچھلے دو شعروں سے یہ مقصود ہے کہ نظامی کی روش لفظاً و معناً اس طرح اختیار کی جائے اور بیان ایسا رنگین و مرصع ہو کہ تابع و متبوع میں فرق نہ معلوم ہو۔ پھر صرف یہی نہیں کہ محض اتباع نظامی اس خمسہ کا کمال ہو بلکہ خود اپنی مجتہدانہ قابلیت کا بھی ثبوت اس میں دیا جائے۔ چنانچہ جہاں خسرو کی ہمہ گیر طبیعت نے نظامی کی روش فتح کی ہے وہاں خزائن خسروی کے خاص جواہر بھی آیندہ آنے والوں کے لئے مینھ کی طرح برسا دیئے ہیں پس خسرو کا یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ ؎

ملک کہن راچو گرفتم بہ تیغ　　گوہرِ خود نیز فشاندم چو میغ

اس امر کا ثبوت کہ خسرو نے جو کچھ اپنی مثنویوں علی الخصوص خمسہ کے متعلق کہا ہے وہ صرف جذبات شاعرانہ کی نغمہ سرائی نہیں ہے بلکہ ایک امر واقعی کا سچا اور حقیقی بیان ہے اُس حصۂ کتاب میں ثابت ہو جائے گا جہاں نہایت تفصیل سے نظامی و خسرو کے

اشعار کا مقابلہ کیا گیا ہے۔

صنف مثنوی پر احسان خسروی کی تفصیل

لیکن اس جگہ مجمل طور پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ صنف مثنوی پر وہ کونسا خاص احسان ہے جسے خسرو کی گوہر افشانی کہی جائے۔

(۱) ابھی یہ مضمون بیان ہو چکا ہے کہ قدما کے کلام میں مثنوی کے لئے صرف تین بحریں تھیں نظامی علیہ الرحمۃ نے دو بحریں اس پر اضافہ کر کے مثنوی میں وسعت پیدا کی۔

بحور مثنوی میں ازدیاد

خسرو علیہ الرحمۃ کا جب زمانہ آیا تو آپ نے پانچ پر دو بحریں اور بڑھائیں اور اس طرح مثنوی کے لئے سات بحریں ہو گئیں پھر آپ نے ایک مثنوی لکھی جس کا نام نہ سپہر قرار دیا اور اس میں دو نئی بحریں اور بھی اضافہ کیں اس طرح چار تازہ بحریں مثنوی کو خاص خزانۂ خسروی سے عطا ہوئیں۔

(۲) نظامی کے عہد تک یہ دستور تھا کہ عنوان محض سادہ ہوتے مثلاً حمد نعت مع سلطان وقت علیٰ ہذا۔ اسی قدر عبارت عنوان کے لئے کافی سمجھی جاتی۔

عنوان میں جدت

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی ایک جدت پیدا کی۔ آپ نے اپنی مثنویوں میں عنوان کو ایک عجیب دلکش و رنگین نثر میں لکھا ہے دیکھو اسی ہشت بہشت کے عنوانات۔

چنانچہ مثنوی مطلع الانوار میں اپنی اس ایجاد کو خود فرماتے ہیں ؎

چوں شود آراستہ نظم چو دُر از گہرِ نثر کنم خانہ پُر

ہرچہ نویسم بسرِ داستاں　　راست کنم رہ زپئے راستاں
تاقلمِ ہرکہ دوا دو کند　　پس رویِ ایں روشِ نو کند

اس طرح عنوان قائم کرنے سے ایک یہ لطف بھی پیدا ہوگیا کہ جب پڑھنے والا ایک مضمون ختم کرلیتا ہے اور دوسرا شروع کرنا چاہتا ہے تو عنوان جو نثر میں تحریر ہے اپنی عبارتِ رنگین سے ذوقِ مذاق میں چاشنی پیدا کردیتا ہے اور اس تبدیلیِ ذائقہ سے طبیعت میں تازگی آجاتی ہے مسلسل ایک ہی بحر میں اشعار جو آتے جاتے ہیں اُن سے تکان و سیری پیدا ہونے نہیں پاتی۔ پھر عنوان کا بیان و مضمون پر حاوی ہونا اور اُن حدود سے کم و بیش نہونا جو عنوان سے مفہوم ہوتا ہے ایک عجب متکلمانہ کمال ہے۔

مثنوی نہ سپہر و قران السعدین میں یہ طرز اختیار کیا گیا ہے کہ ہر عنوان پر ایک ایک شعر لکھتے چلے گئے ہیں۔ اگر اُن تمام عنوانوں کے اشعار مسلسل جمع کرلئے جائیں تو ایک پرزور قصیدہ ہوجاتا ہے۔ اس طرح بعض مثنویاں ضمن عنوان میں ایک فصیح و بلیغ قصیدہ بھی رکھتی ہیں۔

عنوان کا اپنے بیان و ماتحت مضمون پر حاوی و محیط ہونا یہاں بھی پایا جاتا ہے حال آنکہ قصیدہ نگاری نے اس راہ کو سخت سنگلاخ کردیا تھا۔

فن تقریر و تحریر کے نقاد اس کمال کی البتہ داد دے سکتے ہیں کہ عنوان و موضوع کے اندر رہ کر اس طرح لکھنا یا بولنا کہ نہ تو موضوع سے کلام بڑھکر نکلنے پائے نہ بیان کسی پہلو سے تشنہ رہ جائے، کس قدر اہم و معرکتہ الآرا ہے۔

غرض تحریرِ عنوان کا یہ جدید و دل پذیر طرز خاص ایجاد خسرو علیہ الرحمۃ ہے۔ اگرچہ جس طرح اس کے موجد ہونے کا انتساب خسرو علیہ الرحمۃ کی طرف ہے اسی طرح اس کے خاتم بھی وہی ہیں (اس لئے کہ آیندہ آنے والے اس کی تقلید نہ کر سکے) لیکن اگر غالب دہلوی کی اُردو تحریر کی روش پچھلے نہ اختیار کر سکے تو اس سے غالب کی ایجاد اور کمال میں کیا نقص لازم آتا ہے۔

(۳) واقعات تاریخی یا قصص ماضیہ کو جن شعرا نے کہ نظم کیا مثلاً شاہنامہ سکندر نامہ اور یوسف زلیخا وغیرہ ان کا مرتبہ نظم میں آکر بہت ہی گر جاتا ہے لوازم شاعری کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ واقعات کی صورت بالکل متغیر و متبدل ہو جاتی ہے

مثنوی میں صحیح دلچسپی تاریخ

ایسی مثنویوں سے شاعری کی ترقی، زبان کی صفائی، محاورات کی چاشنی، بندش کی چستی البتہ حاصل ہوئی لیکن علمی و تاریخی فائدہ اُس سے حاصل نہو سکا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی نگاری میں یہ بھی ایک کمال ہے کہ جہاں شعرائے سلف کی روش پر قصص منظوم فرمائی، وہاں شاعری و مثنوی گوئی سے ایک صحیح افادہ بھی فرما گئے۔ چند ایسی مثنویاں ہیں جن سے قطع نظر محاسن مثنوی کے تاریخی حالات نہایت محققانہ و ناقدانہ حیثیت سے معلوم ہوتے ہیں مثلاً خضر خاں و دیول دی، تغلق نامہ نہ سپہر، قران السعدین وغیرہ۔

ان کتابوں میں اُس عہد کے واقعات و حالات، سلطنت و سلاطین کی روش ارکین و اعیان دولت کا طرز اس تحقیق و خوبی سے نظم کیا ہے کہ آج اُس عہد کی بہت سی

تاریخی باتوں کا صحیح پتہ انھیں مثنویوں سے چلتا ہے۔ کتنی تاریخیں ہیں جن کی تصحیح کا ماخذ وہی مثنویاں ہیں۔

ہندوستان کے اُس عہد کی تاریخ کا جس نے ناقدانہ و محققانہ مطالعہ کیا ہے وہی شخص ان مثنویوں کو پڑھ کر صحیح داد خسرو کی شانِ مورخانہ کی دے سکتا ہے۔

سلاست | (۴) سلاست و صفائی اگرچہ دورِ ثانی کے کلام میں پیدا ہو چکی تھی لیکن نظامی علیہ الرحمۃ کی مثنوی میں کتنے مقامات ایسے پر پیچ ہیں جن کی گرہ شروح کے ناخن آج تک نہ کھول سکے مثلاً

سکندر نامہ میں جشنِ نوشابہ استعارات و تشبیہ کے ندرت میں ایک بے مثل بیان تسلیم کیا گیا ہے لیکن انھیں چند اوراق میں کتنے اشعار ایسے ہیں کہ آج تک اُن کا صحیح حل نہ ہو سکا۔ شارحین بہت کچھ لکھتے ہیں لیکن پھر بھی حضرت نظامی کی روح سے بہ ادب تمام معافی ہی مانگنی پڑتی ہے لیکن خسرو کی مثنویوں کو پڑھو۔ باوجود کثرت صنائع و بدائع جو اُن کا روزمرہ ہے بیان میں ایسی سلاست و صفائی ہے جس طرح سمندر کا شفاف پانی۔

شاعری میں مذہب و علم کا لگاؤ | (۵) سب سے بڑی خصوصیت ان میں یہ ہے کہ ان کی مثنویوں میں شاعری تحقیقات علمیہ و مسائل اسلامیہ پر کہیں غالب نہیں ہونے پاتی۔ ان کا قلم کہیں سے لغزش نہیں کرتا۔

مولانا نظامی نے جن کا فضل و تقدس اظہر من الشمس ہے مثنوی

ہفت پیکر میں جو حضرت سلیمان علیہ السّلام کا قصہ بیان کیا ہے مذہبی نقطۂ نظر سے سخت قابل گرفت ہے لیکن یہ وہ اتہام شاعری ہیں جن سے شعرا کا کلام خالی نہیں ہوتا ہاں یہ خسرو علیہ الرحمۃ کا کمال ہے کہ شاعری کے تمام اسلحہ ان کی سرکار میں سب سے زیادہ رواں لیکن علم و مذہب اُن کے حملے سے بالکل مامون و مصوّن۔

وصف نگاری کا ایجاد

(۶) وصف نگاری کا ایجاد بھی خسرو ہی کی قوت فکریہ و صحیح تخیل کا نتیجہ ہے شعرائے سلف محسوسات و موجودات خارجیہ کی لفاظ میں تصویر کشی نہیں کرتے تھے حالانکہ یہ چیزیں بھی اس کی مستحق تھیں کہ ان کے بیان سے بھی نظم کا چمن آراستہ کیا جاتا۔ مثلاً

کسی شہر کے سواد کا اس طرح بیان کرنا جس سے اُس کا شوق دلوں میں پیدا ہو جائے یا وہاں کے پھول پھل کا بیان یا وہاں کی عمارتوں کا بیان۔

خسرو علیہ الرحمۃ نے قران السعدین میں اس طرح کے بہت سے مضامین نظم کئے ہیں شہر دہلی کی تعریف۔ اہل شہر کی تعریف۔ وہاں کی مسجد کی تعریف، کشتی کی تعریف کاغذ کی تعریف۔ منارہ کی تعریف وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے کثیر مضامین اُس مثنوی سب ہیں اور اس کا نام خسرو نے وصف نگاری رکھا ہے۔

جس طرح کسی شے کی تصویر اپنی اصل سے زیادہ دلکش ہوتی ہے اسی طرح اُس کا نظم میں بہ تمام و کمال بیان بھی ایک خاص لطف پیدا کر دیتا اور شاعر کی قوتِ متخیلہ اور زورِ بیان سے خبر دیتا ہے۔ اس لئے خسرو علیہ الرحمۃ نے اس کی طرف

توجہ کی اور اس بیان میں بھی اپنا کمال ظاہر کر دیا چنانچہ خود فرماتے ہیں ؎

بود در اندیشۂ من چند گاہ ۔۔۔ کز دلِ دانندۂ حکمت پناہ
چند صفت گویم و آئش دہم ۔۔۔ مجمعِ اوصاف خطابش دہم
طرزِ سخن را روشِ نو دہم ۔۔۔ سکۂ ایں ملک بہ خسرو دہم

الغرض اس طرح کی بہت سی خصوصیات ہیں جن کا ایزاد و ایجاد خسرو کی مجتہدانہ وجدت آفریں طبیعت کا نتیجہ ہے۔

سلاطین میں خسرو کی مثنویوں کی قدردانی

اب ہم اس بیان کو صرف اس ایک مضمون پر ختم کرتے ہیں کہ خسرو کی مثنوی نگاری کی ان کے زمانے میں کیسی قدر ہوئی اس کے لئے صرف قطب الدین خلجی کی قدر افزائی ایک روشن بیان ہے۔

اس بادشاہ نے مثنوی نہ سپہر کے صلہ میں ہاتھی کے وزن سے ان کو سونا تول دیا چنانچہ خود قطب الدین کی زبان سے اسی نہ سپہر میں کہتے ہیں ؎

بتاریخ ہیجوں من اسکندرے ۔۔۔ کند ہر کہ آرائشِ دفترے
زگنجِ گراں مایۂ بے شمار ۔۔۔ دہم بار پیلش آں پیل بار
مرا خود دریں رہ پدر شد دلیل ۔۔۔ کہ میداد زر ہمتر از ہے فیل
شناسد کسے کش خرد رہنمون ۔۔۔ کہ از پیل بارست وزنش فزون
چو میراث شد پیل زر دادنم ۔۔۔ نہ زیباست زیں سہل تر دادنم

بادشاہ کی اس قدر افزائی کا اسی مثنوی میں یوں شکریہ ادا کرتے ہیں ؎

شہا گنج بخشا کرم گسترا — معانی شناسا سخن دادرا
مرا عمر کز شصت بالا گزشت — ہمہ پیشِ شاہانِ والا گزشت
زشاہاں کسے او لم کرد یاد — مغز الدنا بود شہ کیقباد
ازاں پس زفیروزہ چرخِ بلند — شدم پیشِ فیروز شہ ارجمند
ازاں پس کہ در شہ ستائی شدم — تو نگر زگنجِ علائی شدم
شد اکنوں کہ اقبال ہمدم مرا — نوازندہ شد قطبِ عالم مرا
چنیں بخششی کز تو جم یافتم — زشاہانِ پیشینہ کم یافتم
کنوں لابد از سحر سنجے چو من — باندازۂ بخشش آید بمن
جریدہ بریں پیش پرداختم — چو ایں نامۂ خاص کم ساختم

خسرو کے کلام کی قدر افزائی جیسی کہ ان کے عہد میں ہوئی زمانہ مابعد میں بھی اُس کی عظمت و عزت وہی قائم رہی۔ چنانچہ خسرو کا تغلق نامہ جب کہ اُس کے چند اوراق فنا ہو گئے اور جہانگیر نے اپنے عہد ۱۰۱۱ھ میں اُسے کچھ نامکمل پایا تو اُس کے دل میں یہ تڑپ پیدا ہوئی کہ کسی طرح یہ مثنوی مکمل ہو جائے۔ شعرائے دربار سے فرمائش کی ہر ایک نے طبع آزمائی کی لیکن حیاتی کا کلام بادشاہ نے پسند کیا۔ اگرچہ خسرو کے کلام میں کوئی پیوند تو کیا لگا سکتا ہے لیکن پھر بھی اُس کے کلام کی شائستگی و متانت اس درجہ پر تسلیم کی گئی کہ اوراق گم شدہ کی جگہ حیاتی کا کلام پیوند کر دیا گیا۔ بادشاہ نے اس صلے میں حیاتی کو چاندی سونے میں رکھ کر تول دیا۔ چنانچہ کسی شاعر نے اس واقعہ کو نظم کیا

اور تاریخ یہ کہی۔ "شاعرِ سنجیدۂ شاہی"۔

ملک و قوم میں قدردانی خسرو کے کلام کی سلاطین و سلطنت نے جو عزت کی وہ ان دونوں عطایائے شاہی سے ظاہر ہے فارسی داں دنیا کی قدردانی اس سے واضح ہے کہ خسرو کی بہت سی مثنویاں بارہا مختلف مطابع میں طبع ہوئیں اور ہاتھوں ہاتھ قدردانوں تک پہنچ گئیں۔

اس بے توجہی و لاپروائی و بدمذاقی کے زمانے میں بھی جسے فارسی کا کچھ بھی مذاق ہے یا جہاں کہیں کتب خانے ہیں ایک ایک کتاب کے متعدد قلمی نسخے موجود ہیں اور یہ خصوصیات کچھ ہندوستانی کتب خانوں کی نہیں ہیں بلکہ یورپ کا بھی کتب خانہ تصانیف خسرو سے معمور ہے۔ خدیو مصر کے کتب خانے کی فہرست جب دیکھی گئی تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ عرب نے اپنے عجمی بھائی کے عجمی کلام کی خود اہل عجم سے کچھ کم محبت و حفاظت نہیں کی ہے بلکہ بعض خصائص جزئیہ میں وہ ممتاز خصوصیت رکھتے ہیں۔

تھوڑی کوشش سے ایک ایک کتاب کے دس دس اور بارہ بارہ نسخے تو خود کالج میں فراہم ہو گئے۔ کتنے گھر ابھی ایسے ہیں جہاں اور بھی نسخے موجود ہونگے بعض کا تو ہمیں علم ہوا اور بعض جگہ انکار و انخفار ہی کچھ کمال سمجھا گیا۔ چنانچہ بہار شریف میں خمسۂ خسرو کا موجود ہونا جب معلوم ہوتا ہے تو اس وقت مولانا رشید احمد صاحب انصاری پروفیسر کالج علی گڑھ نہایت شوق و ذوق میں سفر کرتے ہیں۔ بہار شریف پہنچکر صاحب کتاب سے ملتے ہیں۔ کتابیں دیکھتے ہیں۔ چند روز کے لئے کالج لانے کی ہر سعی جائز کرتے ہیں ہر طرح کی ضمانت پیش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ وہاں سے خمسہ

کالج نہیں پہنچ سکتا۔

غریزان وطن! صدیوں بعد جب کہ مذاق سخن باقی نہ رہا کتابیں پنساریوں کی دوکانوں میں پہنچ کر پڑیاں باندھنے کے مصرف میں آنے لگیں قدیم علمی خاندان یرا ن ہوگئے مصائب و آفات نے گھر کے گھر تباہ کر دیئے بہت سے قیمتی جواہر جنھیں اسلاف نے صدیوں میں کمایا تھا یکسر غارت ہوگئے۔ خسرو کی مثنویوں کا اس وقت تک باقی رہنا اُس کے کمال مقبولیت و گرانمائگی کو مشعر ہے۔ رہا اس کا گلہ کہ سیکڑوں نسخے کیوں نہ ملے۔ تلاش و جستجو کی زحمت ہی کیوں ہوئی۔ اس کسادعلمی کے زمانے میں ایک اور فضول ہے

ہم مٹ گئے تو پرسش نام و نشاں ہے اب　　اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب

اب اس پہلو سے بھی ایک نظر ڈالنی ضروری ہے کہ خسرو کی تصنیف سلسلہ تعلیم و تعلم میں کہاں تک مقبول ہوئی۔

سلسلہ تعلیم میں مقبولیت | سلسلہ تعلیم میں آپ کی مثنوی قران السعدین جو سب مثنویوں سے مقدم ہے ویسی ہی مقبول ہوئی جیسا کہ سکندر نامۂ مولنا نظامی۔ بڑے بڑے فضلائے اجل نے اُس کے حواشی و شروح لکھیں وقت تصنیف سے اُس وقت تک کہ علوم مشرقی کی تعلیم ہندوستان میں جاری رہی قران السعدین داخل نصاب فارسی تھی۔

واقعہ ہے کہ یہ مثنوی نہایت ہی دلچسپ ہے یہ صرف اپنا تاریخی ہی پہلو نہیں رکھتی ہے بلکہ گوناگوں مضامین پر مشتمل ہے اور انھیں تنوعات نے اسے اس قدر مقبول بنا دیا ہے

نفس قصہ میں تو کوئی خاص دلچسپی ہی نہیں۔ اس لئے کہ باپ بیٹے کا دکھڑا ہی کیقباد بغراخاں کا بیٹا سعادت فرزندی کو تہ کرکے باپ کے مقابلے میں آتا ہی۔ دہلی سے چل کر سرجو کے کنارے اس کی فوج پڑاؤ ڈالتی ہی۔ کچھ پیام وسلام کے بعد باپ بیٹے میں موافقت و مصالحت ہوجاتی ہی۔

اب کیقباد یہ چاہتا ہی کہ یہ بیہودہ واقعہ میری زندگی کا ایک باافتخار کارنامہ بن کر مشہور ہو۔ اسی خیال کی بنیاد پر خسرو سے نظم کرنے کی فرمائش کرتا ہی۔ یہ خسرو ہی کا کمال ہی کہ واقعات کو حقیقت کے دائرہ میں قائم رکھ کر اس طرح اس قصے کو نظم کیا ہی کہ کیقباد کی رندانہ زندگی اُس کے عہد کی سرمستی اور اُس کی تعیش پسند زندگی کا اہل شہر پر اثر سب کچھ اپنے لطف بیان سے لطیف پیرایہ میں کہہ گئے۔

اس مثنوی کی بحر اگرچہ وہی ہی جو نظامی کے مخزن الاسرار کی ہی لیکن اسلوب بیان ترتیب مضامین خاص خسرو کا ایجاد ہی۔ یہ اسی ایجاد کا نتیجہ ہی کہ قران السعدین اس قدر مقبول ہوئی۔ اگرچہ اس ایجاد سے یہ نقص ضرور کتاب میں پیدا ہوگیا کہ کہیں کہیں واقعہ کا تسلسل باقی نہیں رہتا لیکن ایسے پھیکے و بدمزے قصے کے لئے تسلسل ایسا ضروری نہ تھا جیسا کہ دل آویز و دل پذیر ہونا ضروری تھا۔

قران السعدین کی پسندیدگی کی وجہ

قران السعدین نظم کے تین اصناف پر محیط ہی۔ قصیدہ، غزل، مثنوی اس طرح اس کتاب میں اقسام ثلثہ نظم کا لطف آتا ہی۔ جو قصہ کہ نظم کیا گیا ہی وہ خود ہندوستان کی صحیح اور سچی داستان ہی۔ اپنے ملک کے واقعات سے

دلچسپی ایک امر فطری ہے۔ پھر مضامین میں اس قدر تنوعات ہیں کہ ہر طرح کے خیالات موجود۔ کہیں بہار کا ترانہ ہے اور اس کی نسیم کی عطر فشانی۔ کہیں لو کی لپٹ اور بادِ خزاں کے جھونکے۔ کسی جگہ سیر دریا اور کشتی کی روانی ہے اور کسی جگہ ساقی و جام کی گردش سے مستی و مدہوشی۔ صرف وصف نگاری کی تحت میں چالیس سے زیادہ اشیاء کا بیان آگیا ہے۔ لطف یہ کہ ان سب چیزوں کا تعلق ہند کی ہی خاک سے ہے۔ پھر کیوں ایسی کتاب مطبوع عام و خاص نہوتی۔ ہر شخص کے جذبات کی نفاست کا سامان جس چیز میں جمع ہوگا اُسے ہر شخص ضرور پسند کرے گا۔ قران السعدین کی یہی بوقلمونی اس کی شہرت و ہمہ گیری کی قوی و اصلی علت ہے۔ اس لئے اساتذۂ فن نے بھی اسے تعلیم فارسی کا ایک عنصر بنا دیا تاکہ طلبہ کو ایک ہی کتاب میں موقع موقع سے اصنافِ نظم کی تمام اقسام کا اجمالی علم ہوجائے۔ مضمون کی رنگارنگی دلچسپی کو روز افزوں کرتی ہے۔

دوسری وہ مثنویاں جن میں ہندوستان کے ہی واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ داخلِ درس نہوئیں مثلاً

مثنوی خضر خاں و دیول دئی کا اجمالی بیان

خضر خاں و دیول دئی کا قصہ باوجود اس کے کہ خود موبمو راست اُس پر داستانِ عشق و حسن جس میں حسن کی ناز آفرینی عشق کی نیاز مندی، فراق کے صدمے، وعدۂ یار کی لذتیں۔ یہ ایسے مضامین ہیں جنھیں اگر خاص مِلک خسرو کہا جائے تو کچھ بیجا نہ ہوگا۔

پھر وہ شخص جس کے عشق کی داستان ہے خسرو کی اس سے تعلقات گوناگوں سب سے

بڑا علاقہ یہ کہ دونوں ایک پیر طریقت کے حلقہ بگوش۔ آخر میں اُسی شاہزادہ کی جو وارث تخت و تاج تھا قسمت کا پلٹ جانا اور انقلاب دہر کا ایک عجیب و مہیب عبرتناک سماں

یہ مضامین خسرو جیسے شخص کے لئے جو واقعات عالم پر غائر نظر رکھتا ہو اور اُن سے کل ممکن الاستخراج نتیجے نکال کر دنیا کے سامنے مقبول طبع صورت میں پیش کر سکتا ہو کیسے وسیع ہو سکتے ہیں۔

چنانچہ خسرو کی تمام مثنویوں میں جوش سے لبریز یہی مثنوی خضر خاں و دیول دی ہے اس مثنوی کی حمد و مناجات سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعر کس جوش سے اس قصے کو بیان کیا چاہتا ہے۔ مثلاً حمد اس شعر سے شروع کرتے ہیں ؎

سرِ نامہ بنام آں خداوند کہ دلہا را بخوباں داد پیوند

اس کے بعد مناجات ہے اور اُس کا اوّل شعر یہ ہے ؎

خداوندا چو جاں دادی دلم بخش دلِ عاشق نہ جانِ عاقلم بخش

یہ مثنوی کیا لکھی ہے سحر سامری کی تصویر کھینچ دی ہے۔ حاصل یہ کہ دیگر تاریخی مثنویاں جو سلسلہ تعلیم میں داخل نصاب نہوئیں تو اُس کی صرف یہ وجہ ہوئی کہ اُن مثنویوں میں کشش و تعلیم کی صرف ایک ایک ہی چیز تھی۔ باعتبار مضمون و موضوع تاریخ اور باعتبار نظم مثنوی حال آنکہ تعلیم اس کی مقتضی تھی کہ مختلف مضامین مختلف شعرا و مختلف دور کے پڑھائی جائیں تاکہ زمانہ تعلیم میں ہر دور کی خصوصیت ہر ایک کا انداز و اسلوب بیان طالب العلم کو معلوم ہو جائے۔ اسی خیال سے خمسہ نظامی میں سے سکندر نامہ جامی

کی مثنویوں میں سے یوسف زلیخا ، سعدی کے کلام میں سے بوستاں اور خسرو کی تصانیف سے قران السعدین داخل نصاب کی گئیں۔ خلاصہ یہ کہ خسرو کی مثنویوں کو سلطنت ، ملک اور تعلیم تینوں نے انتہائی عزت و پسندیدگی سے دیکھا۔

قطعہ و رباعی | غزل، قصیدہ، مثنوی میں جب کہ کسی شاعر کا کمال ثابت ہو جائے تو پھر کسی اور صنف نظم کی بحث سے اُس کا کمال بے نیاز ہے۔ لیکن جب کہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ بعض شعرا کے لئے صرف چھوٹی قسمیں نظم کی دلیل کمال سمجھی گئیں تو پھر یہی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خسرو جیسے ہمہ گیر شاعر کی خسروانہ کا نمونہ اُن چھوٹی قسموں میں بھی دکھا دیا جائے۔

سب سے پہلے خسرو کا وہ قطعہ ہدیۂ ناظرین ہے جس میں اُنہوں نے موسیقی و شاعری کا محاکمہ کیا ہے[1] کیوں کہ جہاں خسرو کو دیوان فطرت سے تمغائے شاعری ملا تھا وہاں فن موسیقی میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا پھر ان سے بڑھکر کس کا محاکمہ قابل وقعت ہو سکتا ہے۔

دیگر قطعات و رباعیات کا بھی یہی حال ہے کہ ہر ایک میں ایک لطف خاص اس طرح پایا جاتا ہے کہ اُن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاید خسرو کا اصلی میدان یہی ہے لیکن یہ خصوصیت خسرو کی صرف قطعہ و رباعی کے ہی ساتھ نہیں ہے بلکہ اصناف نظم میں سے جس قسم نظم خسرو کا مطالعہ کرو گے تو بے اختیار "کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست" کہہ اُٹھو گے۔

---

[1] ملاحظہ ہو قطعہ اول صفحہ ۱۳۲

قطعات

(۱)

مطربے میگفت خسرو را کہ اے گنجِ سخن — علمِ موسیقی ز جنسِ نظم نیکوتر بود
زانکہ ایں علم ست کز دقت نیاید بر قلم — واں نہ دشوار ست کاندر کاغذ و دفتر بود
پاسخش گفتم کہ من در ہر دو معنی کاملم — ہر دو را سنجیدہ بر وزنیکہ آں بہتر بود
فرق می گویم میانِ ہر دو معقول و درست — تا دہد انصاف آں کز ہر دو دانشور بود
نظم را علمے تصور کن بہ نفس خود تمام — کو نہ محتاجِ سماع و صوت خنیاگر بود
گر کسے بے زیر و بم نظم فرو خواند درست — نے بمعنی ہیچ نقصاں نے بلفظ اندر بود
ور کند مطرب بسے ہاں ہاں و ہوں ہوں در سرود — چوں سخن نہ بود ہمہ معنی او ابتر بود
نالہ زن را بیں کہ صوتے دارد و گفتارنے — لاجرم در قول محتاجِ کسے دیگر بود
بس دریں صورت ضرورت صاحبِ صوت و سماع — از برائے شعر محتاجِ سخن پرور بود
نظم را حاصل عروسے داں و نغمہ زیورش — نیست عیبے گر عروسِ خوب بے زیور بود
من کسے را آدمی دانم کہ داند ایں قدر — ورنداند پرسد از من ورنہ پرسد خر بود

دیگر

ز افسردگاں مجو اثرِ زندگی دل — نے از مزاج ظالم سوزندہ خوے خوش
نے شعلہ بر تراشِ لالہ تواں فروخت — نے از گلِ چراغ تواں یافت بوے خوش

دیگر

از جود و کرم قبولِ حق جوئے — خود نام بود گر آنت میل ست
مقصود ز سرمہ نورِ چشم ست — زیبائی چشم خود طفیل ست

دیگر

روشن دلانِ صاف درون را خلل بود — در کارِ خلق چشم کشادن بخیر و شر
پوشیدہ نیست نزدِ ہمہ کس کہ طاس را — سوراخ عیب باشد و غربال را ہنر

دیگر

خسرو چہ حالت ست کہ در دہر عالماں — از جا بلانِ دونِ دنی باز پس ترند
ایں نکتہ را بہ بیں و بانصاف خوش برائے — کز چار حرف قطرہ و دریا برابرند

دیگر

اقبال را بقا نہ بود دل در و مبند — عمرے کہ بر غرور گزاری ہبا بود
در نیست باورت زمن ایں نکتہ یاد گیر — اقبال را چو قلب کنی لابقا بود

دیگر

رفتم سوے خطیرہ و بگریستم ہزار — از ہجر دوستاں کہ اسیرِ فنا شدند
ایشاں کجا شدند چو گفتم خیالِ دہم — دادا ز صدا جواب کہ ایشاں کجا شدند

رباعیات

توحید

ہر جا کہ سخن ز ربت و بت در افتد — وہ کیں دلِ بت پرست آں سو افتد
یارب تو مرا در و نہ دہ کہ بصدق — ہو گویم و اندر دلِ من ہو افتد

نعت

از غرِ محمد ار نداری خبرے — کن از رہِ عقل و رشہادت نظرے
اللہ و محمد ست پیوستہ بہم — یعنی کہ میانِ شاں نہ گنجد دگرے

دیگر

وصفِ شرفِ تو بیش از ادراک آمد — سبقِ ادبت لنعبد ایاک آمد
توقیعِ تو کز صحیفۂ پاک آمد — لولاک لما خلقت الافلاک آمد

دیگر

اے آنکہ شدہ طفیلِ تو آدم پیدا — گشت از سببِ تو چرخِ اعظم پیدا
نورِ تو نہ گنجید چو در یک عالم — بہر تو خدا کرد دو عالم پیدا

مدح پیر

از شیخ نظام چوں سلام ست مرا — با حسنِ عمل عیشِ مدام ست مرا
امیدِ پسِ مراد و کام ست مرا — زیرا ہمہ کار با نظام ست مرا

تصوّف

بستاں چو بسر کشید پیرایۂ ابر — آوردہ بروشیر فرہ دایۂ ابر
گل بسکہ لطیف و نازک آمد در باغ — ترسم کہ گراں شود بر و سایۂ ابر

دیگر

دل در شکنِ زلف دوتاے تو بماند — جاں نیز چو ذرہ در ہواے تو بماند
ہر کس سرِ خود گرفت و رفت از کوئے — الا سرِ من کہ زیر پاے تو بماند

عشق

جاناں منشیں برگزرے تیزی آہ — آتش رسدت ز آتشِ انگیزی آہ
تا در سرِ کوئے تو نہ پنداری سہل — شب گردی گریہ و سحر خیزی آہ

دیگر

مائیم خرابِ جرعۂ می خوارں — ما را چہ غم از طعنۂ نیکو کارں
از سر کہ لگد می خورد از خارں — کے غم خورد از سرزنشِ بیشارں

دیگر

اے غم ہمی کہ بر منِ غم خوار آئی — وقت چہ شود گر بدلِ یار آئی
دی شب کہ سیاہ میکنی روزِ مرا — یارب کہ بروزِ من گرفتار آئی

دیگر

دوشش آمد و وعدۂ شرابم می داد　　خونابہ بجائے مئ نابم می داد
می پرسیدم حالِ دل او خامش بود　　واں زلف بجائے او جوابم می داد

دیگر

از شعلۂ عشق ہر کہ افروختہ نیست　　با او سرِ سوزنے دلم دوختہ نیست
گر سوختہ دل نہ زما دور کہ ما　　آتش بدلے زنیم کو سوختہ نیست

اقسام پنجگانہ نظم میں خسرو کے کمال و زور بیان کا ایک مختصر نمونہ پیش کیا جا چکا۔ اب چند فرعی و جزئی باتیں ہیں جن کا اظہار بھی غالباً نامناسب نہ ہوگا۔

صنائع و بدائع | اختراع معانی و بدائع و صنائع میں خسرو شاعرانِ سلف و خلف ہیں۔ اگر اُن کے اختراعات کی بحث چھیڑی جائے تو ایک دفتر طویل ہوگا۔ اعجاز خسروی متعدد بار چھپ کر فارسی داں دنیا میں شائع ہو چکی ہے۔ جسے شوق ہو وہ اُسے مطالعہ کرے۔ بس خدا کی قدرت اُسے نظر آئیگی۔ اس جگہ ان کی ایک ایسی صنعت کا ذکر کرتا ہوں جس کی کوشش دیگر شعرا نے بھی کی ہے۔

ترکیب الفاظ سے لحن | یعنی ان کے کلام میں اکثر الفاظ کی ترکیب و نشست سے ایک لحن خاص پیدا ہوتا ہے اور اسی سے لحن کے تطابق پڑھنے والے کے دماغ میں جذبات کی لہریں سی بیں مارنے لگتی ہیں۔ مثلاً ذیل کے اشعار و مصرعے ملاحظہ ہوں ؎

گنج برد رنج دے گنج سنج　　در کشش گنج ہمی برد رنج

باش بکامم کہ بکامِ توام　　زندہ و نازندہ بنامِ توام

ع تہمتن تن سیاوش وش فریدوں فرسکندر در

ع سناں قاراں قلم ہا ماں علم خاقاں دہل سنجر

فردوسی نے نقارہ کی آواز کو ایک شعر میں اس طرح باندھا ہے کہ شعر بھی بامعنی رہا اور ایک مصرع کے الفاظ سے نقارہ کی آواز پیدا ہوتی ہے۔ وہ شعر یہ ہے ؎

زنقارہ آواز آمد بروں　　کہ دون ست دون ست گردونِ دوں

یہ شعر فردوسی کا بہت مشہور ہے اور اُس کے اس کمال کا بہترین نمونہ۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا ایک شعر نعت میں ہے جس کے مقابلہ میں فردوسی کی یہ صنعت خاک میں ملجاتی ہے۔ خسرو کا یہ شعر ہے ؎

دہل زن دہل زد بہ تحسینِ او　　کہ دینِ دینِ او دینِ او

علم موسیقی سے آشنا ارباب ذوق سمجھ سکتے ہیں کہ خسرو کے شعر کا پایہ کس قدر بلند ہے۔ اس لئے کہ نہ صرف ایک بامعنی مصرع کے الفاظ بآواز دہل ادا کئے ہیں بلکہ اس میں تال اور سر کے اصول کی پوری پابندی ملحوظ رکھی ہے۔ اگرچہ خسرو جیسے شاعر کے لئے جو فن موسیقی کا بھی امام ہو فردوسی کے جواب میں اُس سے بہتر شعر پیش کردینا ایک معمولی بات ہے۔

اسی طرح خسرو کی ایک رباعی مشہور ہے جس کے چوتھے مصرعہ میں اسی کمال کا اظہار ہے

آں روز کہ روحِ پاکِ آدم بہ بدن　　گفتند درآ نمی شد از ترسِ بدن

خواندند ملائکاں بہ لحنِ داؤد　　درتن درتن درآ درآ درتن درتن

تکرارِ لفظ اور اختلافِ معنی ایک ہی لفظ کو مختلف پہلوؤں سے استعمال کرکے مختلف معنی پیدا کرنے میں بھی ان کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مثلاً ذیل کے ابیات دیکھو۔

پیمانۂ دوست پر ز دُر کرد　　پیمانۂ خصم نیز پر کرد
در چپ زدنِ خرد شوی راست　　دانی چپِ خود ز جانبِ راست

الفاظ ہندی کا استعمال | ہندی کے الفاظ بھی نہایت سلاست سے بے تکلف استعمال کرجاتے ہیں جس سے کلام میں چاشنی پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً

ہم بہ نشستہ چوں در پالکی نہ چرخ کہار آمدہ

خان کڑہ جھجھوے کشورکش　　کز لبِ شاہاں کڑہ دارد بہ پا

دوسرے مصرعہ میں لفظ کڑہ سے وہی پاؤں کا زیور مراد ہے۔

اقتباس آیات قرآن | آیات کلام الٰہی سے اپنے اشعار میں یہ ایسی مرصع کاری کرتے ہیں کہ دل پھڑک اُٹھتا ہے۔ تمثیلاً ذیل کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

حرز کلہ بستہ ز اوحیٰ بہ　　چتر سیہ کردہ ز اسری بہ
زیر نگیں عرصۂ ملک حبش　　خطبۂ ھب لی رقم خاتمش
نعبدُ ایّاکَ طراز علم　　فاخلع نعلیک مقام قدم

آلۂ اشعار کے دوسرے مصرعہ میں کلام پاک کی کامل آیۃ تلاوت فرمائی ہے اور یہ وہ کمال خسرو کا ہے کہ کسی کے کلام میں اس فراوانی سے اس کی مثال نہیں ملتی۔ مثلاً اشعار ذیل کو دیکھو ؎

چہ ملامت کنید خسرو را　　فَاتَّقُوا اللّٰہَ یَا اُولِی الاَلبَابَ
قضا در ہفت سقفش دید و برخواند　　بَنَینَا فَوقَکُم سَبعًا شِدَادًا

اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار ثانی اثنین اذ ھما فی الغار

فصلِ بہار مناظرِ قدرت میں بہار کا سماں ایک ایسا مضمون ہے کہ شاید ہی کوئی شاعر ایسا ہوگا جس نے اس منظر کی تصویر نہ کھینچی ہو۔ لیکن یہی مضمون جب خسرو کے یہاں آتا ہے تو پھر اس کی بہار قابلِ دید ہوتی ہے خسرو نے جہاں کہیں ابر و بہار باغ و کہسار گل و گلزار کا نقشہ کھینچا ہے وہاں ہو بہو فوٹو پیش کر دیا ہے۔ مثلاً چند اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں ؎

چوں نافہ کشاد باد نوروز — بشگفت بہار عالم افروز
ابر از صدفِ سپہر بکبیر — در گوش بنفشہ ریخت گوہر
سرو از علم بلند پایہ — بر فرق سمن فگند سایہ
از شبنم گوہریں شمائل — آراست گلوے گل حمائل
غنچہ بدر آمد از شبستاں — پر شیر شدش ز ابر پستاں
بید از سرِ عجز چوں گہر وار — شد بر سرِ یاسمیں گہر بار
نازک تن لالۂ دل افروز — لرزیدہ شد از نسیم نوروز

خود اپنے کلام کی تنقید بایں ہمہ کمال وہ اپنے کلام و شاعری کو خود پرکھتے ہیں اور خوب پرکھتے ہیں اپنا مرتبہ آپ بتاتے ہیں اور تواضع کا پیش بہا نمونہ پیش کرتے ہیں ؎

مشو خسرو بشعرِ خویش غرہ — کہ گوینده بسے ہست از پس و پیش
چو گفتِ خویش را بے عیب خواہی — بچشمِ دشمناں بیں گفتِ خویش

ہمہ کس گفتِ خود را خوب داند وگر یارست ہم تحسیں کُند بیش

دیباچہ غرۃ الکمال جو شعر و سخن پر ایک بے نظیر تبصرہ کہا جا سکتا ہے اُس میں شعرا کی تین قسمیں خسرو علیہ الرحمۃ نے بیان کی ہیں اوّل اُستاد کامل دوم نیم اُستاد سوم سارق پھر اُستاد کامل کے لئے چار شرطیں قرار دی ہیں۔ اوّل کسی طرز خاص کا موجد ہو۔ دوم اُس کا کلام شعرا کے انداز پر ہو واعظانہ و صوفیانہ نہ ہو سوم یہ کہ غلطیاں اور لغزشیں نہ کرتا ہو۔ چہارم یہ کہ مضامیں سرقہ نہ کرتا ہو۔

پھر اپنے متعلق یوں فرماتے ہیں کہ میں اُستاد کامل نہیں ہوں ہاں نیم اُستاد ہوں اس لئے کہ مجھ میں صرف دو شرطیں پائی جاتی ہیں۔ ایک تو میرا کلام شعرا کے انداز پر ہے دوسرے یہ کہ میں سارق نہیں ہوں۔ میں نہ تو کسی طرز خاص کا موجد ہوں نہ اس کا مدعی کہ میرا کلام لغزشوں سے پاک ہوتا ہے۔

انصاف پرستی و بے نفسی کی مثال اس سے زیادہ واضح اور کیا ہو سکتی ہے حاسد و معاند بھی اگر خسرو کا پایہ کم کرنا چاہے تو اس سے بڑھکر اور کیا کہہ سکتا ہے۔ اس طرح اپنے کلام کی آپ تنقید بے شائبہ نفس خصوصیات بلکہ اولیات خسرو ہے۔

تواضع و ہضم نفس | صاحبِ کمال کا یہ بھی کمال ہے کہ اُس میں شائبہ تک پندار و خودی کا نہ پایا جائے۔ نقادان فن کی نگاہوں میں جس قدر ایک باکمال کی عظمت بڑھتی جاتی ہے اُسی قدر خود اُس کے انداز میں تواضع بڑھتی جاتی ہے۔

ارباب قلم میں جتنے باکمال سخنور گزرے ہیں اُن میں کوئی رزم کا سماں باندھنے

میں کامل ہے کوئی بزم کا نقشہ کھینچنے میں یکتا ہے کوئی غزل سرائی میں بے نظیر ہے کوئی قصائد میں بے ہمتا ہے کوئی اخلاقی رنگ میں فرید ہے کوئی متصوفانہ وحکیمانہ آہنگ میں بے مثل۔ لیکن ایک جامع کمالات جس کے رشحات قلم سے نثر و نظم کی تمام اصناف نے ترو تازگی پائی ہو اور جس نے اپنی پرجوش طبیعت کے اوج و موج سے مضامین گوناگوں کا دریا بہا دیا ہو جب وہ اپنی ہیچمدانی کا اظہار کرتا ہے تو اُس سے اُس کا کمال اور بھی ارفع و اعلیٰ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خسرو علیہ الرحمۃ باوجود اُس جامعیت کے جو اُنھیں حق تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اپنی کم مائگی و بے بضاعتی اس طرح بار بار بیان کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ غرور و پندار کا ایک شمہ بھی اس کامل الفن میں نہ تھا۔ حالانکہ شعر و سخن کا وہ میدان ہے جس میں تلامذہ نے اپنے اساتذہ کو اہل من مبارز کہہ کر پکارا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کمال ہے کہ اساتذۂ متقدمین جن کا کلام ابتدا میں آپ نے مطالعہ فرمایا تھا اور جن کی پختہ و پسندیدہ روش آپ نے اختیار کی اُن کا نام بھی ادب سے لیتے ہیں اپنے کو اُن کا ارادت مند و شاگرد بتاتے ہیں اپنے تلمذ کو اس جوش عقیدت سے ظاہر کرتے ہیں کہ واقعی تلامذہ جو اُن اساتذہ کے ہوں گے اُنھوں نے بھی اس سے زیادہ ادب آمیز کلمات منہ سے نہ کہے ہوں گے۔

نظامی سے اظہار عقیدت اور اُن کے کمال کا اعتراف

امام مثنوی گویان مولانا نظامی علیہ الرحمۃ کے کمال اور اُستادی کا اس جوش عقیدت سے بار بار مختلف

مثنویوں میں ذکر فرماتے ہیں جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ اُن کے عہد میں موجود ہیں اور اُن سے اپنے مثنویوں کی اصلاح لے رہے ہیں۔ چنانچہ مثنوی مجنوں و لیلیٰ میں فرماتے ہیں ؎

زندہ است بمعنی اوستادم ورنیست منش حیات دادم

مولانا کا کمال اور اپنی بے مائگی کا یوں نقشہ کھینچتے ہیں ؎

میداد چو نظم نامہ را پیچ باقی نگزاشت بر سرِ ما ہیچ

مثنوی قران السعدین میں حسن الفاظ سے مولانا کا کمال بیان کیا ہے وہ آداب سلف کا بہترین سبق آموز نمونہ ہے۔ فرماتے ہیں ؎

نظم نظامی بہ اضافت چو دُر وز دُر او سر بسر آفاق پر
پختہ از و شد چو معانی تمام خام بود پختنِ سودائے خام
بہ کہ دریں جنبش طبع آزمائے سر بہ نہی اوّل و آنگاہ پائے
مثنوی او راست ثنائے بگو بشنو واز دو ردعائے بگو
از پئے بخشش بخدا آر زوئے لیک عنایت ز بزرگاں بجوئے
سوز سخن را نہ بخامی طلب پختگیش ہم ز نظامی طلب

اسی طرح جا بجا غزل سرائی میں اپنے ہمعصر و ہم عہد شاعر کہن مشق، دیرینہ سال سعدی علیہ الرحمۃ کی جو شیراز میں بیٹھے ہوئے حقایق و معارف کی نغمہ سرائی غزلیات میں کر رہے تھے اُستادی تسلیم فرماتے ہیں۔ قران السعدین میں فرماتے ہیں ؎

ور غزلت یاد جوانی دہد　　وز خوشی طبع نشانی دہد
تن زن ازاں ہم کہ کساں گفتہ اند　　ہرچہ تو گوئی بہ ازاں گفتہ اند
نوبتِ سعدی کہ مبادا کہن　　شرم نداری کہ بگوئی سخن

پھر اپنی ایک غزل کے مقطع میں یوں فرماتے ہیں ؎

خسرو مست اندر ساغرِ معنی بریخت　　شیرہ زاں خمخانۂ مستی کہ در شیراز بود

مثنوی نہ سہی میں ایک جگہ سعدی و ہمام دونوں کو اُستاد غزل تسلیم کرتے ہوئے اُن کے دیگر اصناف نظم پر نہایت محققانہ و مودبانہ تنقید فرماتے ہیں ؎

کس نہ بیند سوے نظم دلگیر　　گر نہ گردد بدلے منزل گیر
چوں نماند بدلے خلقے یاد　　گرچہ شد زادِ دہماں دل کہ نہ داد
تا بجائیکہ حد پارسیاں　　اندریں عہد و تن گشت عیاں
زاں یکے سعدی و ثانیش ہمام　　ہر دو را داد غزل آئین تمام
لیک اگر سے دگر بارے ہست　　شعر شاں ہست بداں گونہ کہ ہست

دیباچہ غرۃ الکمال میں نہایت وضاحت سے اس کی تصریح خسرو علیہ الرحمۃ نے خود فرمادی ہے کہ اصناف نظم میں سے کس پنجیرو کی روش کس صنف میں اختیار فرماتے ہیں تفصیل کے لئے ناظرین کو غرۃ الکمال کی اشاعت کا منتظر رہنا چاہیئے۔ لیکن مجمل اُس کا خلاصہ یہ ہے۔ فرماتے ہیں۔

قصائد میں خاقانی و اسمٰعیل کا پیرو ہوں مثنوی میں نظامی کا غزل میں سعدی کا

اتباع کرتا ہوں لیکن قطعات و رباعیات و دیگر اقسام نظم میں کسی غیر کے مسلک کا سالک نہیں ہوں بلکہ جو کچھ کہتا ہوں اور جس طرز و اسلوب میں کہتا ہوں وہ خود اپنا ہی ایجاد ہے"

اس بیان سے مقصد یہ ہے کہ خسرو کے کمال کا یہ پہلو بھی ناظرین کے سامنے آجائے کہ ع نہد شاخ پر میوہ سر بر زمیں

ورنہ اگر بہ نظر غور دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نظم آپ کی فطری چیز ہے اس روانی سے یہ نظم لکھتے ہیں جیسے کوئی نثر لکھتا ہو۔ گویا ان کے خیالات عالم بالا سے نظم ہی کے پیرایہ میں ان کے دماغ میں اُترتے ہیں۔

مضمون آفرینی میں یہ کسی کے مرہون منت نہیں بلکہ اپنے ہی دماغ کے معدن سے انھوں نے صفحۂ قرطاس پر لال و گہر اُگل دیئے ہیں چنانچہ خود ہی ایک جگہ فرماتے ہیں ؎

ہر چہ من از خامہ فشانم بروں　　گنج خدائیست کہ رانم بروں

لیکن یہ محض اسلاف کا پاس ادب ہے جو اُن کے برابر بیٹھنے کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہایت انکسار سے یوں فرماتے ہیں ؎

چوں پس روِ طرز ہر سوادم　　پس شاگردم نہ اوستادم

متاخرین اور کمال خسروی کا اعتراف

اس ادب شناسی کا یہ صلہ ملا کہ خسرو علیہ الرحمۃ کے معاصرین اور شعرائے مابعد ہر ایک نے خسرو کو اپنے سے بہتر اور رہنما تسلیم کیا۔ ان کے کمال کو باکمالوں نے پہچانا اور ادب سے سر تسلیم خم کیا۔

امیر حسن علاء سنجری جو خسرو علیہ الرحمۃ کے ہم عصر اور غزل کے بے مثل اُستاد ہیں

جب وہ اپنے کلام کا خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام سے مقابلہ کرتے ہیں تو اس طرح کہتے ہیں ؎

خسرو از راہ کرم بہ پذیرد — انچہ من بندہ حسن می گویم
سخنم چوں سخن خسرو نیست — سخن این ست کہ من می گویم

ملا عصمت بخاری اور بابا کمال خجندی جیسے باکمال اساتذہ بھی خسرو علیہ الرحمۃ کے خوشہ چیں ہیں بہارستان میں مولانا جامی نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور کاتبی نیشاپوری نے ملا عصمت کے خصوص میں نہایت ہی لطیف قطعہ کہا ہے۔

(۲) قطعہ کاتبی نیشاپوری

میر خسرو را علیہ الرحمۃ شب دیدم بخواب — گفتم ایں عصمت ترا یک خوشہ چین خرمن ست
شعر او چوں شعر تو اندر جہاں شہرت گرفت — گفت باکے نیست شعر او وہماں شعر من ست

بابا کمال خجندی جو عجم کے ایک مشہور سخنور اور خواجہ حافظ اور عصار تبریزی کے معاصر و حریف مقابل ہیں ان کے متعلق امیر شاہی سبزواری یوں کہتا ہے۔

(۳) قطعہ امیر شاہی سبزواری

گر حسن معنی ز خسرو برد نتواں عیب کرد — زانکہ استاد ست خسرو بلکہ ز استاداں زیاد
در معانی حسن را برد از دیواں کمال — ہیچ نتواں گفتن او را دزد بر دزد او فتاد

کمال سے مراد بابا کمال خجندی کی ذات ہے۔

(۴) قطعہ مرزا محمد طاہر آشنا

کسی نے مرزا محمد طاہر آشنا سے پوچھا کہ اگلوں میں کس کا کلام دلفریب ہے اور پچھلوں میں

کس کا شعر دلپذیر ہے اس کے جواب میں ایک قطعہ لکھکر مرزا محمد طاہر نے بھیجدیا۔

اے کہ سوال کردہ کز متقدمین کرا ہست زیادہ در سخن شعر بلند و دلنشیں
وز متاخریں بود شعر خوش کہ بمثل بیش ز ہمگناں بود طبع کہ معنی آفریں
نزد من اندر سخن زیں دو گروہ ایں دو تن خسرو دہلوی ازاں قدسی مشہدی ازیں

ظہوری جو اپنے زمانہ میں نظم و نثر کا بے نظیر اُستاد تسلیم کیا گیا ہے وہ اُن معاصرین باطل کی بدمذاقی کا جنہیں خسرو کی ہم سری کا سودا سما گیا تھا اس طرح گلہ کرتا ہے۔

(۵) ظہوری اور بارگاہ خسروی کا ادب

بساط ادب برکراں افگنند بہ خسرو غزل درمیاں افگنند

اس شعر سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ظہوری کا دل خسرو کی عظمت سے کس قدر لبریز ہے خسرو کے بعد سب سے اول خواجو کرمانی ہیں جنھوں نے اپنا خمسہ مرتب کیا ہے ان کے شاعرانہ کمال کی نسبت صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ حافظ علیہ الرحمۃ جیسا مست باجوش و خروش شاعر بھی ان کا نام ادب سے لیتا ہے اور اپنے کو ان کا متبع کہتا ہے وہ اپنی مثنوی کمال نامہ میں خسرو کا اتباع کرنے والا اپنے آپ کو کہتے ہیں۔

(۶) خواجو کرمانی اور خسرو کی تقلید

سوختم ایں خلعۂ خسروی در طبق موہبت مولوی

مولانا جامی بن کی مثنوی نگاری خصوصیت کے ساتھ ممتاز سمجھی گئی ہے وہ ایک جگہ مولانا نظامی کا امام مثنوی گویاں صرف اس امر سے اثبات کرتے ہیں کہ خسرو کا

خمسہ بھی نظامی کے خمسہ سے بڑھ نہ سکا بلکہ اُس کے بعد کا اُسے مرتبہ ملا۔ نظامی کا خمسہ دُرِ شاہوار ہے اور خسرو کا خمسہ زرِ خالص فرماتے ہیں۔

(۷) مولانا جامی اور خسرو

زویرانۂ گنجہ شد گنج سنج — رسانید گنجِ سخن را بہ پنج
چو خسرو بداں پنجہ ہم پنجہ شد — وزاں بازوئے فکرتش رنجہ شد
کفش بود زاں گونہ گوہر تہی — زرش ساخت لیکن زردہ دہی

ان اشعار سے جہاں نظامی کا فضل ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہے کہ نظامی کے بعد مثنوی میں خسرو ہی کا مرتبہ ہے۔ دوسرے مثنوی نگاروں کا مولانا جامی کے نزدیک یہ مرتبہ بھی نہیں کہ اُن کا نظامی کے مقابلہ میں نام تک لیا جا سکے۔ چہ جائیکہ مقابلہ۔

(۸) مولانا جامی کی دوسری شہادت

مثنوی تحفۃ الاحرار کے خطبہ میں مولانا جامی یوں تحریر فرماتے ہیں "ایں صدف پارۂ چند ست بے مقدار از جست و جوئی کارگاہ بے سر انجامی گرد کردہ شدہ و ایں درج ریزۂ چند بے اعتبار از رفت و روب بزم گاہ شکستہ جامی فراہم آوردہ چہ قدر آں دارد کہ در سلک جواہر شاہوار مخزن الاسرار حکیم گرامی شیخ نظامی انتظامش دہند یا در جنب جام زرنگار مطلع الانوار مورد بدائع لفظی و معنوی امیر خسرو دہلوی نامش برند چہ آں در جودت الفاظ و سلاست عبارات بمنزلہ ایست کہ فصیح زبانان عجم در بیان اوصاف

آں اعجمی اند۔ وایں در دقت معانی ولطافت اشارات بمثابۂ کہ نادرہ گویانِ عالم درمعرضِ جواب آں معترف بالکمی"۔

سخن سنج جام نے چند مختصر فقرات میں کیسی جامع تنقید مخزن الاسرار و مطلع الانوار پر کی ہے پھر نادرہ گویان کا مطلع الانوار کے جواب میں اپنے گنگ ہونے کا اعتراف خسرو کے اُستاد فن ہونے کا کیسا کھلا اقرار ہے۔

(۹) مولانا جامی کی تیسری شہادت

مولانا جامی ایک جگہ خدا سے دعا مانگتے ہوئے جہاں اپنے سخن کا عروج منزل گاہ نظامی تک چاہتے ہیں وہاں اس کی بھی تمنا فرماتے ہیں کہ خسرو جیسی پختگی و لطافت میرے کلام میں پیدا ہو جائے ؎

اہلِ دل از فکر چو محفل نہند — بادۂ راز از قدح دل دہند
رشحہ ازاں بادہ بجامی رساں — رونقِ نظمش بہ نظامی رساں
پست چو خاک ست بریز از نوش — جرعۂ از جا مگہ خسرو ش
قافیہ آنجا کہ نظامی سزاست — برگزر از قافیہ جامی سزاست
بر سرِ خسرو کہ بلند اختر ست — از کفِ درویش گلہ در خور ست

(۱۰) امیر ہاشمی کرمانی اور کمال خسرو کا اعتراف

امیر ہاشمی کرمانی جو تقریباً مولانا جامی کے معاصر ہیں وہ اپنی مثنوی مظہر الآثار میں جو مخزن الاسرار کے رنگ میں لکھی ہے پہلے مولانا نظامی کے اُستاد فن ہونے کا اقرار

کرتے ہیں۔ اُس کے بعد خسرو ہی کی اُستادی تسلیم کرتے ہیں خسرو کے بعد جامی کا مرتبہ قرار دیتے ہیں۔ خسرو کے متعلق اُن کے اشعار یہ ہیں ؎

چوں زقضا لائحہ نو رسید — کوکبۂ نوبت خسرو رسید
خامہ برآورد بفکرِ جواب — ماند قلم بر ورقِ آفتاب
خامۂ خسرو چو گہربار شد — نامۂ او مطلع الانوار شد
کرد دراں نامہ تکلف بسے — گفت جوابے کہ چہ گوید کسے
بزم سخن را بسخن ساز کرد — بر ہمہ کس راہ سخن باز کرد
فہم رموزش نکند ہر کسے — زانکہ معانیست بسے دربسے
زبدۂ اسرار حقایق ہمہ — محض اشارات دقایق ہمہ
گفتۂ او دنظر نکتہ داں — میدہ ز علم لدنی نشاں
آنچہ دریں ماندہ افگند شور — سر بسر از قوت طبع ست و زور
ایں مے صاف از قدح دیگر ست — مستی او را فرح دیگر ست
ہست دریں بزم گہ دلفروز — نوبت ہر اہل دلے پنج روز
دور قدح طے شد و ساقی نماند — در خم دوراں مے باقی نماند
چوں مے خسرو بہ تمامی رسید — دورِ مے عشق بجامی رسید

(۱۱) ضیاء برنی کا قول

مولانا ضیاء برنی صاحب تاریخ فیروز شاہی جو خسرو کے ہم عصر ہیں تحریر فرماتے

ہیں۔ امیر خسرو خسرو شاعران سلف و خلف بودہ است و در اختراع معانی و کثرت تصنیفات غریبہ نظیر نداشت و ہرچہ نسبت بطبع لطیف و موزوں کند باری تعالےٰ او را دراں ہنر سرامد گردانیدہ بود۔ وجودے عدیم المثال آفریدہ و در قرن متاخر از نوادر اعصار پیدا آوردہ۔

(۱۲) سفینۃ الاولیا میں داراشکوہ کی تحریر

امیر خسرو در شعر چناں قادر بودند کہ مطلع انوار را کہ در جواب مخزن اسرار است در دو ہفتہ تمام کردہ اند۔ و در اشعار ایشاں یکہ بیتہاست کہ کم کسے بآں خوبی گفتہ باشد۔ مضموں ہائے تازہ عالی در اشعار ایشاں آں قدر ست کہ اگر ہمہ را جمع کنند از تصانیف بعضے زیادہ میشود و ہمیں طور در اقسام زبان و فنون علم ہندی بے مثل بودہ اند بجامعیت ایشاں کم کسے گزشتہ۔

(۱۳) شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

امیر خسرو دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وے سلطان الشعرا و برہان الفضلاست در وادی سخن یگانہ عالم و نتاوہ نوع بنی آدم ست وے در سخن عالمے ست از عوالم خداوندی کہ پایاں ندارد آنچہ او را از مضامین و معانی در اطوار سخن و انواع آں دست داد ہیچ کس را از شعرائے متقدمین و متاخرین نداد۔

شیخ رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ طبقات محدثین میں ہیں لیکن نظم سے بھی حصہ وافر کے مالک ہیں۔ آپ کے اشعار پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہتر نظم منظوم کرنے پر شیخ

رحمۃ اللہ علیہ کو خود بھی قدرت تھی بہرحال حدیث کی چھان بین کرنے والے کی نظر تنقیدی ہو ہی جاتی ہے۔ پس شیخ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ایک جملہ مشعر کمال خسروی۔

(۱۴) تذکرہ دولت شاہ سمرقندی

تذکرہ دولت شاہ میں ہے کہ امیرزادہ بایسنغر خمسہ خسروی کو خمسہ نظامی پر ترجیح دیتا تھا اور خاقان مغفور الغ بیگ اسے قبول نہیں کرتا تھا۔ اس بحث نے یہاں تک طوالت اختیار کی کہ دونوں بادشاہوں میں کشاکش بڑھتے بڑھتے نوبت مقابلہ و مقاتلہ کی پہونچی۔ آخر میں دولت شاہ خسرو علیہ الرحمۃ کے متعلق یہ فقرات لکھتا ہے۔

القصہ معانی خاص و نازکیہائے امیر خسرو دہلوی و سخنہائے پرشور عاشقانہ او آتش در نہاد آدمی میزند خواجہ خسرو پادشاہ عاشقان ست از انش خسرو نام ست و در ملک سخنوری این نامش تمام ست در حق او مرتبہ سخن گزاری ختم ست۔

(۱۵) آزاد بلگرامی

رئیس المحققین میر غلام علی آزاد بلگرامی فرماتے ہیں کہ حضرت سعدی شیرازی کے کلام میں اگرچہ خال خال وقوعہ گوئی پائی جاتی ہے جیسا کہ اس شعر سے ظاہر ہے (شعر سعدی)

دل و جانم ہمہ مشغول و نظر در چپ و راست
تا نہ گویند رقیباں کہ تو منظور منی

مگر ناسخ نقوش مانوی حضرت امیر خسرو دہلوی وقوعہ گوئی کے بانی تسلیم کئے گئے ہیں حضرت خسرو فرماتے ہیں ؎

خوش آں زماں کہ برویش نظر نہفتہ کنم　　چو سوے من نگرد او نظر بگردانم

ولہٗ　　غلام آں نفسم کا مدم چو خانہ او　　بخشم گفت کہ از در کشید بیرونش

چو رفتم بر درش بسیار در لبا ں گفت ایں مسکیں
گرفتارست شاید کایں طرف بسیاری آید

محقق بلگرامی ایک عجیب صنعت سے ان کے کلام کی داد دیتے ہیں۔ یعنی خسرو کے دو شعروں سے دونوں آخر کے مصرعے لیتے ہیں اور اول مصرعہ اپنے طرف سے موزوں کر کے کلام خسرو کی داد دیتے ہیں ؎

آزاد　　خسرو

اے خسرو شوخاں چہ کند وصفِ تو آزاد　　خوباں عملِ فتنہ ز دیوانِ تو یابند

دیگر

میر خسرو نکیں شعر ترا خواند آزاد　　از نمکدانِ تو شد تازہ گرفتاری دل

میر آزاد بلگرامی نے جو تنقید کہ کلام خسرو پر کی ہے موبمو راست ہے۔ خود ایک غزل میں خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

روح لیلیٰ آید و آموزد آئینہ ے عشق
شعر خسرو گر رقم بر تربتِ مجنوں کنم

اگر تمام اقوال مصنفین کے جو خسرو علیہ الرحمۃ کی نفس شاعری کے متعلق ہیں جمع کروں تو ایک رسالہ ہو جائے۔ لہٰذا اسی قدر پر بس کرتا ہوں

کہ مثنوی میں بعد نظامی علیہ الرحمۃ کی خسرو دہلوی سے بہتر کسی نے مثنوی نہیں لکھی۔ مولانا جامی خواجو کرمانی امیر ہاشمی کرمانی آذر اصفہانی سلم السماوات شرع الشعرا والہ داغستانی وغیرہ یہ سب اس کے معترف و مقر ہیں۔ قصائد میں خاقانی اور غزل میں سعدی کے بعد ہیں۔ باعتبار جامعیت کے کوئی ان کا مقابل نہیں۔ صاحب شعر العجم کی عبارت ملاحظہ ہو۔

(۱۶) شعر العجم کی عبارت

"ایران میں جس قدر شعرا گزرے ہیں خاص خاص اصناف شاعری میں کمال رکھتے تھے مثلاً فردوسی و نظامی مثنوی میں۔ انوری اور کمال قصائد میں سعدی و حافظ غزل میں۔ یہی لوگ جب دوسری صنف میں ہاتھ ڈالتے ہیں تو پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ بخلاف اس کے امیر قصائد مثنوی اور غزل تینوں میں ایک درجہ رکھتے ہیں مثنوی میں نظامی کے بعد آج تک ان کا جواب نہیں ہوا غزل میں وہ سعدی کے دوش بدوش ہیں قصائد میں ان کی چنداں شہرت نہیں ہوئی لیکن کلام موجودہ کے مقابلہ کر کے دیکھ لو۔ کمال اور ظہیر سے ایک قدم پیچھے نہیں"

اسی شعر العجم میں ایک دوسرے موقع پر ہے۔

"ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہیں پیدا ہوا۔ اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہوں گے صرف ایک

شاعری کرلو تو اُن کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔ فردوسی سعدی انوری حافظ عرفی نظیری بے شبہ تسلیم سخن کے جم دکے ہیں مگر ان کی حدود حکومت ایک اقلیم سے آگے نہیں بڑھتیں۔ حافظ۔ عرفی۔ نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہیں نکل سکتے اور انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہیں سکتا لیکن خسرو کی ہمہ گیری میں غزل مثنوی قصیدہ رُباعی سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہائے سخن یعنی تضمین مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہیں"۔

خسرو کا حاسد عبید شاعر

صفحات تاریخ سے اس کا پتہ چلتا ہے کہ صاحبِ فضل و کمال کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ محسود ہو۔ دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا باکمال گزرا ہو جس پر بعض بدنصیبوں نے حسد نہ کھایا ہو چنانچہ خسرو جیسا خوش طبع منکسر المزاج مسکین طبیعت محتاج دوست عاجز پرور اور دلنواز شخص بھی حاسدوں سے محفوظ نہ رہ سکا سچ ہے ع

گل ست سعدی و در چشم دشمناں خار ست

دربار شاہی میں ایک ایرانی عبید نامی تھا وہ فضل و کمال میں جب خسرو کا مقابلہ نہ کر سکا تو آتش حسد سے جل بھنکر کوئلہ ہو گیا۔ امیر خسرو پر طعن و تشنیع اور ان سے بغض و حسد ہی رکھنے کو اُس نے اپنا مایۂ ناز و افتخار سمجھا۔ صاحب شعر العجم کی بھی یہی رائے ہے شعر العجم کے الفاظ یہ ہیں "بعض بعض ایرانی شعرا قومی تعصب کو چھپا نہیں سکے عبید ایک شاعر جو امیر خسرو کا معاصر ہے کہتا ہے کہ غلط اوفتاد خسرو را الخ خسرو کا خمسہ جب طیار ہوا تو اس حیرت افزا

کمال نے اُسے ششدر تو کر دیا لیکن حسد سے مجبور تھا داد کیونکر دیتا اس لئے کہ یہ شیوۂ اہلِ ہنر ہی نہ طریق محسود۔ آخر ایک شعر میں اپنے حسد ہی کا اظہار کیا ؎

غلط افتاد خسرو را زخامی
کہ سکبا نخت در دیگ نظامی

ادبی مذاق رکھنے والوں سے یہ امر مخفی نہیں کہ اہل کمال کا ایک گروہ ایسا بھی گزرا ہے جسے معاصرین سے داد فضل کمال نہ ملی۔ بلکہ بعض ایسے شرکار فن جو اُن کے علو شان کے سمجھنے سے قاصر تھے اُنھوں نے نہ صرف اُن کے کمال کا انکار کیا بلکہ مطاعن کی بوچھار کی ہے۔ لیکن جبکہ معاصرت جو تنافر کی ایک قوی علت تھی مٹ گئی تو پھر اُس کا آفتاب کمال ایسا چمکا کہ اُس کے انوار میں تمام ہلکی اور دھیمی روشنیاں جذب ہو کر فنا ہو گئیں۔

یادش بخیر غالب دہلوی کی شان میں اُس کے بعض معاصرین نے کیا کیا کچھ نہ کہا کسی نے تو یہ کہا ؎

کلام میر سمجھے ہم زبانِ میرزا سمجھے
مگر ان کی کہی یہ آپ سمجھیں یا خدا سمجھے

کسی نے اُس کے دیوان کے حجم و ضخامت پر یہ شعر چسپت کیا ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

اس شعر کے کہنے والے آوج تخلص عبداللہ نام دہلی کے ایک شاعر گزرے ہیں جنھیں یہ ناز تھا کہ سات دواویں مرتب کر چکا ہوں اور آٹھواں زیر ترتیب ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں :۔

"ایک دن رستہ میں ملے دیکھتے ہی کہنے لگے آج گیا تھا اُنھیں بھی سُنا آیا۔ میں نے کہا کیا کڑک کر بولے ؎

ڈیڑھ جز پر بھی تو ہے مطلع و مقطع غائب
غالب آسان نہیں صاحبِ دیواں ہونا

پھر بیان کیا کہ ایک جلسہ میں مومن خاں بھی موجود تھے مجھسے سب نے شعر کی فرمایش کی میں نے ناسخ کی غزل پر غزل کہی تھی وہ سُنائی مقطع پر بہت حیران ہوئے ع

کہ جس کو کہتے ہیں چرخِ ہفتم ورق ہے دیوانِ ہفتیں کا

پوچھنے لگے کہ کیا آپ ساتواں دیوان لکھتے ہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں اب آٹھواں ہے چھپ گئے لیکن اب کہ وہ بساط لپٹ گئی۔ دنیا دیکھ رہی ہے کہ وہی ڈیڑھ جز کا دیوان ارباب بصیرت کی آنکھوں کی عینک بنگیا۔ اور عبداللہ خاں جو آٹھ دیوان چھوڑ گئے اُن میں سے آٹھ غزلوں کا بھی پتہ نہیں۔ آج وہ اشعار جو غالب کی شان میں طنزیہ کہے گئے تھے کیا کچھ بھی واقعیت رکھتے ہیں؟

وہ شعر اور اُن کے طعن آمیز اشعار کیا اس ثبوت میں پیش کئے جا سکتے ہیں کہ غالب کا کلام بے معنی و مُہمل ہے اور اسے صاحبِ دیوان نہیں کہا جا سکتا۔ چونکہ اُس کا

دیوان صرف ایک جلد ہی اور وہ بھی مختصر۔ پس کیا عبید کے اس شعر کو جو اسکی حاسدانہ طبیعت کی یادگار ہی اس ثبوت میں پیش کرنا کہ اہل ایران نے خسرو کو مثنوی نگار تسلیم نہیں کیا آفتاب پر خاک ڈالنا نہیں ہی؟

عبید کا افساد اور اُس کا انجام

صاحب منتخب التواریخ تغلق شاہ کا عہد بیان کرتے ہوئے ایک فتنہ کا یوں ذکر کرتے ہیں "دریں میان عبید شاعر مشہور مفتن معارض امیر خسرو علیہ الرحمۃ کہ ایں بیت ازاں بدبخت شہرت دارد غلط او فتاد الخ امیر در کثرت تصانیف از دست او و سعد سلمی شکایت ہا کردہ و شیخ زادہ دمشقی بہ تقریب دیر رسیدن ڈاک چوکی از دہلی بدروغ آوازہ در انداختند کہ سلطان تغلق نماند۔ و فتورے عظیم در اہل اسلام رفت" اس کے بعد فتنہ اور پھر اُس کے اندفاع کا ذکر ہے آخر میں مفسدین کا ذکر کرتے ہوئے یوں لکھتا ہی "عبید نیز ہم چناں منکوب بدست آمد و ایں جماعت را باخیل و تبار زیر پائے فیل انداختند در سنہ احدی وعشرین وسبعماۃ" تاریخ فیروز شاہی میں مولانا ضیاء برنی کے الفاظ عبید کے متعلق یہ ہیں۔ بدبخت خبیث فتان مشطط"

اس عبارت سے صاف واضح ہی کہ عبید ایک مفسد فتنہ پرداز بے مایہ اور معمولی قابلیت کا شخص گزرا ہی شعر و سخن میں اُسے کچھ دخل ہی لیکن اس فن میں اس کا کوئی خاص پایہ نہیں اُس عہد میں عبید جیسے شاعر ہندوستان کے ہر گلی کوچے میں تھے۔ اُس کے اخلاق کی خامی و کمزوری اُس کی فتنہ پردازی و فساد انگیزی سے ظاہر ہے۔ کسی تذکرے میں بھی فقیر کی نظر سے یہ نہیں گزرا کہ اُس کے ثبوت شاعری میں

اُس سے کیا یادگار ہے نہ عبید کا دیوان ہے نہ مثنوی نہ قصائد۔ نہ کوئی اُس کے فضائل علمیہ ہی کا معترف ہے۔

خسرو کا اتباع اور اہل زبان

خسرو علیہ الرحمۃ کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ ہندوستان میں پیدا ہوئے اسی جگہ نشو و نما پایا۔ اسی سرزمین میں اُن کی تعلیم و تربیت ہوئی لیکن کلام کا ایسا نمونہ چھوڑ گئے کہ اہل ایران نے اُس کی تقلید کی خسرو کے قصائد اہل ایران میں ایسے مقبول ہوئے کہ سلمان ساوجی وغیرہ نے بھی اُسے نمونہ بنا کر طبع آزمائی کی ہے جو شہادتیں کہ اوپر مذکور ہوئیں اُن سے اہل ایران میں کلام خسرو کی مقبولیت اور اہل زبان میں خسرو کے صاحب فن ہونے کا اعتراف بخوبی ثابت ہوتا ہے۔

ایک سطحی اعتراض اور اُس کا جواب

یہ اعتراض کہ خسرو علیہ الرحمۃ نے مولانا نظامی کے رنگ میں مثنویاں کیوں لکھیں انھیں داستانوں کو کمر نظم میں کیوں لائے یہ کوئی اعتراض نہیں ہے بلکہ تعصب کا نتیجہ ہے اس کا جواب پھر کیا دیا جائے۔ دنیا میں شاید ہی کسی موضوع پر ایسی کتاب کسی نے لکھی ہو جس موضوع پر اُس سے بعد آنے والوں نے اپنی قوت دماغی نہ صرف کی ہو بلکہ کبھی کبھی اتحاد موضوع کے ساتھ اتحاد اسم بھی پایا جاتا ہے۔ امام غزالی کی مشہور تصنیف تھافۃ الفلاسفہ ہے لیکن اسی نام کی اور دو کتابیں بھی موجود ہیں۔ ان تینوں کا موضوع ایک ہے لیکن انداز بیان ترتیب فصول سب میں جداگانہ ہے۔ شرح تجرید کے حواشی دیکھو دو نامور محقق یکے بعد دیگرے اُس کا حل لکھتے ہیں اور دونوں کے حواشی کا ایک ہی نام ہے یعنی قدیمہ۔ اسی طرح شیخ

بوعلی سینا کی معرکتہ الآرا کتاب اشارات ہے اُس کی بھی دو شرحیں ہیں اور دونوں شرح اشارات سے موسوم ہیں۔ شعر و شاعری میں جہاں صرف طبع آزمائی ہوتی ہے اُس میں اگر ایک ہی داستان کو دو شاعروں نے نظم کیا تو یہ اعتراض کیونکر ہو سکتا ہے۔ زورِ طبیعت کا اُسی جگہ صحیح اندازہ ہوتا ہے جہاں ایک ہی مضمون کو دو شخص بیان کریں اس سے ہر ایک کی قوتِ فکریہ کا زور اور اُس کی رسائی معلوم ہوتی ہے۔ بدیں وجہ خسرو شیریں، مجنوں و لیلیٰ و داستان بہرام گور متعدد شعرا نے نظم کی ہیں جن میں سوائے امیر خسرو کے سب اہلِ زبان ہیں۔ پھر خسرو پر اس اعتراض کی تخصیص کیا ہے۔ خسرو نے نام رکھنے میں جو صنعتِ قلب سے کام لیا ہے اُس سے ایک لطف پیدا ہو گیا۔ مثلاً مولانا نظامی کی کتاب کا نام لیلیٰ مجنوں ہے اور ان کی مثنوی کا مجنوں لیلیٰ۔

اساتذۂ فن کے کلاموں پر جن کی نظر ہے اُن سے یہ امر مخفی نہیں کہ ایک ہی مضمون ہوتا ہے جسے ہر ایک شاعر کہتا ہے لیکن ہر ایک کا انداز جدا ہے ایک کی بندش الگ کہیں اگلوں کے کلام میں لطافت ہوتی ہے اور کہیں پچھلے اُس مضمون کو زیادہ پُر تاثیر بنا دیتے ہیں۔ مثلاً سعدی کا ایک شعر ہے۔

پہلی مثال

بجز ایں گنہ ندارم کہ محبِ مہربانم ۔۔۔ بچہ جرمِ دیگر از من سرِ انتقام دارد

اسی مضمون کو خسرو کہتے ہیں ؎

گفتم کہ نہیں ترا غلام ۔۔۔ گر ہست گناہِ من ہمیں ست

خسرو کے شعر کا لطف ظاہر ہی صرف ایک لفظ غلام نے وہ خوبی پیدا کردی ہی جو محب و مہربان کے دو لفظوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی۔ اُس پر گناہ کا اقرار حرف شرط کے ساتھ ایک عجیب لطف دے رہا ہی۔

کیا خسرو پر یہ اعتراض کیا جائے گا کہ جبکہ سعدی کا شعر موجود تھا تو پھر اس مضمون کے ادا کرنے میں کیوں وقت ضائع کیا گیا۔

دوسری مثال

خسرو کا ایک شعر ہی ؎

گفتہ بودے خسرو ادر خواب رُخ بنمایمت　　ایں سخن بیگانہ را گو آشنا را خواب نمیت

اسی مضمون کو جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

گفتی شبے بخواب تو آیم دلے چہ سود　　چوں من بعمر خویش ندانم کہ خواب چیست

خسرو جن کا زمانہ جامی سے بہت پیشتر ہے جبکہ اُن کا ایسا پر لطف شعر موجود تھا تو پھر جامی کو ایسا شعر لکھنا جو لطف میں بھی خسرو کے شعر سے پیچھے ہی کیا ضرور تھا۔ کیا یہ اعتراض مولانا جامی پر ایک فضول ولا یعنی اعتراض نہیں ؟

تیسری مثال

میر تقی میر کا ایک شعر ہی ؎

جاتا ہے آسماں لئے کوچہ سے یار کے　　آتا ہے جی بھرا در و دیوار دیکھ کر

غالب دہلوی کہتا ہی ؎

سر پھوڑنا وہ غالب شوریدہ حال کا　　یاد آگیا ہمیں تیری دیوار دیکھکر

خلاصہ یہ کہ کوئی مضمون جسے متقدم نے کہا ہو اگر اُسے کوئی متاخر کہے تو اگر دونوں کے کلام میں باعتبار بندش و ترکیب الفاظ مساوات ہو تو فضل متقدم کی طرف ہوگا۔ لیکن اگر متاخر نے اُس میں کوئی لطف پیدا کیا تو پھر یہ مضمون اُس کا ہو جائے گا اور یہ ایک طرح کی صنعت شمار کی جاتی ہے جسے ابداع کہتے ہیں۔

جواب کا دوسرا حصہ | یہ واقعہ ہے کہ ہر شاعر کی طبیعت ایک خاص رنگ رکھتی ہے اور اُس کے بیان کا اسلوب ایک خاص طرز رکھتا ہے۔ اکثر کلام اُس کا اُسی رنگ و روش میں پایا جاتا ہے۔ لیکن کبھی کبھی وہ اپنے مخصوص طرز سے علیحدہ ہو کر کسی دوسرے طرز میں بھی طبیعت کی جولانی دکھاتا ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری روش بھی اُس کی قدرت سے باہر نہیں۔

مثلاً غالب کی نازک خیالی اور دقت پسندی ضرب المثل ہے جیسا کہ وہ خود کہتا ہے

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل　　سن سن کے اُسے سخنوران کامل

آسان کہنے کی کرتے ہیں فرمایش　　گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل

لیکن جب کبھی اُس کا جی چاہتا ہے تو اپنے خاص رنگ سے علیحدہ ہو کر سہل کہنے پر جو آتا ہے تو سہل ممتنع میں بھی اپنی اُستادی ثابت کر دیتا ہے۔ مثلاً اُس کی ان غزلیات کو دیکھئے جن میں سے ایک ایک شعر یہاں درج ہے ؎

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے

کب وہ سُنتا ہی کہانی میری　　اور پھر وہ بھی زبانی میری
ہو چکیں غالبؔ بلائیں سب تمام　　ایک مرگِ ناگہانی اور ہے
منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید　　نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

خسرو اور مجتہدانہ طبیعت خسرو علیہ الرحمۃ ایک مجتہدانہ طبیعت لے کر اس عالم کون و فساد میں آئے تھے۔ ناظرین تھوڑا صبر کریں نواب حاجی محمد اسحٰق خاں صاحب کے جود و کرم کا چشمۂ فیض عنقریب اُنھیں سیراب کر دے گا۔ بہت بڑا حصہ کلام خسرو کا تصحیح و مقابلہ کی منازل سے گزر کر تنقید و تقریظ کے مقام تک آچکا ہی۔ جس وقت خسرو کا کلام ناظرین کے سامنے ہوگا اُس وقت یہ فیصلہ خود بخود ہو جائے گا کہ بیشک خسرو میں مجتہدانہ قابلیت موجود تھی۔ آپ کی مثنوی تغلق نامہ، خضر خاں و دیول دیبی اور مثنوی نہ سپہر آپ کی جدت و جودت آفرینِ طبیعت پر گواہ ہیں یہ تینوں تاریخی مثنویاں ہیں۔ واقعات ایسی صحت سے لکھے گئے ہیں کہ اُس عہد کی بہترین تاریخیں مثنویاں ہیں تاریخی بحث ایک خشک مضمون ہی لیکن خسرو نے اپنی جادو بیانی سے ایسا رنگین اُسے کر دیا ہی کہ تاریخ اپنی صحت کے ساتھ باقی رہی اور مضمون میں دلکشی و دل آویزی پیدا ہو گئی۔ نہ سپہر کی ترتیب بھی ایک جدت رکھتی ہی۔ اس مثنوی کے نو باب ہیں ہر باب کو سپہر سے تعبیر کیا ہی۔ پھر ابتدا نویں آسمان سے کی ہی اُس کے بعد آٹھواں پھر ساتواں اسی طرح پہلے سپہر پر خاتمہ ہے۔ ہر سپہر کا عنوان آخر میں ہوتا ہے اور ہر سپہر کی بحر ایک نئی بحر ہوتی ہی۔ اس طرح یہ مثنوی نو بحروں پر مشتمل ہی خسرو کی اس مثنوی کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔ بعضوں نے سبحۃ الابرار جامی کے متعلق یہ لکھ دیا کہ

یہ مثنوی نہ سہ کے ہم رنگ ہے۔ بغیر کتاب دیکھے جو اجتہاد و قیاس کیا جاتا ہے وہ ایسا ہی خلط ہوتا ہے لیکن خمسہ میں خسرو نے اپنی روش چھوڑ کر حضرت نظامی کی روش اختیار کی ہے اور یہ ثابت کر دیا کہ اس روش میں بھی مثنوی کہہ سکتا ہوں۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

میخواست بسے دلِ ہوس باز — کز سحرِ قدیم نو کنم ساز
پے برپئے او چناں کہ دانم — گفتم قدمے زدن توانم
از شیوۂ خود رمیدہ گشتم — تسلیمِ ہماں جریدہ گشتم
چیدم بقلم نمونہ پیش — بردم زمیاں تکلفِ خویش
زاں کردہ ام ایں نوائے خوش ساز — تا گوشِ زمانہ را کنم باز
ذوقے کہ دریں دمِ حیات ست — ہمیشۂ اولیں نبات ست

خسرو علیہ الرحمۃ اپنی مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق آخر شعر میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اولیں نبات (یعنی لیلیٰ مجنونِ نظامی) کی ہمیشہ ہے۔ جس طرح کہ یہ مثنوی مجنوں لیلیٰ کے متعلق دعوے کیا گیا ہے دیگر مثنویوں کے متعلق بھی کیا جا سکتا ہے خود اسی مثنوی ہشت بہشت کو بخیال نکتہ چینی اول سے آخر تک اٹھا کر پڑھ جائے۔ کسی جگہ اور کسی موقع پر کسی قسم کا مضمون آپ ایسا نہ پائیں گے کہ اس کو آپ کسی مضمون کی نقل خیال کر سکیں یا پیش رو اور پیرو کا فرق محسوس ہو اگرچہ وہی قصہ ہے وہی داستان وہی عالم ہے وہی جہان۔

دیکھئے متاخرین اہلِ کمال نے جو امام فن مسلم ہو چکے ہیں جب کسی متقدم کی غزل پر غزل لکھی تو چند اشعار میں بھی وہ اس نقصان کو پوشیدہ نہ کر سکے اور یہاں دفتر کے دفتر

موجود ہیں مگر ممکن نہیں کہ کوئی منصف شخص یہ کہہ سکے کہ یہ نقل ہے اور وہ اصل یا یہ اصل ہے اور وہ نقل۔

نظامی و خسرو کا مقابلہ نہایت تفصیل سے مثنوی میں مولانا نظامی کا کمال ابھی ہم بیان کر چکے ہیں لاریب مولانا کی مثنویاں باوجود بیشمار جوابوں کے بھی آج تک لاجواب رہیں۔ خود امیر خسرو کی بے نظیر انصاف پسندی بار بار مولانا کے کمال کا اعتراف کرتی ہے۔ مثنوی مجنوں لیلیٰ میں اُن لوگوں کو جو خسرو پر نظامی کا نام لے کر طعن کیا کرتے تھے مخاطب بنا کر فرماتے ہیں ؎

گر ما ز ہنر تہی میانیم	بارے تو بگوی تا بدانیم
از دعوی این خیال بنجی	ناگفتہ ملاف تا نہ رنجی
بنود چو فسانۂ تو نامی	بیہودہ چہ لافی از نظامی
گفتی دمِ اوست مُردہ رازیست	آں زانِ دلیست زانِ تو چیست
گزاں قدح آری آبخوردم	بے گفتِ تو اعتراف کردم

یہ واقعہ ہے کہ مولانا نظامی نے بغیر کسی نمونہ کے صنف مثنوی کو ایسا آراستہ و پیراستہ کیا کہ سو برس تک تو کسی کی ہمت مثنوی لکھنے کی نہ ہوئی۔ اور بعد سو برس کے جنھوں نے مثنویاں لکھیں تو وہ نظامی جیسی کوئی نمایاں ترقی نہ کر سکے۔ اس لئے کہ وہ اس مرتبۂ کمال تک مولانا کے پُرزور قلم سے پہنچ چکی تھی جو انسان کی قوۃ فکریہ کی انتہائی منزل ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ مولانا نظامی جس روش کے موجد ہونے کا فخر رکھتے ہیں

اُس کے مکمل ہونے کا بھی سہرہ اُنھیں کے سر ہے۔ یہ دو کمال یعنی ایجاد و تکمیل مولانا کے ایسے ہیں جن میں کوئی اُن کا ہمسر نہیں خسرو کا نظامی سے جب مقابلہ کیا جائے گا تو یہ حیثیت ضرور ملحوظ ہو گی۔

نظامی کی فارغ البالی خسرو علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ مولانا نظامی یک فنی تھے طبیعت کا سارا زور مثنوی پر ختم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کا فراغ عطا فرمایا تھا مولانا کو نہ کوئی دوسرا خیال تھا نہ طبیعت پر کسی طرح کا بار۔ اطمینان و سکون سے کلام میں کمال پیدا کرتے رہے۔ خسرو کے وہ اشعار یہ ہیں ؎

او زان ہمہ فکرِ گوہر آمائے — نہ نہاد زیک وشش بروں پائے
وانگہ زجہاں فراغ جستہ — وز شغلِ زمانہ دست شستہ
بائے نہ بدل مگر ہمیں بار — کارے نہ دگر مگر ہمیں کار
کوشش ہمہ در سخن سگالی — خاطر زہر التفات خالی

اس کے بعد اپنے متعلق فرماتے ہیں کہ میں مسکین ہوں بندگی سے چارہ نہیں پیٹ کے لئے مزدوری کرتا ہوں صبح سے شام تک اپنے ہی جیسے انسان کے آگے پاؤں پر کھڑا رہتا ہوں۔ اس محنت و ملازمت کا جب صلہ دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق محنت و مزدنیں دیتے بلکہ احسان کر رہے ہیں۔ خود خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مسکیں منِ مستمندِ بیہوش — از سوختگی چو دیگ در جوش

شب تا سحر از صباح تا شام — در گوشۂ غم نگیرم آرام
باشم ز برائے نفسِ خود رائے — پیشِ چو خودے ستادہ بر پائے
تا خوے نرود ز پائے تا سر — دستم نشود ز آبِ کس تر
مزدے کہ دہند منتِ داد — واں رنج کہ من برم ہمہ باد
چوں خر کہ علف کشد بزاری — ریزند جوش و لے بخواری

باوجود اس کے خسرو کا یہ کتنا بڑا کمال ہے کہ خمسہ نظامی کے بعد انھیں کا خمسہ جگہ پاسکا۔ حالانکہ جلال فراہانی، خواجو کرمانی، عماد فقیہ کرمانی۔ مولانا کاتبی۔ ہاتفی وغیرہ وغیرہ سبھوں نے طبع آزمائیاں کیں لیکن اہلِ زبان ہونے پر بھی خسرو کے مقابل نہ ہوسکے۔ اس پر بھی اگر کسی کو خسرو کا کمال نہ دکھائی دے تو اس کا کیا علاج۔ خسرو علیہ الرحمۃ نے مثنوی قران السعدین میں اس کا بہت ہی اچھا فیصلہ کردیا ہے ؎

بازکے را کہ حسد رہ زند — زخمہ دریں رہ نہ یکے۔ دہ زند

جس کی راہ حسد نے مار رکھی ہے — وہ ایک چھوڑ دس اعتراض کرے گا

گر بمثل صد ہنر آرم ز غیب — ہیچ نگاہے نکند۔ جز بہ عیب

مثلاً اگر میں سو ہنر کی باتیں پیدا کروں — تاہم حاسد عیب کی ہی طرف نظر کرے گا

صد سخن راست نگیرد بہ ہیچ — یک رقم کژ کند انگشت ہیچ

سو اچھی شعر اس کے نزدیک بے قدر ہیں — لیکن ستم ایک بھی ہو تو اسے انگشت نما بنائے گا

گر بہ ازیں ست گہر سفتنش　　عیب بود عیب کساں گفتنش

اگر اُس کی سخن طرازی مجھ سے بہتر ہے　　تو دوسروں کی عیب چینی خود اُس کے لیے عیب ہے

ور کم ازیں مایہ رسیدش زغیب　　طفلِ رہِ ماست زطفلاں چہ عیب

اور اگر اُس کا کلام مجھ سے پست ہے　　تو وہ ابھی اِس راہ میں بچہ ہے بچوں کے کہے کا بُرا ماننا کیا

الحمدللہ کہ اُن مضامین سے فرصت ملی جن کی ترتیب علاوہ تنقید ہشت بہشت کے فقیر کے متعلق کی گئی تھی مولیٰ تبارک وتعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اُس جناب کا اسے مقبول وپسندیدہ فرمائے جس کے کلام وکمال کا نمونہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

آخر میں اُس بزرگ ومخلص کی دُعا کا خواستگار رہوں جس کی پیہم سرگرمیوں نے مجھ جیسے کاہل وناکارہ کو بھی معطل نہ چھوڑا۔ فجزاہ اللہ عنی خیر الجزاء۔

*

مثنوی ہشت بہشت

مثنوی کی بنا اور اُس کے ادوار

باخبر رہ روان علم سے یہ امر مخفی نہیں کہ رودکی نے سب سے پہلے مثنوی کی بنیاد رکھی۔ فردوسی نے اوس پر ایک شان دار عمارت قائم کی۔ مولنا نظامی رحمۃ نے اوس محل کو آراستہ اور نقش ونگار سے پیراستہ کیا۔ امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سو برس بعد اوس پر ایسی نظر افروز قلعی چڑھائی جسے دیکھکر ان سے بعد آنے والے شعرا اپنی طبیعت کو قابو میں نہ رکھ سکے اور ہر ایک نے اپنے اپنے عہد میں اس بات کی کوشش کی کہ اس محل دلکشا میں کہیں میرا کمال بھی آویزاں ہو جاے۔ لیکن اہل معانی وسخن شناس باانصاف جانتے ہیں کہ اُن اہل کمال کی تمنائیں کہاں تک سرسبز ہوئیں ؎

المنۃ للہ کہ حق بیں ہیں یہ آنکھیں　　احسان خدا کا کہ یہ دل گھر ہے خدا کا

مثنوی ہشت بہشت

اس وقت پیش نظر امیر علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت ہی جو آپ کے خمسہ میں باعتبار ترتیب تصنیف سب سے آخر دور کی پر جوش صہباے عرفان کا پیمانہ ہی۔ جیسا کہ خود اس کتاب میں ہم نشین علی کی زبان سے فرماتے ہیں ؎

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف　　تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

امیر صاحب نے اس مثنوی کو ۷۱۸ھ میں تحریر فرمایا ہی۔ اوس وقت

آپ کی عمر اکیاون سال کی تھی۔ کل اشعار اِس کے تین ہزار تین سو پچاس ہیں جیسا کہ اِن اشعار سے ظاہر ہے ؎

همه بیتش بگاه عرض شمار　　سه صد و پنجه آمد و سه هزار

سال هجری یکے و هفصد بود　　کیں بنا برد سر بچرخ کبود

بحر اس کی خفیف مسدس مخبوں مقصور ہے۔ یعنی فاعلاتن مفاعلن فعلات یوں تو شاعر کے آخر عمر کا کلام سابق کے کلام سے پختگی و برجستگی صفائی و استواری میں بڑھ کر ہوتا ہی ہے لیکن امیر صاحب نے کوشش بھی کی ہی کہ اس کتاب میں شاعری حد کمال تک پہونچ جائے۔ فرماتے ہیں ؎

کوشش کیں خط چنان نگاری چیست　　کہ فسزوں آید از چہار نخست

کاولیں نکتہ گرچہ چیست بود　　آخریں بہتر از نخست بود

چنانچہ جب یہ مثنوی تمام ہوچکی تو امیر صاحب نے اوس کو ویسا ہی بہتر و برتر پایا جیسا کہ اون کی تمنا تھی۔ اپنی اِس کامیابی کی طرف بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

گر بود نافتد خزانۂ راز　　داند اندیشۂ مرا پرواز

مثنوی بمقابلہ دیگر اصناف نظم کے

اِن جزئیات کے بعد دو باتوں کا بیان کر دینا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔ اوّل یہ کہ شاعر مثنوی لکھنے کے قابل کب ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ کون سے محاسن ہیں جن سے مثنوی کی آرائش تمام ہوتی ہے۔ امر اوّل کے متعلق ارباب تحقیق کی یہ رائے ہے کہ شاعر مثنوی اس وقت

لکھتا ہے جب کلام پر اوس کو پوری قدرت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ کسی واقعہ کو نظم میں بیان کرنا وزن و قافیہ کا سبنھالے رکھنا شاعرانہ تخیل کو ہاتھ سے نہ دینا برائے بیت الفاظ کا داخل نہونا اور ربط کلام پر خیال رکھکر مسلسل واقعات کا بیان کرنا نہایت ہی اہم و معرکۃ الآرا رہے۔ اسلئے مثنوی نظم نگاری میں اعلیٰ درجہ کا فن شمار کیا جاتا ہے۔ امر دوم کے متعلق سخن سنجوں کی یہ رائے سدید ہی کہ چھ باتیں ہیں جو مثنوی کے لئے ستہ ضروریہ کہی جاسکتی ہیں (۱) آداب سخن کی پاسداری و نگہداشت (۲) قافیہ کا ردیف کے ساتھ دست و گریبان ہونا اور صحت قوافی کا لحاظ (۳) شاعرانہ علم کلام اور قیاس شعری کی قوت (۴) کسی خاص مضمون کو طرق مختلفہ سے بیان کرنا۔ مثلاً آفتاب کا طلوع و غروب صبح و شام کی جلوہ آرائی۔ گلوں کے قہقہے۔ بلبلوں کے چہچہے۔ معشوقوں کے سراپا کے مرقعے۔ عشاق کی مجبوری و حرماں نصیبی کے نقشے۔ ہمکناری کے شوق۔ ہم آغوشی کے ذوق وغیرہ وغیرہ (۵) صنایع و بدائع لفظی و معنوی و مراعات النظائر (۶) سب سے آخر مگر سب سے اہم تسلسل ہے۔ یعنی واقعات کے سلسلہ کی کوئی کڑی نکلنے نہ پائے جس شخص کا بیان ہو اوس کی ہیئت و شان کا لحاظ ابتدا سے انتہا تک قایم رہے۔ شعرا نے مثنوی کے لئے جو بحریں اختیار کی ہیں وہ سب چھوٹی بحریں ہیں قافیہ چھوڑ کر دو تین لفظوں میں مصرعہ پورا ہو جاتا ہے اب شاعر کا کمال یہ ہے کہ اونھیں دو تین لفظوں میں واقعہ نگاری۔ سخن آفرینی اور

کلام کی سلاست و روانی کا جوہر دکھا دے۔

مثنوی ہشت بہشت کا درجہ

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی ہشت بہشت اس وقت پیش نظر ہے وہ اِن نکات کو خوب سمجھے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ زباندان ہو کر جب کسی اہل زباں کے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں تو کہتے اہل زبان ہیں جنکو اپنے دامن کی ہوا بھی پانے نہیں دیتے۔ آپ کی مثنوی ہشت بہشت تمام اُن محاسن سے آراستہ ہے جو مثنوی کے زیور قرار دیے جائیں۔ لیکن واقعات کے تسلسل اور استقصاے جزئیات میں ایسی کامل ہے کہ بلاخوف تردید یہ کہا جا سکتا ہے کہ اِس وصف خاص میں کوئی مثنوی اس کی ہمسری کا دعویٰ کر نہیں سکتی چاہے متقدمین کی ہو یا متاخرین کی۔ یہ مثنوی بھی اپنی سابق کی چار مثنویوں کی طرح سلطان علاء الدین خلجی کے نام سے معنون ہے۔ فلسفہ تاریخ سے آشنا جب عہد علائی پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے اور پھر اس مثنوی کو پڑھتا ہے تو نصیحت گری کا یہ انوکھا طرز اور تنبیہ و بیداری کا جدید پر لطف سبق دیکھکر بے اختیار کہہ اوٹھتا ہے ؎

خوشتر آں باشد کہ سرِ دلبراں گفتہ آید در حدیث دیگراں

اس تمہید کے بعد مقصود یہ ہے کہ مثنوی کے جن محاسن کا بیان مجملاً ہوا۔ اور جنکے متعلق ہشت بہشت میں پایا جانا کہا گیا اُن امور کی تفصیل و تمثیل مثنوی ہشت بہشت کے اشعار لیکر کر دیجاے۔ ہر چند مثنوی ہفت پیکر مولنا نظامی کے ساتھ ساتھ اگر اشعار کی خوبی بیان کی جاتی تو لطف مزید حاصل ہوتا۔ لیکن یہاں صرف خسرو

کی شاعری کا کمال دکھانا ہے کہ اِس کتاب میں آپ نے کہاں تک قادرالکلامی کی داد دی ہے اور مثنوی کا حق کس حد تک ادا کیا۔ رہا حضرت نظامی کی ہفت پیکر سے مقابلہ اُس کا بیان آیندہ آئیگا اگرچہ خسرو جیسے باکمال وجامع شاعر کے کمال شاعری کا اظہار مجھ جیسے بے بضاعت کے لئے درخور حوصلہ نہیں ہوسکتا ؎

دامانِ نگہ تنگ وگل حسنِ تو بسیار گلچینِ بہار تو ز داماں گلہ دارد

مگر محض بخیال امتثال امر جا بجا سے گلہائے مضامین لیکر ایک گلدستہ طیار کیا جاتا ہے خدا اسے مقبولیت عطا فرمائے ؎

الٰہی رنگِ تاثیرے کرامت کن فغانم را بموجِ اشکِ بلبل آب دہ تیغ زبانم را

مثنوی ہشت بہشت کے قصے

جو قصہ کہ اِس مثنوی میں منظوم ہوا ہے وہ بہرام گور (شاہ ایران) کی عیش پرستی کا ہے مولنا نظامی نے بھی اسی داستان کو ہفت پیکر میں بیان کیا ہے۔ بہرام گور کے متعلق تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس نے دیار عرب میں تربیت پائی تھی اور عربوں ہی کی گود میں اِس کا نشو ونما ہوا تھا۔ بہادر تھا شجاع تھا صید وشکار کا شوقین تھا لیکن طبیعت عیاشانہ پائی تھی جس پر ایران کی آب ہوا سے بہار چھا گئی تھی۔ اہل روم سے اُس کے کئی معرکہ ہوئے۔ میدان مصاف کی بارہا گرمی نے اُس کے جوہر شجاعت کو اور بھی چمکا دیا تھا۔ ہندوستان سے اُس کا تعلق تھا

چنانچہ ہندوستان کی ایک عورت اُس کے پاس تھی جس کے شمع حسن کا وہ پروانہ تھا۔ یہی عورت اُس کے ساتھ صید و شکار میں بھی رہتی تھی اور غالباً یہی دلارام ہے۔ شکار کا شوقین تو تھا ہی اتفاقاً ایک روز کسی گورخر کا تعاقب کرتے ہوئے ایک کوئیں میں آ رہا اور اوسی جگہ خود موت کا شکار ہو گیا۔ تاریخ میں بہرام کے متعلق جو کچھ ہے اوس کا خلاصہ اسی قدر ہے۔

مولٰنا نظامی نے ہفت پیکر میں چند ابواب خسرو سے زیادہ قائم کئے ہیں جن میں خاقان چین سے بہرام کی جنگ و فتح کا ذکر ہے کہیں اُس کے شیر مارنے کی تعریف کہیں اُس کے اژدہا مارنے میں بہادری کا تذکرہ۔ کچھ وہ واقعات ہیں جو اُسے مالک تخت و تاج ہونے میں پیش آئے ہیں غرض چھوٹے چھوٹے پندرہ بیس عنوان انہیں جزئیات میں ہیں۔ پھر اُن کے ذیل میں کہیں کوئی حکایت آجاتی ہے اور کہیں کوئی تمثیل۔ ان عنوانوں کے علاوہ وہ سارے ابواب ہفت پیکر میں موجود ہیں جو ہشت بہشت میں ہیں صرف مدح شیخ کا ایک عنوان (جیسا کہ عموماً خسرو کی مثنویوں میں ہوا کرتا ہے) اس مثنوی میں بھی موجود ہے ہفت پیکر میں نصیحت کا مخاطب بیٹا ہے اور ہشت بہشت میں بیٹی باقی تمام بیان ایک ہیں خسرو کی کتاب ہشت بہشت میں حسب ذیل اکیس ابواب ہیں۔

حمد۔ نعت۔ معراج۔ تعریف بادشاہ۔ خطاب بسوے بادشاہ۔ سبب تالیف نصیحت بدختر۔ صفت دلارام و شکار بہرام۔ رنجیدن بہرام و گذاشتن دلارام

آراستہ[۱۱] شدن محل بہرام۔ گنبد[۱۲] مشکیں۔ گنبد[۱۳] زعفرانی۔ گنبد[۱۴] ریحانی۔ گنبد[۱۵] گلناری گنبد[۱۶] بنفشی۔ گنبد[۱۷] صندلی۔ گنبد[۱۸] کافوری۔ وفات[۱۹] بہرام۔ خاتمہ[۲۰] شکرگزاری حق تعالیٰ۔ خسرو علیہ الرحمۃ بہرام گور کی داستان اِس طرح شروع فرماتے ہیں کہ بہرام کو گورخر کے شکار کا بہت ہی شوق تھا سوائے اُس کی ران کے اور کسی طرح کا گوشت پسند نہیں کرتا تھا۔ بغیر شکار گورخر اُسے چین نہیں پڑتا تھا۔

دلارام اوس کی معشوقہ ساتھ ہوتی تھی ایک روز کسی خلاف طبع امر پر خفا ہوکر بہرام نے اوس کو جنگل میں چھوڑ دیا۔ دلارام ایک گاؤں میں پہونچکر نغمہ سرائی سیکھتی ہے اور اوس کمال کی وساطت سے پھر بہرام کی معشوقہ بنتی ہے۔

بہرام کے وزیر دانا نے جب بہرام کا انہماک صید و شکار میں حد سے زیادہ دیکھا تو اوس نے اوس کے لئے ایک قصر عالیشان بنوایا۔ جس میں سات گنبد تھے گنبد کی رونق کا سامان یہ کیا کہ ہفت اقلیم کے بادشاہوں کے پاس عاقل و مدبر اشخاص شاہانہ تحائف کے ساتھ بھیجے اور اون سلاطین سے بہرام کے لئے اون کی لڑکیوں کی استدعا کی۔ قاصد کامیاب واپس آئے۔ ہر اقلیم کی شاہزادی ساتھ ساتھ لائے۔

وزیر نے ایک ایک گنبد میں ایک ایک شاہزادی کو جگہ دی۔ بہرام ہر رات ایک شاہزادی کے ساتھ ہم خواب ہوتا ہے۔ نیند آنے کے لئے شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ شاہزادی معذرت کرتے ہوئے پہلے

بہرام کو دعا میں دیتی ہے پھر قصہ شروع کرتی ہے اِس طرح اس میں سات قصے ہیں۔

ہر گنبد کا رنگ جداگانہ ہے جو شاہزادی جس گنبد میں ہے اوس کا لباس بھی گنبد ہی کے رنگ کا ہے۔ خود بہرام کا لباس بھی گنبد کی رعایت سے ہر شب نئے رنگ کا ہوتا ہے۔

جس روز جس گنبد میں جاتا ہے اوس میں ستارہ کے رنگ کا بھی لحاظ ہے اہل نجوم کے یہاں سبع سیارگان اپنا اپنا رنگ خاص رکھتے ہیں۔ کوئی سیاہ ہے کوئی سرخ۔ کوئی سبز اور ہفتہ کے ہر سات ایام یعنی شنبہ، یکشنبہ وغیرہ اونھیں سیاروں سے اپنا اپنا علاقہ رکھتے ہیں۔ غرض گنبد کے رنگ کی مناسبت کہیں نہیں چھوڑی گئی ہے آخر کار بہرام کا گورخر کے شکار میں ایک کوہ میں گر کر مرجانا ہے اور داستان کا خاتمہ ہے۔

مولنا نظامی نے بھی ان سارے واقعات کو بعینہٖ بیان فرمایا ہے لیکن وہ سات قصے جو شاہزادیوں نے کہے ہیں وہ دونوں کتابوں میں جدا جدا ہیں۔

خسرو کے قصص سب اون کی قوت متخیلہ کے نتیجے ہیں۔ قصے فرضی ہیں لیکن اسلوب بیان ایسا ہے جس سے فرضی واقعی معلوم ہوتا ہے برخلاف اسکے مولنا نظامی کے یہاں اسرائیلیات بھی داخل ہیں جن کے ہونے سے نہونا اچھا تھا۔

مولنا نظامی کے یہاں اثنائے قصے میں نصائح کا سلسلہ بھی آجاتا ہے جس سے کہیں کہیں داستان کا تسلسل جاتا رہتا ہے لیکن خسرو کے یہاں کوئی ایسا مضمون بیچ میں نہیں آتا ہے جس سے تسلسل میں کہیں بھی ربط جاتا رہے

داستان گوئی بجائے خود ایک بڑا فن ہے لیکن ہر عہد میں اس کا خاص طریقہ رہا ہے اوس زمانے میں اکثر قصے طلسم و جادو و دیگر وہمیات سے کامل ہوا کرتے تھے۔ اس زمانے میں قصہ و داستان کا جو مذاق ہے اوس کو اب سے چھ سو برس قبل تلاش کرنا فضول ہے یہ تو اپنے اپنے زمانے کا مذاق ہی اوس عہد اور اوس دور ایام میں قصص جسقدر محال و دور از عقل ہوتے سامع کی دلچسپی اوسی قدر زیادہ ہوتی۔

ہفت پیکر کے قصص اسرائیلیات کے سوا جو ہیں اوس عہد کی قصہ خوانی کے وہ صحیح نمونے ہیں خسرو علیہ الرحمۃ نے ہشت بہشت کے قصص کو دائرہ امکان میں لانے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ قصے ایسے دلچسپ لکھے ہیں اور جزئی سے جزئی باتوں کو بھی اس تفصیل سے بیان کیا ہے کہ یہ قصے جیسے کہ خسرو کے زمانہ سے میں دلچسپ تھے آج بھی اون کی وہی دلچسپی ہے۔

ہشت بہشت کے بعض قصے مغرب کے داستان نگاروں نے بھی پسند کئے اور اون کا ترجمہ انگریزی میں شائع کیا مثلاً بہشت دوم کا جو قصہ ہے وہ انگریزی فسانوں میں بھی موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح

خسرو کی شاعری بلند پایہ رکھتی ہے اوسی طرح داستان نگاری اور اُسکی تکمیل و ترتیب میں بھی اونھیں کمال ہے۔

حمد باری تعالیٰ کی حمد میں شاعر عموماً اسمائے حسنیٰ اور صفات الٰہیہ کی توضیح کیا کرتا ہے۔ اپنی قوت شاعری سے مضمون کو پھیلا کر اور طرح طرح کے نکات بیان کرکے داد سخن دیتا ہے۔ اب خوبی و کمال اس میں یہ ہے کہ حمد کا مضمون صفائی و چستی کے ساتھ اِس طرح بیان کیا جائے کہ قریب الفہم ہو اور سخن گذاری کا پیرایہ موثر ہو۔ ساتھ ہی اس کے کوئی تلمیح یا نکتہ تعبیہ کھکر اہل علم کے لئے ضیافت کا خوان بچھایا جائے تو نورٌ علیٰ نور۔

قدرت کا بیان

اِس وقت مثنوی مذکور کی حمد میں سے اسی قسم کے چند اشعار لیکر اون کی توضیح کی جاتی ہے خسرو اوس قادر مطلق کی قدرت کاملہ کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

ہر چہ نتواں زپادشاہی کرد　　کردی و مسکنی و خواہی کرد

سطوت و جلالت قوت و طاقت شاہی سب کو معلوم ہے۔ ان چیزوں کا ایک ناقص و ادنیٰ نمونہ جب چند دنوں کے لئے کسی کو سلطان ذیجاہ بناتا ہے تو تنک ظرفی کے سبب کاسۂ پر غرور میں ایسا سودا سما جاتا ہے کہ دائرہ امکان و حدوث سے قدم باہر نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ دیگر ابنائے آدم اپنے ضعف و کمزوری سے اوس کے غرور و پندار کو امر واقعی تسلیم کرکے اوس خیال باطل کو اور بھی راسخ

کر دیتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے اور واقعات اس وقت تک اوس کی تصدیق کرتے ہیں کہ تھوڑیسی قوت و قدرت جہاں انسان کو عطا ہوئی بس اوس نے خدائی کا دعویٰ کر کے اَنَا رَبُّکُمُ الاعلیٰ کا علم بلند کیا۔ رعایا و برایا اپنی بدعقلی و کم فہمی کا ثبوت دیتے ہوے اوس کی خدائی کا اقرار کرنے والے بھی ہوئی۔

عہد عتیق میں نمرود کا حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے مناظرہ کرنا اس کو اچھی طرح واضح کرتا ہے۔ احیا و اماتت کی حقیقت سے ناآشنا و جاہل اپنے زعم باطل کے موجب کہہ ہی اوٹھا کہ اَنَا اُحْیِیْ وَاُمِیْتُ حضرت ابراہیم نے بحث کا پہلو بدلکر یوں تقریر فرمائی اِنَّ اللّٰہَ یَاْتِیْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِھَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُھِتَ الَّذِیْ کَفَرَ یعنی اللہ تعالیٰ سورج کو پورب سے نکالا کرتا ہے تو اوسے پچھم سے نکال۔ اِس کا معارضہ وہ نہ کر سکا اور مبہوت ہو کر رہگیا۔

اگر خسرو اللہ تعالیٰ کے اوصاف بادشاہی کو پورے زور کے ساتھ چند ابیات میں بیان بھی کرتے تو یہ شان ظاہر نہو سکتی تھی اور منکر کو بھی کج بحثی کا موقع رہ سکتا تھا اب اس ایک شعر کی بلاغت قابل ہزار داد ہے۔ کس خوبی سے نمرود کے پورے واقعہ کی تلمیح موجود ہے اور کیسی مُسکت دلیل سے مخلوق پرستوں کی لب بندی کی ہے سلطنت کی قوت و قدرت تسلیم کرتے ہوے اوس کی بیمقداری اور ایک محدود دائرہ تک محدود زمانہ کے لئے اوس کا اثر کس طرح ثابت کیا ہے۔ اوس پر ایک چھوٹے سے مصرعہ "کردی و میکنی و خواہی کرد" نے ازمنہ ثلثہ کا احاطہ کر کے ازل سے ابد

تک اوس کی قدرت کا اظہار کر دیا جس کا دعویٰ تو کسی سے ہو بھی نہیں سکتا۔

کمال صنعت

حرفِ انگشت چوں زنست بمشت　　کس بحرفِ تو چوں نہد انگشت

وسوسہ شیطانی منکرالہ سے صنعت باری میں عیب جوئی کرانا چاہتا ہے۔ خسرو نے ایک ہی دلپذیر شعر میں یہ بتا دیا ہے کہ جن تو اوا عضا سے کہ تم اس بے ادبی کا ارتکاب کیا چاہتے ہو وہ بھی اوسی کی مخلوق ہے۔ اُسی کے حکم نے ایک مدت معینہ تک اون کو تمہارا مطیع بنا رکھا ہے جن انگلیوں سے اپنے زعم باطل میں تم اوس کے عیوب کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہو آخر یہ تمہاری مخلوق و پیدا کردہ تو ہیں نہیں ان میں احساس و حرکت کی قوت تمہاری خلق کردہ تو ہے نہیں پھر ایسا کرنا کیا سخت کفران نعمت نہوگا۔ کمال صنعت الٰہی کے بیان کرنے کا کیسا موثر پیرایہ ہے۔

ایجاد و اعدام

تو نگاری ز خاک صورت پاک　　تو توانیش باز کردن خاک

صانع کا کمال یہ ہے کہ جس طرح بنانے پر قادر ہو اوسی طرح بگاڑنے پر بھی قدرت رکھتا ہو۔ یوں تو اس عالم کون و فساد میں پہاڑ سورج چاند وغیرہ بہت سی بڑی بڑی چیزیں ہیں جن کے متعلق قدرت کا اظہار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ان چیزوں کا نیست کرنا جب ہوگا تب ہوگا۔ یہ چیزیں کن کن عناصر سے مرکب ہو کر رونق

بخش عالم ہوئی ہیں یہ تحقیق جب ہوگی تب ہوگی۔ مگر خاک سے پاکیزہ صورتوں کا پیدا ہونا اور چند روز تک اپنی بہار دکھا کر ایک غیر محسوس طریق پر نیست ہو جانا تو رات دن کا مشاہدہ ہے اور یہ عبرت کے لئے زود اثر ہے باعتبار دور کی چیزوں کے۔ اپنے اور اپنے سے قریب کی چیزوں میں غور و فکر کرنا زیادہ مناسب ہے ؎

احسان مانو حسن خداداد کا بتو　　پتھر تھے تم کو شیشے سے نازک بنا دیا

وفی انفسکم افلا تبصرون انسان کی پیدائش خاک سے ہے۔ گل بوٹے بھی خاک ہی سے پیدا ہوتے ہیں۔ کچھ سے کچھ ہو کر پھر خاک ہو جاتے ہیں۔ قیاس خطابی کا ایک عظیم دفتر صرف ایک شعر میں موجود ہے۔ نبات حیوان انسان ان کی بدایۃ و نہایۃ ان کا عروج و نزول ان کا عود الی المرجع ذرا چشم بصیرت سے اگر مطالعہ کیا جاے اور پھر یہ شعر پڑھا جاے تو شاعر کی قادر الکلامی کا پورا لطف حاصل ہو

ترغیب طاعت اور انعام الٰہی

بندگاں از بندگی شب و روز　　خواجگی بخش و بندگی آموز

بندگی سے خواجگی کیونکر حاصل ہو سکتی ہے اس کو تو وہی سمجھیگا جس نے عبودیت کا مزہ چکھا ہوگا ؎

دو کار ست با فرد فرخندگی　　خداوندی از تو ز ما بندگی

خسرو نے اس شعر میں بندگی و عبادت کی ترغیب جس دل آویز پیرایہ میں بیان کی ہے اوس کا لطف تو ارباب ذوق سلیم ہی پا سکتے ہیں۔ لیکن الفاظ

جہاں تک مدد کر سکتے ہیں وہ گزارش ہے۔ غور کیجئے وہ کونسا دل ہے جس میں خواجگی و سرداری کی تمنا نہیں۔ انسان تمام عمر جس کے حاصل کرنے میں سرگرداں و پریشان رہتا ہے وہ یہی خواجگی ہے اور غلط راہ روی کے سبب سے اکثر و بیشتر فرزند آدم صحیح معنوں میں خواجگی پانے سے محروم رہے اور رہتے ہیں پس امیر صاحب کا حمد میں یہ فرمانا کہ یہ بھی تیری شان کریمی کا صدقہ ہے جو بندوں کو بندگی سکھا کر تو خواجگی بخشتا ہے۔ جہاں ایک پاکیزہ الفاظ میں حمد الٰہی و ذکر نعمت جلیلہ ہے اوسی کے ضمن میں بندوں کو بندگی کی رغبت اور صحیح راہ خواجگی کی طرف رہبری بھی ہے ؎

خلاص حافظ از ان زلف تا بدار مباد　　کہ بستگان کمند تو رستگار انند

نعت | خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت شریف میں شعرا نے عجیب و غریب لطائف پیدا کئے ہیں۔ آپ کے معجزات آپ کے فضائل و کمالات کا شاعرانہ انداز سے بیان کرنا ہر ایک سخنور کے لئے تاج کرامت رہا ہے۔ لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے اس میں بھی جو جدت پیدا کی ہے وہ تمام متاخرین کے گلدستہ نعت میں گل سرسبد ہے۔ چند اشعار اس کے ملاحظہ ہوں۔

میم کا نکتہ

میم احمد کہ در احد غرق ست　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بندست　　یعنی ایں بندہ آں خداوندست

احمدؐ یا محمدؐ صلی اللہ وآلہ وسلم کی میم سے شاعروں نے بعد امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے طرح طرح کے نکات پیدا کئے۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

محمدؐ کش قلم چون نامور ساخت　　زمیمش حلقۂ طوق و کمر ساخت

خود امیر صاحب دوسری جگہ ایک اور طرز سے نکتہ سرا ہوئے ہیں ؎

میم احمدؐ را گزیدہ بعد ازاں　　خاتم مہر نبوت ساختہ

ان سب نکات سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سرداری و سروری کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے لیکن یہ نکتہ کہ آپ بندہ ہیں اس کی طرف یہ میم کیونکر اشارہ کرتی ہے اس کو امیر صاحب نے دکھایا ؎

تہی دست سلطان پشمینہ پوش　　گدائی خرد بادشائی فروش

جس طرح خسرو سے پیشتر کسی شاعر نے میم کے نکتہ کو بیان نہ کیا۔ اوسی طرح امیر صاحب سے بعد کے شعرا اس سے بہتر یا اس کے برابر نکتہ پیدا نہ کر سکے۔

انا من نور اللہ والخلق کلھم من نوری

پایۂ قدرش آسمان پیوند　　سایۂ نورش آفتاب بلند

ایک حدیث شریف میں وارد ہے لَمْ یَکُنْ لَہٗ ظِلٌّ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا۔ دوسری حدیث حضرت جابر سے یوں منقول ہے یَا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ نُوْرَ نَبِیِّکَ مِنْ نُوْرِہٖ قَبْلَ کُلِّ الْاَشْیَاءِ یعنی مرتبہ ایجاد میں اولیت نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اور تیسری حدیث اَنَا مِنْ نُوْرِ اللّٰہِ وَالْخَلْقُ کُلُّھُمْ مِنْ

نوری یعنی میں نورالٰہی سے منور ہوں اور تمام مخلوق میرے نور سے مستنیر ہے ان حدیثوں کی تلمیح اس شعر میں جس طرح واقع ہوئی ہے وہ امیر صاحب کے صاف فن ہونے کی دلیل ہے۔ مطلب شعر کا نہایت واضح ہے کہ آفتاب وغیرہ جتنی منورا شیا ہیں سب آپ کی ذات پر انوار سے اکتساب ضیا کرتے ہیں ؎

اوست خورو صبح و ثریا آفتاب　　صبح ز خورشید بود نوریاب

اس بنا پر آفتاب آپ کے نور کا سایہ ٹھیرا۔ تو جب سایہ آفتاب کے نور سے پیدا ہوتا ہے اور آفتاب خود سایہ آپ کے نور کا ہے تو آپ کا سایہ کہاں سے آئے آفتاب بلند میں ایک لطیفہ یہ بھی ہے کہ ہر چیز کا سایہ زمین پر گرتا ہے لیکن آپ کا سایہ اوپر ہے پس اوس کو کوئی زمین پر کیونکر دیکھے۔ اس سے ایک لطیف اشارہ علو مرتبۂ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہے یعنی اگر آپ کا سایہ دیکھنا چاہتے ہو تو نظر کو بلند کرو۔ جب فلک چہارم تک نظر کی رسائی ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھنے میں آئے۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ آفتاب باوجود اس کے کہ فلک چہارم پر ہے لیکن اپنی روشنی و گرمی سے عالم سفلی کو فیض پہونچا رہا ہے۔ اسی طرح وہ ذات گرامی باوجود اوس شان و عظمت کے جو خالق نے اوسے عطا فرمائی ہے تمام عالم علوی و سفلی کو جو اوس سے بدرجہا اوون و پست ہیں نعمتوں سے مالا مال فرما رہی ہے۔

ہستی از وے علم برآوردہ　　او تفاخر بہ نیستی کردہ

نعت میں اس شعر کا خسرو علیہ الرحمۃ کے قلم سے نکلنا مبدء فیاض کے فیض خاص کا نتیجہ ہے۔ فی الحقیقت کمال بندگی یہی ہے کہ بندہ اپنے کو معبود حقیقی کے مقابل میں نیست سمجھے۔

ع باوجود ت زمن آواز نیامد کہ منم۔ اور کمال عشق بھی یہی ہے کہ عاشق معشوق کے مقابل میں فنا ہو جائے ع زندہ معشوق ست عاشق مردۂ۔ پس بفحوائے لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ اگرچہ باعث وجود کل کائنات آپ ہی ٹھیرے لیکن چونکہ آپ کا دنیا میں تشریف لانا رشتۂ عبدیت و معبودیت کو صحیح اور سچے طریقہ سے جوڑنا تھا اور عبدیت اوس وقت تک کامل نہیں ہوتی جب تک فنائے کلی کا مرتبہ حاصل نہو۔ ان باتوں کا لحاظ کرتے ہوئے امیر صاحب کا نعت میں یہ فرمانا کہ "او تفاخر بہ نیستی کردہ" کیسا بلیغ و پر معنی مصرعہ ہے صاحب معرفت کے لئے دوسرا نکتہ یہ بھی ہے کہ اعلیٰ مرتبہ اوسی وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ مرتبہ ادنیٰ فنا ہو جائے مثلاً علقہ یعنی وہ کیڑا جس سے انسان پیدا ہوتا ہے اوس کی اپنی صورت نوعیہ جب فنا ہوئی تو اوس سے ایک اعلیٰ صورت انسانی کا اوسپر فیضان ہوا طفل شیر خوار کا ہر روزہ نمو اسی کا مشعر ہے۔ کہ ادون کے فنا سے اعلیٰ کا حصول ہے

پس درآور کارگہ یعنی عدم　　تا بہ بینی صنع و صانع را بہم

اس لئے وجہ تفاخر ظاہر لیکن یہ ایک صوفیانہ رمز ہے۔ اس کو وہی سمجھ سکتا ہے جسے شیخ نے فنا کے مراتب طے کرا کے نیست و ہستی کی لذت سے آشنا کیا ہو فتدبر و تشکر۔

منقبت اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین

دوستانِ دگر گزاں جمعند صبح را نور و شام را شمعند

صبح کی روشنی آفتاب سے ہے۔ اس لئے اصحاب رضی اللہ عنہم آفتاب ٹھیرے۔ صبح کے لئے نور اور شام کے لئے شمع مناسب رعایت ہے اس منقبت میں نکتہ یہ ہے کہ دن کا وقت کاروبار کے لئے ہے اور رات کا وقت عبادت کے لئے زیادہ مناسب کیونکہ یکسوئی خوب ہوتی ہے۔ پس امت دن کو کاروبار میں اور رات کو عبادت میں اون سے ہدایت پاتی ہے۔ دین و دنیا کے لئے اصحاب کا مقتدا ہونا رات دن کی رونق بلکہ اُن کے بقاے وجود کا سبب اون نفوس قدسیہ کے فیضان کو قرار دینا اصحاب کی عظمت اور تعلیم محمدی کی جامعیت و اہمیت کو بتاتا ہے۔ صرف ایک شعر میں اصحاب کرام کی سیر کن منقبت لکھنا امیر صاحب ہی کا کام ہے۔

مدح شیخ طریقت

حضرت امیر خسرو علیہ الرحمۃ میں جو حق شناسی و سپاس گذاری کا جوہر ودیعت کیا گیا تھا اوس کی چمک آپ کی تصانیف میں لعلِ شب چراغ ہے اسی بنا پر آپ کی مثنویوں میں ایک عنوان مستقل مدح شیخ طریقت کا ہر مثنوی نگار سے زیادہ ہے جس سے مقصود اظہار امتنان

وتشکر ہے۔

پیر کی مدح میں فرط محبت دائرہ اعتدال سے اکثر کو باہر کر دیتی ہے۔ مناقب و مدائح کا مطالعہ کرو تو اکثر ایسا پاؤ گے کہ اگر ممدوح کا نام نہ لیا جائے تو مناقب کبھی تو نعت سے اور کبھی حمد سے ٹکر کھا جاتے ہیں بادشاہوں کی مدح میں رؤسا و اراکین دولت کی شان میں جو قصائد لکھے گئے ہیں اور خاصکر متاخرین کے قصائد ان میں اسی سقم نے کلام کو بے جان کر دیا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ میں یہ کمال ہے کہ اون کی طبع سلیم سرمو دائرہ ادب سے تجاوز نہیں کرتی جیسا کہ حمد نعت منقبت ہر ایک کے لئے الفاظ خاص ہیں اور ہر ایک کے مراتب خاص ویسا ہی اس کا نمایاں فرق کلام خسرو کی ممتاز خصوصیت ہے اور یہی بیان کا کمال ہے ورنہ اگر خصوصیت اوٹھا دی جائے تو پھر کیا باقی رہ جاتا ہے۔ غرض شیخ طریقت کی مدح میں آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ حفظ مراتب کا بے مثل درس ہے اور کمال ولایت کا اظہار جن اوصاف سے کیا ہے وہ ولی شناسی کا حقیقی وصحیح معیار ۔ تمہید منقبت کو دیکھو کس طرح ادب سے مزین ہے ؎

چوں من از خوانِ نعتِ خواجۂ خویش — نعمتِ تازہ یافتم در پیش

زلہ کردم ازاں رقاقے چند — تا کنم توشۂ ابد پیوند

گندمی بود زلہ آدم را — خوانچہ نیز پورِ مریم را

زلہ کز رسولِ والا بود — نہ کم از آدم و مسیحا بود

کنم اکنوں ازاں نعیمِ جلال　　خوانچہ مدحِ شیخ مالا مال

تمہید میں پاس ادب دیکھ چکے۔ اب بیان مدح میں ایک ولی کی کس کمال پر مدح ہوسکتی ہے اس کو ان مدحیہ اشعار میں دیکھو۔

رہنما کی تعریف اور دسی کی شناخت

غوث عالم نظام ملت و دیں　　قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں

رہبرِ پیش بیں محمد نام　　زدہ پے بر پئے محمد گام

پاک روح اللہی بدینِ قوی　　زندہ دار شریعت نبوی

سبحان اللہ وجزاہ اللہ اپنے قلم میں وہ قوت کہاں سے لاؤں جس سے ان اشعار کی خوبی اس طرح صفحہ قرطاس پر کھینچ جائے کہ ہر سخن کا ہر خط و خال سامنے آجائے بہرحال دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ کمال رہبری کا کیسا اظہار کرتا ہے ارباب عقل کا یہ فیصلہ ہے کہ رہبر کی تین قسمیں ہیں ایک وہ باکمال جسے منزل مقصود کی راہیں معلوم و شواریوں پر اطلاع خطرات و مہالک سے واقفیت اون تدابیر کا عالم جن سے خطرات و موانع کا اثر نہ آنے پائے ایسا رہبر اپنے علم و بصیرت سے رہبری کرتا ہوا خطرات و مہالک سے بچاتا ہوا موانع کو ہٹاتا ہوا اپنے پیچھے آنے والوں کو سلامتی کے ساتھ منزل مقاصد تک پہونچا دیتا ہے۔ جیسا ایک ماہر ناخدا کہ وہ سمندر کی راہوں سے واقف مقام خطر سے آگاہ۔ مہالک سے بچ کر نکل جانے کی اوسے پوری اطلاع

دوسرا وہ ناقص رہبر جسے نہ راہ معلوم نہ خطرات کا علم لیکن ہر طرح کے خطرات پر غالب آنے کی قوت اوسے حاصل۔

تیسرا وہ مدعی باطل کہ نہ راہ کی خبر نہ دشواریوں کا علم نہ اون کے اندفاع کی قدرت نہ مقصد کا تعین۔

ان اقسام ثلثہ کو مدنظر رکھتے ہوے اس مصرعہ کو پھر پڑھو ع

رہبر پیش بیں محمدنام

رہبر کی صفت پیش بیں کیسی واقع ہوئی ہے اور منازل سلوک طے کرانے پر اوس کی کیسی قوت کا اظہار ہے اب دوسرا مصرعہ پڑھو جس سے یہ معلوم ہو جاے گا کہ یہ صفت اوس رہبر کو کیونکر حاصل ہوئی۔ اور اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں ہے۔ ع

زد پے بر پاے محمد گام

جس کا قدم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر ہو اوس کی رہبری حتمی منزل رساں کیوں نہو۔

اب تیسرے شعر کو دیکھیے جس حدیث کی تلمیح ہے اوس کے بیان کا کہاں موقع ہاں یہ قابل لحاظ ہے کہ حقیقی تصوف اور صحیح فقر مغز شریعت سے لذت آشنا ہونا اور سنن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک پیکر مجسم بن جانا ہے اُمت کا کمال ہی یہ ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اوس کا شعار و دثار

بن جائے جسقدر امت کا اتباع کامل اوسی قدر اوس کی توحید مضبوط مفہوم الوہیت صحیح عرفان کامل۔ حق جل مجدہ کی محبت سچی و واقعی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

مثنوی نگار کا یہ کمال ہے کہ جس شے کی تعریف کر رہا ہو اُس کے بیان توصیف کے لئے ایسے الفاظ لائے جو اوس کے ساتھ خصوصیت رکھتے ہوں اور یہ اوس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک بیان کرنے والے کا علم خود اوس کے تمام رموز و نکات سے آشنا نہو۔

یہ کمال خسرو علیہ الرحمۃ کے بیان میں ہر جگہ نمایاں پاؤ گے جس کی ایک کھلی مثال اشعار مذکورہ ہیں۔

کیمیا سنج کورۂ مقصود　　کردہ حل جملہ نقد ہائے وجود

داش از عشق خون دیدہ پر آب　　ایں ست کبریت احمر آں سیماب

کمال عشق اور قوت تکمیل

سالک کا سلوک ابتدا میں لازم ہوتا ہے پھر ایک مقام و وقت ایسا آتا ہے جہاں پہونچکر وہ اپنے منازل عروج بھی طے کرتا رہتا ہے اور دوسروں کی بھی دستگیری و رہبری کرتا ہے یعنی اپنی ذات سے کامل اور دوسروں کے لئے مکمل۔ جیسا کہ علوم متداولہ پڑھنے والے ابتدا میں پڑھنا شروع کرتے ہیں اور پھر ایک خاص استعداد علمیہ جسے فراغ تحصیل سے تعبیر کیا جاتا ہے جب انھیں

حاصل ہو جاتی ہے تو اپنی تحصیل و ترقی کے ساتھ دوسروں کے جل مٹنے اور اُنپر نقش علم جمانے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

ان اشعار میں شیخ کے وجود کو کامل و مکمل جن بلیغ استعاروں میں کہا ہے اوس پر غور کرو تو لذت عشق مزہ دے جاے گی۔ کورۂ مقصود کا کیمیا سنج کہنا کیسا نادر نکتہ ہے۔ کیمیا گر کیا کرتا ہے مس یعنی تانبا لیتا ہے اوس کو صاف کرتا اور گلاتا ہے جب اوس کے کثیف و ردی اجزا گل کر خاکستر ہو جاتے ہیں اور قابلیت طلا کی طرف مستحل ہونے کی پیدا ہو جاتی ہے تو اُس وقت اجزاے کیمیاوی ڈال کر کندن بنا دیتا ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ اپنے پیر دستگیر شیخ طریقت (رضی اللہ عنی بحرمتہ) کے کامل و مکمل ہونے کو اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ مقاصد میں جو اغراض فاسدہ و ہواے نفسانیہ کی آمیزش ہو گئی ہے جس سے حقیقی مقصد نہاں ہو گیا ہے اور جس تک پہونچنا اصل کمال ہے یہ مجسمۂ کمال و تکمیل پہلے اوسے غل و غش سے پاک کرتا ہے یہاں تک کہ مقصد حقیقی کی دلکش تصویر متعین و مشہود ہو جاتی ہے۔ اب کہ اوس میں قابلیت پیدا ہو جاتی ہے تو اجزاے کیمیاوی کبریت احمر اور سیماب جو اوس کے پاس ہیں اون کا ایک ذرہ اوس میں ڈالکر خالص طلا بنا دیتا ہے۔

اِس کیمیا سنجی کے لئے جسے اجزاے کیمیاوی قرار دیا ہے اوس کی خوبی ایک

اہل دل ہی سمجھ سکتا ہے کبریت احمر یعنی گوگرد سرخ طلا کے لئے اکسیر ہے اسی طرح عشق حقیقی عاشق کی روحی ترقیات کے لئے اکسیر ہے علاوہ اس کے عشق کی آگ مشہور ہے خود گوگرد بھی آتش انگیز چیز ہے پس جو دل کہ عشق کے باعث خون ہوگیا ہو اوس کی تشبیہ بلحاظ صوری ومعنوی کبریت احمر کے ساتھ نہایت نادر تشبیہ ہے۔ دوسری تشبیہ اس شعر میں اشک کی سیماب سے ہے اشک کو قرار نہیں ہوتا رو کو تو رک نہیں سکتا ع

ابھی رو کا تھا ان اشکوں کو پھر باہر نکل آئے

سیماب کی بے قراری ضرب المثل ہے نیز کشتۂ سیماب اکسیر ہے عشق کی بدولت سے اوس کے سب لوازم جمع ہو گئے کیمیا گری کا بھی نسخہ ہاتھ آگیا عشق الٰہی سے دلکو سوختہ کرو کیمیا کا یہ بے خطا نسخہ ہے ؎

سیماب کشتہ ہوئے تو مس کو طلا کرے　　دل جس کا کشتہ ہو وہ خدا جانے کیا کرے

برادران طریقت کی مدح

داں مردان رہروان یقیں　　ہر یکے واسطے ولایت دیں

ہمہ شیطاں کش و فرشتہ خدم　　در رہش بر ہوا نہادہ قدم

زندہ دار شب از دم تسبیح　　غلغل افگندہ در رواق مسیح

ہر سوا زشین شرع ساختہ تاج　　دل شاں عرش و سجدہ شاں معراج

ان اشعار میں اپنے برادران طریقت کی خسہ وعلیہ الرحمۃ نے مدح فرمائی ہے جو بالواسطہ

شیخ کی ہی مدح ہے۔ مرید کا کمال شیخ کے اثر فیض کا نتیجہ ہے پھر جس کمال کا اظہار ہے وہ وہی عبودیت، شریعت کی پابندی، راتوں کی بیداری سجدہ میں نیازمندی و خاکساری۔ آخر شعر میں ان دو حدیثوں کی تلمیح "قلب المومن عرش اللہ اور الصلوٰۃ معراج المومنین۔

شیخ کی مدح ختم ہوئی خاتمہ پر جس تذلل و عجز کا اظہار مخلصانہ دعا میں فرمایا ہے وہ خاکساری و شکستگی باہمی مودت و اتحاد قلبی کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

دعا اور باہمی اتحاد

ملک وحدت بنامِ ایشان ست　　بندہ خسرو غلامِ ایشان ست

نامِ من تا ں ستودہ کیشان باد　　حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

نصیحت بسلطان علاء الدین خلجی

شعرا نے اپنے اپنے بادشاہ وقت کو نصیحت کی ہے خسرو نے بھی نصیحت کی ہے لیکن علاوہ اور نصیحتوں کے امیر خسرو نے بادشاہ وقت کو خود اس کے نفس سے ڈرایا ہے اور یہ ایک عجیب جامع و نادر نصیحت ہے شعرا عموماً بادشاہوں کو دشمنوں کے غلبہ سے مظلوموں کی آہ سے پرہیزگاروں کی بددعا سے غرور و تکبر کے نتائج بد اور ازیں قبیل اور باتوں سے ڈراتے ہیں۔ شاہان سلف کے حالات سے عبرت گیری کی نصیحت کرتے ہیں لیکن یہ نصیحت کہ محافظ و پاسبان تو روپے کے بندے ہیں تم ہوشیاری کو اپنا پاسبان بناؤ اور آپ اپنے محافظ رہو کہ یہی بہترین حفاظت ہے۔ تمہاری

غفلت سے بڑھ کر کوئی تمہارا دشمن نہیں۔ اس کو وضاحت کے ساتھ خسرو نے بیان کیا ہے۔ امیر خسرو نے دیکھا کہ عیش و تنعم میں پڑکر جو غفلت پیدا ہوتی ہے یہی بدترین دشمن زوال سلطنت کا اصل باعث ہے۔ بادشاہ اگر غافل نہو تو پھر نہ مظلوموں کی آہ ہے نہ ابرار کی بددعا۔ اس لئے بادشاہ کو اس اہم نکتہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں ؎

ورچہ کس نیست دشمن تن تو	غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو
ورچہ صد پاسباں بود انیس	پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس
برچنیں پایہ کاستواریِ تست	پاسبانِ تو ہوشیاریِ تست
پاسبانیکہ بہر مزد بود	پاسبان نے کہ سیم دزد بود

بادشاہ میں اگر دو صفتیں ہوں تو قیام سلطنت کے لئے کافی ہیں یعنی عدل اور شجاعت۔ عدل کو تو جیسا چاہیے اوروں نے بھی بیان کیا ہے لیکن بزدلی کے نتیجہ کو دیکھ کر شجاعت کی ترغیب امیر خسرو جس خوش اسلوبی سے دیتے ہیں ملاحظہ ہو ؎

چوں درآئی بصفِ تیغ زناں	از تزلزل کشیدہ دار عناں
لشکرے کز عدو فرار کند	چوں بسلطاں رسد قرار کند
لیکن ارشہ نعوذ باللہ تافت	کے فراہم شود صفے کہ شگافت
شاہ کوہے بود بسنگِ وقار	جنبشِ او قیامت آرد بار

آخر شعر میں اس نکتہ کو بھی ملاحظہ کیجئے کہ بادشاہ جب کوہ ہے اور میدان جنگ سے اوس کا بھاگنا قیامت تو قیامت کے روز جو کوہ کا حال ہوگا وہ معلوم ہے۔ جو نصیحتیں کہ خسرو نے علاء الدین کو کی ہیں اور جس بے جگری سے کی ہیں وہ خسرو کی حقانیت کا عجیب نمونہ ہیں۔ علاء الدین خلجی کا عہد تاریخ میں پڑھو تو تمہیں معلوم ہو کہ کس جبروت کی یہ سلطنت کرتا تھا۔ یہ خسرو ہی کا کام ہے جنہوں نے ہر مثنوی میں نصیحت کی ہے اور اپنا حق ادا کر دیا ہے۔ علاء الدین کی بدمستی کا ایک نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔

مغلوں کی شکست اور ظفر خاں کی موت علاء الدین کے لئے بہت ہی ازدیاد مسرت کا باعث ہوئی۔ مزید برآں مہمات ملکی تو بر تو بادشاہ کے حسب مراد ہونے لگیں جس سے علاء الدین آپے میں نہ رہا دیکھتا تھا کہ اقبال بڑھ بڑھ کر اوس کے قدم لے رہا ہے ہر طرف سے فتح نامے آرہے ہیں ہر سال دو تین بیٹے مشکوئے معلی میں پیدا ہوتے ہیں سارے مصالح ملکی دل کے حسب خواہش سرانجام پا رہے ہیں خزانے ہیں کہ پلے در پے پہونچ رہے ہیں روزانہ جواہر و مروارید طبلوں میں بھرے جا رہے ہیں فیل خانوں میں ہاتھی کھڑے جھوم رہے ہیں ستر ہزار گھوڑے شہر کی پائے گاہ میں بندھے ہنہنا رہے ہیں ایک چھوڑ دو دو تین تین اقلیمیں زیر قدم ہیں۔

بادشاہ اس جاہ و حشم کو دیکھ دیکھ مست ہو رہا تھا۔ دور دور کی سوجھنے لگی تھی

اور نئی نئی تمنائیں بچپن کرنے لگی تھیں۔ ایسے ایسے سودے پکانے لگا جو کبھی کسی سلطان کے دماغ میں ہرگز نہ سمائے تھے۔ نہایت مستی و بے خبری و نہایت رعونت و غفلت اور کثرت جہل و بلادت سے دست و پا گم کر کے ناممکنات و محالات میں اندیشہ کرنے لگا ؎

دیکھنا کثرت بلا نوشی کاسہ آساں ہے جام مرا

بے علم تو تھا ہی نہ لکھنا جانے نہ پڑھنا۔ مزاج کا بھی بدخو طبیعت کا بھی سخت دل کا بھی قسی جون جون دنیا زیادہ ملتی جاتی تھی اور مقصد بر آتے تھے وہ اور بھی بے خبر اور مدہوش ہوتا جاتا تھا خدا اور رسول سب کو بھول بیٹھا ؎

بام فلک پہ آدم خاکی کو لے اڑا آیا کبھی جو ان تئے بادپائے عیش

اپنی مجلسوں میں بار بار کہنے لگا کہ مجھے دو مہمیں پیش آئی ہیں اون کی اودھیڑبن میں لگا ہوا ہوں اوّل یہ کہ خداوند تعالیٰ نے جس طور سے اپنے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو چار یار دیے تھے کہ اون کی قوت و شوکت سے وہ دین و شریعت جاری ہوئی جس سے آپ کا نام نامی قیامت تک باقی رہے گا۔ اور آپ کے بعد جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا اور سمجھتا ہے وہ اپنے کو آپ کی اُمت و ملت میں تصوّر کرتا ہے اوسی طور سے اللہ تعالیٰ نے مجھکو بھی چار یار دیے ہیں ایک الغ خاں دوسرا ظفر خاں تیسرا نصرت خاں، چوتھا الپ خاں۔ ان کو میری دولت سے بادشاہوں جیسی قوت و شوکت میسر ہوئی ہے اور یہ ایسے ہیں کہ اگر میں چاہوں

ان چاروں کی قوت سے ایک دوسرا دین و مذہب جاری کر سکتا ہوں اور میری اور میرے یاروں کی تلوار کے زور سے خلق وہ راہِ روش جس کو میں جاری کروں اختیار کر سکتی ہے۔ اور اس دین و مذہب سے میرے اور میرے یاروں کے نام جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے یاروں کے نام قیامت تک رہینگے رہ سکتے ہیں۔ پھر کیوں نہیں میں بھی ایک دین و مذہب نیا قایم کروں۔ غرض قیامت تک اپنا نام باقی رکھنے کے لیے اسی طرح کے خیالات کفریہ اسکے دماغ میں چکر لگاتے اور حضار مجلس سے پوچھا کرتا کہ کس طرح سے ایسی بات کروں جس سے میرا نام قیامت تک رہ جاوے اور جس چیز کو میں جاری کر جاؤں میرے بعد بھی خلق اس پر معمل رہے۔ دوسری مہم اس کی یہ تھی کہ سکندر ثانی اور جہانگیری کروں اور ربع مسکوں کو اپنے تصرف میں لے آوں ؎

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

دوسری مہم کا دیباچہ تو شروع بھی کر دیا تھا اپنے کو خطبہ و سکہ میں سکندر ثانی لکھوانے لگا تھا ؎

بخت پر نخوت نہ کر اس کا نہیں کچھ اعتبار چار دن مہمان ہے دورِ فلک مہمان ہے

اب ناظرین خود بھی غور کر لیں کہ ایسے بادشاہ کو دینداری، مسکین نوازی، ضعفا پروری، عدالگستری کی نصیحت کرنی خدا کا خوف دلانا، قیامت کی بازپرس کی طرف متوجہ کرنا کیا آسان ہے اور طرفہ یہ کہ اسی بادشاہ کی سرکار میں جب کہ بحیثیت ملازم ہوں لیکن بادشاہوں کو نصیحت کرنی جس قدر خطرناک ہے وہ ظاہر ہے۔ ایازِ قدر خود بشناس۔ اس لیے آخر میں فرماتے ہیں ؎

من کیم کت زنم ز پند نفس دولت و بخت پند گوئے تو بس

هست بیدار کردنِ بیدار — همچو باراں بر دُرِ دریا بار
نشتر چرب کردنِ بادام — نہ حلاوت بشیرہ دادن وام
لیکن آرد بحضرتِ شاہی — ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی
گر پذیری مزاجت احسان ست — ورگزاری خود از در آسان ست

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ آپ کو نصیحت کرنی حکمت بہ لقمان آموختن ہے۔ لیکن خیر خواہی سلطنت کی راہ سے میں نے اپنی عقل کے مطابق تحفہ ناچیز پیش کیا ہے۔ آپ کریم ہیں قبول فرمائیں نصیحت کے وقت مخاطب کے اوصاف کا بھی تعارف کرنا اور یہ کہنا کہ آپ خود عاقل و فرزانہ ہیں۔ ہماری نصیحت کی ضرورت نہیں ہیں تو ایک مختصر تحفہ پیش کرتا ہوں یہ آپ کا کرم ہی کرم ہے کہ اسے شرف قبول بخشیں۔ دلدہی اور قبول نصیحت کے لیے اس سے زیادہ موثر پیرایہ نہیں ہو سکتا۔

قطع نظر اس سلاست و بلاغت اور حق گوئی کے جو ان اشعار میں ہے رموز سلطنت و فراجدانی سلاطین میں میر صاحب کا کیسا کمال بیان ہوا ہے یہ نصیحتیں صاف بتا رہے ہیں کہ امیر صاحب کی مصاحبت سے سلاطین کو وہی فیض پہنچتا تھا جو سکندر کو ارسطو جیسے وزیر سے حاصل تھا۔ خوش نصیب تھے وہ سلاطین جن کے دربار کی رونق ایسے امیر سے تھی۔

نصیحت بدختر نیک اختر

شعرائے سلف کی تصنیف صرف شاعری کا آب و رنگ نہیں ہے۔ بلکہ گوناگوں افادات کا ایک خزانہ ہے جسے بکوشش و تلاش سے مخفی کر دیا گیا ہے تاکہ اہل اسے پا کر اگلوں کی کمائی سے لال ہوں اور نااہل کا ہاتھ اس کے پانے سے محروم رہ جائے انہیں مقاصد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسے کلمات جو عموماً سامع کو خوشگوار نہ گزرتے ان کے لیے ان پاک نفسوں نے ایک باب نصیحت فرزند کا قایم کیا۔

خسرو کی جدت اور ایک دلچسپ بحث

باپ اپنے بیٹے کو سب کچھ کہہ سکتا ہے اور ہر لب و لہجہ میں کہہ سکتا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کی جدت طبع یہاں بھی اپنا جوہر دکھاتی ہے یعنی بجائے اس کے کہ نصیحت کا مخاطب اولادِ ذکور کو قرار دیتے اس کتاب میں آپنے دخترِ نیک اختر کو مخاطب فرما کر کچھ نصیحتیں کی ہیں جس سے بہت بڑا سبق تعلیم و تربیت کا طبقہ اناث کے لیئے حاصل ہوتا ہے اور ایک شریف ہونہار بیٹی کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کون سے ہنر و سلیقہ کے زیور ایسے ہیں جو فی الحقیقت شریف عورت کو مزین کر دیتے ہیں اس طرح یہ صنف نازک بھی خزانہ خسروی کے عطیات سے محروم نہ رہی۔

نصیحت سے پہلے ایک عجیب دلکش مباحثہ ہے جس کا ممنون طبقہ اناث ہمیشہ رہیگا یعنی اس امر پر کہ لڑکی بھی فرزند ہے اور شفقت پدری کی اسی قدر یہ بھی مستحق ہے جسقدر کہ فرزند نرینہ دلائل قایم کیئے ہیں اور پھر جس شاعرانہ قوت سے یہ ثابت کیا ہے کہ نعمائے الہیہ میں سے ایک بہت بڑی نعمت لڑکی کا وجود ہے وہ آپکے قیاس شعری کی قوت اور قوت محاکات کا زبردست ثبوت ہے۔

محاسن بیان میں صنعت التفات جس طرح کہ متکلم کے کمال کا ثبوت ہے اسی طرح شاعر کی نظموں میں اس نوعیت کے صنایع حسن نظم کو اور چار چاند لگانے والے ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کی صنعت کا نمونہ جس زور بیان اور حسن اسلوب سے اس بکھ پیش فرماتے ہیں وہ دلکش اور سراپا اثر ہونے میں اپنی نظیر آپ ہے۔

عام طبیعتیں ولادتِ دختر سے نفور رہتی ہیں اور لڑکوں کی ولادت کی متمنی و آرزومند۔ اسی کراہت کا نتیجہ ہے کہ بہت سے ملکوں میں لڑکیوں کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا اور میراث پدری سے بالکل بے نصیب کر دی جاتی ہیں۔

بدقسمتی سے بہت سی آبادیاں ایسی آج بھی موجود ہیں جن میں خود مسلمان اسی مہلک مرض میں

مبتلا ہیں ہادیِ مطلق اُنھیں ایمانِ کامل عطا فرمائے تاکہ وہ اپنی میراث کتاب اللہ کے موافق تقسیم کریں۔ خیر یہ تو ایک جداگانہ بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ یہاں صرف یہ بتانا ہے کہ لڑکی جہاں پیدا ہوئی بس والدین پر خجالت و تاسف کا ایسا ہجوم ہوتا ہے کہ چہرے کا رنگ متغیر ہو جاتا ہے اولاد ہونے کی مسرت کا فوارہ دلوں کا ارمان بانوں تک آ جاتا ہے کہ لڑکی پیدا ہوئی گھر خالی ہوا۔

خسرو علیہ الرحمۃ اس خیال باطل کا اس انداز خاص سے رد فرماتے ہیں کہ سطحی نظر رکھنے والوں کو یہ مغالطہ ہوتا ہے کہ حضرت امیر بھی اونھیں میں سے ہیں لیکن نظم کے صنائع و بدائع سے جو واقف ہے وہ بیان کی خوبی دیکھتا ہے اور لطف سخن سے سر دھنتا ہے۔ داد دیتا ہے لیکن اُس کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ دیکھو۔

قبل اس کے کہ اصلاح کی باتیں شروع کریں اپنے کلام کو زیادہ موثر کرنے کے لئے پہلے اپنے آپ کو عوام الناس کی سلک میں منسلک کرتے ہیں اور ٹھیک اوسی طرح جیسا کہ ایک عامی ولادت دختر سے دل تنگ ہو جاتا ہے خسرو علیہ الرحمۃ بھی کراہت کا اظہار کرتے ہیں اور اس مبالغے سے اس داستانِ الم کا نقشہ ایک شعر میں کھینچتے ہیں کہ جس سے زیادہ متصور ہو نہیں سکتا۔

فلسفہ جذبات اور شکسپیر کے ڈرامے سے مثال

اس مقام و کلام کا لطف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے فلسفہ جذبات کا محققانہ مطالعہ کیا ہوگا۔ ایسی حالت میں جبکہ ایک مجمع مخالف کے سامنے اون کے خیال باطل کا رد مقصود ہو تو اونھیں راہ صواب پر لانے کا بہترین طریقہ کیا ہے۔ اون کے

جذبہ فاسد سے فساد کا اندفاع اور اونھیں امر حق کی طرف متوجہ کرنے کا زیادہ موثر پیرایہ کون سا ہی؟ اپنے کو پہلے اون کا ہمدرد ثابت کرنا یا اختلاف کا ابتدا ہی سے اظہار؟

انگریزی خواں اصحاب جنھوں نے شکسپیر کے ڈرامے عموماً اور جولیس سیزر کا خصوصاً مطالعہ کیا ہوگا، اونھیں یہ نکتہ یاد ہوگا کہ سیزر کے قتل کے بعد اوس کا دوست انٹنی جب بلوائیوں کے سامنے پہونچتا ہے تو کس انداز سے تقریر کا افتتاح کرتا ہے۔ بروٹس کے افعال کا کس طرح ذکر کرتا ہے۔ تھوڑی تھوڑی تقریر کے بعد یہ بھی کہتا جاتا ہے کہ بروٹس ایک شریف آدمی ہے۔ حاضرین آہستہ آہستہ اپنی غلطی اور بروٹس کی شرارت کا احساس کرتے جاتے ہیں یہاں تک کہ جوش سے مجمع لبریز ہوجاتا ہے اور انیٹی کا مدعا اُنھیں بلوائیوں کے ہاتھوں سے پورا ہوتا ہے۔ شاعر کی اسی صنعت وکمال کو اشعار ذیل میں دیکھو۔

خسرو اور زبان عوام کی ترجمانی

اے زعفت فگندہ برقعِ نور — ہم عفیفہ بنام ہم ستور
ماہت از ہفت برنرفتہ ہنوز — روشنی چوں مہ چہاردہ روز
کاش ماہِ تو ہم بچہ بودی — در رحم طفل ہشت مہ بودی

فی الحقیقت کمال شاعری یہ ہے کہ فطرت انسانی پر فلسفیانہ نظر ڈال کر جذبات انسانی کا ایسا نقشہ کھینچا جاے جسے لوگ حیرت زدہ ہوکر نقوش وخطوط کے

فوٹو میں ہو بہو دیکھیں۔ پہلا اور دوسرا شعر فطری جذباتِ پدری کا نقشہ پیش کرتا ہے اور تیسرا شعر اوس جذبے کا پتہ دیتا ہے جو دوں ہمتی و خیال فاسد نے پیدا کر دیا ہے۔ اس لطف کو دیکھو۔

بیٹی کا وجود اگرچہ جاہلانہ و پست خیالات سے مکروہ و قابل نفرت معلوم ہوتا ہے لیکن جوش خون و علاقہ جزئیت کچھ دلی میلان کا بھی سراغ دیتا ہے۔ اوّل و دوم اشعار میں اوسی شفقت پدری کا اظہار فرماتے ہیں اوس کے نورانی چہرے کو دیکھتے ہیں اپنی اولاد ہے اس سے اوس کی صورت ایسی پیاری اور حسین معلوم ہوتی ہے کہ چودھویں رات کا چاند اوس کے مقابل میں ماند ہے یہ سب کچھ ہے لیکن بیٹی ہے جب یہ خیال آتا ہے تو باپ کہتا ہے کہ کاش تو پیدا نہوتی۔ داغ لاولدی اس داغ سے بہتر تھا۔ اور اگر تیرا استقرار حمل میں ہوگیا تھا تو اٹھوانسی ہوتی یعنی آٹھ مہینے بعد پیدا ہوتی تاکہ جلد مر جاتی یہ ایک مشہور تجربہ ہے کہ آٹھ مہینے کا بچہ بچا نہیں کرتا اسی لئے ہندوستان کی عورتیں آٹھواں مہینہ زبان پر لانا بھی پسند نہیں کرتی ہیں اور اسے منحوس و شگون بد سمجھتی ہیں اس کا اظہار ان کنایہ کر لیا جاتا ہے۔ دیکھو ایک طرف تو اون جذبات کا اظہار ہے جو باپ میں بحیثیت باپ ہونے کے پایا جاتا ہے دوسری طرف اوس کراہت و نفرت کا نقشہ ہے جو جہالت و تاریکی دماغ کا نتیجہ ہے۔

یہاں تک شاعر نے عوام کی زبان بن کر اون کے دونوں جذبات کی تصویر کشی

کی۔ اب اوس کی التفات کروٹ لیتی ہے اور ایسی تدریجی حرکت کرتی ہے کہ اوس کی ہر جنبش میں سابق سے زیادہ قوت کا اظہار نمایاں ہوتا ہے۔

اصلاح عوام اور صنعت التفات

لیک چوں دادۂ خدائے رواست — باخداداد گان ستیزہ خطاست
من پذیرفستم انچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم بہر چہ از دراوست — کان دہد بندہ را کہ درخوراوست
ہر چہ او داد بس پسندیدہ است — ہم دراوّل صلاح او دیدہ است

اشعار مذکورہ بالا میں اصلاح عوام میں ترقی جس آہستگی سے کی گئی ہے اور اوس کراہت کا جس طرح آہستہ آہستہ اندفاع کیا گیا ہے وہ کس قدر دلپذیر و پُرتاثیر ہے۔ شاعر پہلے شعر میں یہ کہتا ہے کہ بیٹی کی ولادت ناگوار و مکروہ سہی لیکن کیا کیا جائے خدا کی دی ہوئی چیز میں بندہ ستیزہ کرے یہ تو بڑی غلطی ہے پھر دوسرے شعر میں یہ کہتا ہے عطائے الٰہی رد نہیں کی جا سکتی بلکہ قبول کی جاتی ہے پس میں نے بھی قبول کیا۔ تیسرے شعر میں اسے نعمت سمجھتے ہوئے اظہار تشکر و امتنان ہے چوتھے میں انتہائے پسندیدگی کی صدا ہے۔ سلسلۂ کلام پر غور کرو۔

پہلے ستیزہ پر تعجب پھر اوس کی قبولیت اس کے بعد شکریہ آخر میں انتہائے پسندیدگی۔ اس قدر کہہ لینے کے بعد شاعر کا بیان ایک اور پہلو بدلتا ہے۔

گراں بہا دلائل سے صنفِ نازک کی اہمیت

پدرم ہم زمادرست آخر　　مادرم نیز دخترست آخر
گر نہ بردر صدف نقاب شدے　　قطرۂ آب باز آب شدے
دانہ بے کشت کے ببار آید　　آسماں بے زمیں چہ کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم　　ق　چوں مسیحا ز مریم معصوم
لیک بے مادر نجستہ وجود　　ولدے را نگفتہ کس مولود

عورتوں کے وجود کی اہمیت اور صنفِ نازک کا بقاے بنی آدم میں عنصر قوی و غالب ہونا جس طرح کہ ان اشعار میں ثابت کیا گیا ہے فقیر کی نظر سے کوئی نظم یا نثر اس زور و قوت کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئی۔ بالخصوص آخری شعر میں قیاس تمثیل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور مولود کہے گئے لیکن آج تک بغیر ماں کے کسی کو مولود نہیں کہا جا سکا۔ اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ بغیر ماں کے مولود کا پایا جانا غیر ممکن اور بغیر باپ کے ممکن تو ماں یعنی عورت کا وجود افزایش بنی آدم میں باپ یعنی مرد سے زیادہ اہم و ضروری اگر مردوں کا وجود تمھیں عزیز ہے تو ان کی افزایش بغیر افزایش اناث ناممکن ہے دوسرے شعر میں یہ کہتے ہیں کہ اگر پانی کو سیپ نہ ملے تو پانی پانی ہے لیکن سیپ جو بمنزلہ ماں کے ہے وہ چند دنوں میں اوس کی حقیقت بدل کر اوس مرتبہ کمال پر پہونچاتی ہے جہاں پہونچکر تاج شاہانہ کی زینت اوس سے کی جاتی ہے۔ اسی

طرح ایک کیڑا بصورت علقہ یعنی جونک مادۂ منویہ کے ساتھ باپ کی صلب سے جدا ہوتا ہے اور رحم مادر کی بدولت اشرف المخلوقات اور تمام کائنات پر تصرف کرنے والا اون سے خدمت لینے والا ہو جاتا ہے پس انسان کو کرامت انسانی جس کی بدولت نصیب ہوتی ہے کیا اوس کا وجود قابل نفرت و کراہت ہے؟ کیا یہ ناسپاسی منعم و مربی کے حق میں جائز ہو سکتی ہے۔ نہیں کبھی نہیں ہرگز نہیں

نصیحت کا شفقت آمیز حصّہ

ان دلائل کے بعد خسرو علیہ الرحمۃ بیٹی کو ایسے شفقت بھرے الفاظ سے خطاب کرتے ہیں جس کا ایک ایک لفظ محبت و الفت پدری میں ڈوبا ہوا ہے۔ جس طرح ایک وہ باپ خطاب کرتا ہو جس کے ہر رگ و پے میں اسلامی تعلیم سرایت کر گئی ہو اور اپنے پیغمبر کا اسوۂ حسنہ اوس کے دل پر نقش نگیں بن گیا ہو حقوق اولاد سے واقف ہو اور شفقت پدرانہ اپنے اوپر فرحت بخش و روح افزا فرض جانتا ہو۔

اے تنت را بجانِ من پیوند — کہ ہم مادری و ہم فرزند
تو بدیں مایہ کز قصا داری — گر نہی پا بدیدہ جا داری
سر برآر از مبارک اختر خویش — کہ مبارک تری ز جوہر خویش
انچہ نقش تو با صلاح من ست — چوں تو خون منی صلاح من ست

یہاں پہونچکر یہ بیش بہا مضمون ختم ہوتا ہے لیکن اس تائید میں کہ خسرو علیہ الرحمۃ

لڑکی کے وجود سے اندوہگین نہ تھے اور ان باتوں سے اپنے دل کی تسلی نہیں کر رہے ہیں بلکہ اصلاح عوام مقصود ہے۔ اگر اس موقع پر وہ اشعار جو خمسہ کی اوّل مثنوی مطلع الانوار میں موجود ہیں نقل کر دیے جائیں تو ناموزوں نہ ہوگا۔

مطلع الانوار سے تائید مزید

اے رُخِ تو چشم و چراغ دلم — خوب تریں میوہ ز باغ دلم
گرچہ کہ اخواں چو تو نیک اختراند — نے ز تو در دیدۂ من بہتراند
گاہِ تماشا بدلِ باغباں — سرو ہماں باشد و سوسن ہماں
دختر اگر نیست پسر کے شود — بے صدفِ تازہ گہر کے شود
بخت کہ فالِ تو ہمایوں نہاد — نام تو مستورۂ میموں نہاد

دیکھو اشعار مطلع الانوار میں کہیں نام و نشان بھی اوس نفرت کا نہیں ہے اسلئے کہ وہاں محض اپنی لڑکی کو نصیحت مقصود ہے۔ ابتدا ہی اس شفقت سے فرماتے ہیں کہ تو میرے آنکھوں کی نور دل کا سرور باغ دل کا اچھے سے اچھا میوہ ہے تیرے بھائی بھی گو نیک اختر اور میرے جگر کے پیوند ہیں لیکن میری نگاہوں میں تجھ سے بہتر نہیں ہیں۔ اور ایسا کیوں نہو۔ باغبان جب اپنے ہرے بھرے لہلہاتے باغ کو دیکھتا ہے تو سرو و سوسن دونوں کی تازگی اوس کے لئے یکساں نظر افروز و تفریح بخش ہوتی ہے۔

اب اگر اتنی تفصیل کے بعد بھی کوئی یہ کہے کہ نہیں خسرو علیہ الرحمۃ بھی مثل عوام

تنگ حوصلہ و تیرہ خیال اشخاص کے ولادت دختر سے دل تنگ ہوئے اور ناقد کی تقریر شاعر کے شعر کی تاویل ہے تو اس سخن فہمی کا کیا جواب۔

اِس شاندار و مرصع تمہید کے ختم ہونے پر نصایح کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جسمیں کمال نکتہ سنجی سے ایسی سود مند نصیحتیں کی ہیں کہ ہر نصیحت بجاے خود ایک دستور ہے۔ ارباب دانش سے یہ مرا پوشیدہ نہیں کہ نصیحت کرنے کے لئے تو ہر شخص آمادہ ہو جاتا ہے لیکن جو نصیحت کا حق ہے وہ ہر ایک سے ادا نہیں ہوتا۔ اس میں چند نکات بمنزلہ اصول ہیں جنھیں معمولی نگاہیں پا نہیں سکتیں۔ مثلاً

خسرو اور نکات نصیحت

مخاطب کی ضروریات کا اوس کی شان و حیثیت کے موافق لحاظ رکھنا، افراط و تفریط سے نصیحت کا بری رہنا، وہ نصایح ایسے اصول پر مبنی نہوں جو ناصح کے خود تراشیدہ ہوں بلکہ اون کی بنیاد ایسے اصول پر ہو جو محقق و مسلم ہو چکے ہوں۔ خطاب کے وقت اگرچہ ایک ہی فرد واحد مخاطب ہو لیکن نصیحت میں ایسی جامعیت ہو جو کل اجناس کے لئے یکساں مفید ہو۔

خسرو علیہ الرحمۃ کو جہاں دیوان فطرت سے بہت سی نعمتیں عطا ہوئی تھیں وہاں نصیحت گری کا سلیقہ بھی بہ تمام و کمال عطا ہوا تھا۔ یہاں چونکہ نصیحت کی مخاطب بیٹی ہے اِسلئے جو نصیحتیں کی ہیں اون میں طبقہ اُناث کی بہبود و صلاح کا کامل لحاظ کر لیا ہے۔ ایک شریف بہو بیٹی کے مخصوص فرائض کیا ہیں۔ وہ کون سی صفات

ہیں کہ اگر کسی عورت میں نہ پائی جائیں تو وہ اپنی صفات سے خالی و عاری سمجھی جائے گی اس کو وضح طور پر دکھایا ہے۔

عصمت وعفت کی تاکید

ان نصایح کی بنیاد ایسی مضبوط چٹانوں پر ہے جنھیں فرضی وملمع تہذیب کے طوفان جنبش نہیں دے سکتے۔ خسرو کے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

گرچہ خردی کنوں وبے تمیز — روزے آخر بزرگ گردی نیز
تا بود در بزرگیت دستور — خردہ چند گویمت مستور
از عروسی شوی چو بر سر تخت — عصمتت خواہم اوّل آنگہ بخت

خلاصہ یہ کہ اے بیٹی اگرچہ اس وقت تو کم عمر اور چھوٹی ہے اور اپنے بھلے بُرے کی تجھے تمیز بھی نہیں لیکن آخر ایک روز جوان ہوگی پھولے گی پھلے گی اوس وقت کے لحاظ سے میں چند نادر باتیں کہتا ہوں تاکہ وہی باتیں تیری اوس زندگی میں دستور العمل ہوں۔

اے بیٹی خدا تجھے جب عروس بنائے تو اوس وقت کے لئے خدا سے میری یہی دعا ہے کہ بخت واقبال سے پہلے عصمت کی دولت سے وہ تجھے مالا مال فرمائے۔

عصمت وعفت اگرچہ مرد کے لئے بھی ضروری ہے لیکن عورت کے لئے اوس سے بہت زیادہ ضروری۔ شریعت میں بے عصمتی کی سزا گو مرد وزن دونوں کے لئے یکساں ومساوی ہے لیکن عورت کی بے عصمتی سے خاندان وقبیلہ

پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے اوس کا اندازہ ہر شریف کر سکتا ہے۔

طاعت و عبادت

ازمن ایں آنچہ اوّلیں پندست　　جہد بر طاعتِ خداوندست
تا توانی خدا پرستی کن　　وز نیاز خدائے مستی کن

بچّوں کا پہلا مدرسہ جس کی تعلیم بہت ہی اثر کرنے والی ہے وہ ماں کی آغوش شفقت ہے اگر ماں خدا ترس و عبادت گذار ہے تو اولاد میں اللہ کی عظمت، عبادت کی رغبت بچپن ہی سے راسخ ہو جائے گی اور جوان ہو کر اپنے لئے، قوم کے لئے، ملک کے لئے اون کا وجود رحمت ہوگا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ بغیر دینداری و خداشناسی ایک انسان انسان نہیں ہوتا بلکہ حیوانی زندگی بسر کرتا ہے۔

حیا و پردہ

پا بدامانِ عافیت در کن　　رو بدیوار و پشت بر در کن
راہِ در کم کن از درونِ سرائے　　ورمثل خضر در زند مکشائے
زن کہ در کوچہا بہ تگ باشد　　زن نباشد کہ مادہ سگ باشد

عورتوں کے لئے حیا و شرم بہترین زیور ہے۔ اگر عورت میں حیا نہیں تو کچھ نہیں سیر و تفریح اور در بدر مارے پھرنا شریف زادیوں کو زیب نہیں دیتا ایسی باتیں گو ابتدا میں معمولی معلوم ہوتی ہیں لیکن انتہا میں اون کا نتیجہ حیا سوز نکلتا ہے یہ سب بُری عادتیں ہیں۔

جھولنا اور سرود

باد پیچ و دف کہ لعبِ زن ست — بروے ایں چنیر ست و آں رسن ست
دف شاں بی ہراسِ شمن و دوست — فتنہ را بانگ می زند در پوست
آنکہ اوّل سرود سادہ بود — در نہایت صلاے بادہ بود

شریف بہو بیٹیوں کے لئے جھولا جھولنا۔ طبلہ بجانا، نغمات و سرود سے جی خوش کرنا عیب ہے۔ ابتدا میں یہ تفریح طبع کا سامان ہے لیکن انتہا اس کی شرافت کی بربادی ہے

حد سے زیادہ بناؤ سنوار

در زن آرد دو فتنہ رسوائی — سیم پاشی و پیکر آرائی
بس عروساں کہ فتنہ جوے شدند — از سفیدہ سیاہ روے شدند
چوں شدی بہر ہفت و نہ در بیخ — نقد عصمت فتاد در شش و پنج
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست و بال — بار ضاے حلال ہست حلال

بناؤ سنوار، زیبائش و آرائش اوسی انداز سے چاہیئے جتنا کہ اوس کے شوہر کو پسندیدہ ہو اور شرافت کی حدود میں ہو۔ ہر وقت پوڈر و غازہ ملنا ہمہ دم اپنی آرایش میں محو رہنا چاہے گھر بنے یا غارت ہو سخت عیب ہے۔ شریف عورتوں کی تزئین بھی ایک امتیازی شرافت رکھتی ہے۔ شریف زادیاں صاف ستھری رہتی ہیں، اچھے کپڑے پہنتی ہیں، آرایش بھی کرتی ہیں لیکن ان کی ہر ایک شان آبرو باختہ عورتوں سے صاف امتیاز رکھتی ہے۔

خانہ داری و کفایت شعاری

از عروساں خزینہ داری بہ — راست گوئی وراست کاری بہ
مرد اگر یک قراضہ کار کند — زن بکد بانوی ھزار کند
دل نگہبان رخت باید داشت — گرہ خویش سخت باید داشت
چوں زشوخرچ زن فزوں باشد — حال سامانِ خانہ چوں باشد

عورت کا کمال یہ ہے کہ گھر داری میں ایسا سلیقہ پیدا کرے کہ ایک روپے میں ہزار روپے جیسی عافیت و فراغت شوہر و بچوں کو پہونچے بغیر مرضی شوہر ایک حبہ بھی خرچ نہ کرے عورت کے لئے سخاوت ہنر نہیں ہے بلکہ شوہر کی کمائی اور اوس کی دولت اوسی کے مطابقِ مرضی صرف کرنا عورت کا کمال ہے۔

ہنر و دستکاری

گرچہ زر باشدت فراخ نہ تنگ — تا نداری زدوک و سوزن ننگ
دوک و سوزن گذاشتن نہ فن ست — کالت پردہ پوشی بدن ست

عورتوں کا خاص ہنر چرخہ کاتنا اور کپڑا سینا ہے خبردار اس ہنر خاص سے غفلت نہ ہونے پاے چاہے خدا تجھے اپنے فضل سے مالا مال کردے لیکن ہنرمندی سے بے پروائی نہو۔

ہر ایک نصیحت کو پڑھو اور اس پر غور کرو کہ خسرو یہ نصائح اپنے بیٹی کو فرما رہے ہیں اولاد سے زیادہ محبت کس کے ساتھ ہوگی جب ایک ایسا جلیل الشان باپ اپنی

بیٹی کے لئے ان اوصاف سے متصف ہونا پسند کرتا ہے تو وہ دوسری عورتوں میں بھی ضرور انھیں اوصاف کو ڈھونڈھے گا۔

امرا کا اثر متوسط و غربا پر

تجربہ اس پر گواہ ہے کہ افراد ہوں یا اقوام جہاں ان میں تمول آیا بس کاہلی و بے پروائی پیدا ہوئی جس کا نتیجہ ادبار و نکبت ہے۔ خسرو اسی لئے بیٹی سے یہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ رزق میں گشایش فرمائے اور فراخی دولت تجھے نصیب ہو تو اوس وقت بھی اون ہنروں سے غفلت نکرنا جو شعار عورتوں کا ہے۔ پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ امرا و اہل دول کا اثر آہستہ آہستہ اوسط و ادنی طبقہ پر بھی پڑتا جاتا ہے پس جب امرا کا گھر ایسا ہو کہ جہاں نہ گانا ہے نہ بجانا۔ نہ جھولا ہے نہ راگ راگنیاں نہ بناؤ سنوار ہے نہ بیہودہ اسراف بلکہ خانہ داری کا انتظام ہے اور بی بی کی سرگرمی۔ خود بی بی ہر طرح کا سلیقہ رکھتی ہو اپنے فرائض و ذمہ داریوں کو محسوس کرتی ہو۔ علی الصباح اوٹھ کر دوگانہ فریضہ ادا کر کے تلاوت سے جب فارغ ہوئی ہو تو بچوں کے کپڑے درست کرتی ہو یا اپنا لباس بناتی ہو غرض خود کام کرتی ہو اور کام کرنے والوں پر نظر رکھتی ہو۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خود اوس گھر کا ساز و سامان درست ہوگا۔ اور اوس کا اثر اوسط و ادنی پر یہ ہوگا کہ وہ کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو عار نہ سمجھیں گے بلکہ بڑائی کی علامت خیال کریں گے۔ رفتہ رفتہ قوم کی قوم میں قوت عملیہ کو ایسی جنبش ہوگی کہ ہر جنس اور اوس کا ہر فرد اپنے اپنے

فرائض میں مصروف ہوگا۔

اس زمانے کے خوش حال طبقہ میں اپنا کسی طرح کا کام اپنے ہاتھ سے کرنا عیب سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ غربا و مساکین کا شعار ہے۔ عورتیں ہیں کہ ہنر و خانہ داری سے ہاتھ اوٹھا بیٹھی ہیں اوس کا ادنیٰ نتیجہ یہ ہے کہ شوہر روپیہ کماتے کماتے تھکا جاتا ہے لیکن گھر میں کسی کو آسایش نصیب نہیں۔ شاید خسرو کے عہد میں بھی امرا کے گھرانوں کا انھیں لغویات و باطل خیالات کی طرف میلان شروع ہوگیا ہوگا۔

نئی تہذیب کا اعتراض

بہرحال اس میں کوئی کلام نہیں کہ یہ نصیحتیں اسی قابل ہیں کہ ہر شریف بہو بیٹی انھیں اپنا دستور العمل بنائے۔ لیکن ہزار افسوس کہ اس دور تہذیب کے روشن خیال حضرات خسرو کی ایسی بیش بہا نصائح پر کہہ اوٹھے کہ "اوس زمانے میں عورتوں کی حالت نہایت پست تھی امیر خسرو اس قدر صاحب دولت و ثروت تھے لیکن بیٹی سے کہتے ہیں کہ خبردار چرخہ کاتنا نہ چھوڑنا اور کبھی موکھے کے پاس بیٹھ کر ادھر اُدھر نہ جھانکنا"۔ میرے دوستو۔ جوشِ تہذیب میں آکر اسلام کے مایۂ ناز بزرگوں کو اپنے مطاعن کا ہدف نہ بناؤ۔

ناصح کی شان کا علو

ذرا اس کو سوچو کہ یہ نصائح کس نے کہے ہیں۔ کس زمانے میں کہے ہیں نصیحت

کرنے والا کس دل و دماغ کا شخص تھا۔ اس کی خاندانی وجاہت کیا رتبہ رکھتی تھی علاوہ علم و فضل کے کیسی آب و ہوا میں یہ زندگی بسر کرتا تھا۔ انقلابات ایام کے کیا تجارب اس کے پاس تھے اوس وقت مسلمانوں کی ذی علم جماعت دنیا میں کیا وقار و وقعت رکھتی تھی۔ اگر تم انصاف سے ان امور پر ایک سرسری نظر بھی ڈالو گے تو تم اپنے اس فیصلے پر قائم نہ رہو گے کہ عورتوں کی اوس وقت ایسی ذلیل و پست حالت تھی جو اون کو ایسی نصیحتیں کی گئیں۔

امیر خسرو اوس باکمال و بلند حوصلہ باپ کے فرزند ہیں جس نے ترکستان سے جب ہندوستان کا ارادہ کیا تو خاک ہند نے کس کس طرح اپنے مہمان عزیز کی میزبانی کی۔ بادشاہ نے جاگیر دی۔ عہدہ دیا منصب کا پایہ بلند کیا یہاں تک کہ امرائے سلطنت کی سلک میں منسلک ہو گئے۔

امیر خسرو کی ماں اوس جلیل الشان باخدا رئیس کی بیٹی تھیں جنھیں دینی دولت کے علاوہ ہندوستان میں عماد الملک کا لقب حاصل تھا اگر والدین کی شرافت اُن کے حوصلہ کی بلندی ہمت کی فراخی اولاد کے حق میں کچھ بھی مفید ہوتی ہے اور والدین کا خون اگر کچھ بھی اثر رکھتا ہے تو پھر اسے خسرو کے حق میں ماننے سے کیوں دریغ کیا جائے خود امیر خسرو کی ذات گوناگوں کمالات کی جامع تھی علوم و فنون میں انھیں جو پایہ بلند حاصل تھی اوس کی شہادت اون کی تصانیف ہیں۔ تزکیہ باطن کے لئے محبوب الٰہی کا محبوب ہونا کفایت کرتا ہے۔ تمول کے لئے لفظ امیر کافی ہے انقلاب دہر کا تجربہ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ گیارہ سلاطینِ باآئین ان کے وقت میں گذرے

جن میں سے سات بادشاہوں کے تقرب کا انھیں پورا موقع ملا۔ موقع شناسی اور دماغ میں سلجھاؤ اس سے ظاہر ہے کہ سلاطین کا تغیر سلطنت کا نظام الٹ دیا کرتا تھا۔ لیکن امیر خسرو ہر عہد میں ممتاز و باوقار رہے۔

ایام سلف کی برکات

وہ زمانہ مسلمانوں کی ایسی اعلیٰ تہذیب کا تھا جس نے ہندوستان جیسے متعصب ملک میں اپنی تہذیب گھر گھر پہونچا دی تھی۔ مسلمانوں کے قوائے عملیہ سست و کاہل نہ تھے اس لئے محض بیکار رہنا موجب عار سمجھا جاتا تھا۔ اس میں کوئی تخصیص مرد و عورت کی نہ تھی تعلیمات اسلامی کا یہ اثر تھا کہ سلاطین تک شریعت کے فتوے سے کانپ اوٹھتے تھے۔ اوس وقت علما و مشایخ کی ایسی جماعت ہندوستان میں تھی اور روز افزوں ہو رہی تھی جن کی تصانیف آج شریعت و علوم اسلامیہ کی ضامن ہیں۔

دنیا کے مختلف گوشے مسلمانوں کے سیف و قلم سے مفتوح ہو چکے تھے ان کی سطوت و جلالت اکناف عالم پر چھائی ہوئی تھی۔ پس اوس عہد میں جبکہ ملک اپنے زیر نگیں تھا فاتحانہ و ملوکانہ جذبات دل و دماغ میں تھے۔ سیاست کی تلوار اور شریعت کا ترازیانہ ہر طرح کی محافظت کر سکتا تھا۔ اولیاے کرام و علماے عظام کی پاک صحبتیں خیالات فاسدہ کی بیخ کنی کیا کرتی تھیں فتوحات کے فراخ دروازے بے زری و تنگ دستی کے مفہوم کو مٹا رہے تھے۔ خسرو جیسا عالی دماغ ولی کامل

امیر کبیر آزمودہ کار اپنی بیٹی کو جو کچھ کہہ رہا ہے وہ اگر تمغائے شرافت نہیں ہے تو پھر اس عہد کے مسلمان جن کی حالت ہر پہلو سے زبوں ہے ان کی بات پایۂ اعتبار رکھنے کی کیونکر مستحق ہو سکتی ہے۔ اوس عہد کی ماؤں کی بلندی تو اسی سے ظاہر ہے کہ اون کی اولادیں دنیا میں ہر طرح کی یادگاریں چھوڑ گئیں۔ علم، عمل دولت، سلطنت، جرأت، شجاعت کیا کچھ فضائل انسانی کے بیش بہا خزائن نہ تھے جو اسلاف نہ چھوڑ گئے۔ لیکن اون کے جانشین ایسی ہی بلند حوصلہ و عالی ہمت پیدا ہوئے جنھوں نے نہایت بدسلیقگی سے اون بیش بہا خزائن کا مالک اغیار کو کر دیا اور خود دست نگر ہونے کا بھی شعور کھو بیٹھے۔

حاصل جواب

وہ شریفانہ معاشرت کہاں گئی۔ جبکہ عورتوں کے کپڑے غیر محرم دیکھ بھی نہ سکتے تھے چہ جائیکہ اون کا سینا اور دھونا۔ تم چرخہ چلانے یا سلائی کا ہنر جاننے پر طعن کرتے ہو یہ تو ویسا ہی ہوا جیسا کہ ناعاقبت اندیش اہل دول لڑکوں کو تعلیم سے محروم اس بنا پر رکھتے ہیں کہ علم غربا کے لئے ہے، ہماری اولاد کو کیا دفاتر میں نوکری یا اسکولوں میں معلمی کرنی ہے۔

ہاں یہ اعتراض کہ کمالات علمیہ اور دیگر فضائل انسانی کی طرف اس بلند آہنگی سے کیوں توجہ نہ دلائی گئی جس قدر کہ امور خانہ داری پر زور دیا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی خسرو کا ایک کمال ہے کہ جہاں نصیحت کا مخاطب بیٹی کو فرمایا ہے

تو اوس وقت ایسی نصائح جو مابہ الامتیاز مرد و زن ہیں اونھیں کو غالب رکھا ہے اور جہاں بیٹا مخاطب ہے تو اوس سے وہی باتیں کہی ہیں جن کا سزاوار مرد ہی ہو سکتا ہے۔ اگر عام پند اور مابہ الاشتراک نصایح سے خطاب فرماتے جو مخصوص فرائض اناث نہیں بلکہ فرائض انسان و اسلام ہیں تو پھر یہ معلوم ہوتا کہ خطاب دختر کی اس میں تخصیص کیا ہے۔

خطیب کا یہ بھی ایک کمال ہے کہ مخاطب کا صحیح اندازہ کر کے اوس کو ایسی نصیحتیں کرے جو اوسی سے مخصوص ہوں ورنہ عام نصیحت کے لئے خصوصیت و تشخص بیکار ہے اوس کے لئے پھر خطاب عام چاہیئے۔ بہرحال خسرو کے تمام نصائح کو پڑھ جاؤ اوس کے بعد ایک ایسی ذات کا جو ان اوصاف سے متصف ہو تصور کرو تمھیں ایک رحمت الٰہی مجسم نظر آئیگی افسوس ہے کہ یہ مضمون اندازہ سے بہت زیادہ پھیل گیا لیکن خسرو علیہ الرحمۃ پر جبکہ ایسا قلم معترضانہ رواں ہو جسے اون کے کلام کا صحیح مفہوم لکھنا چاہیئے تھا تو پھر اُس کی اصلاح اس سے کم میں ناممکن تھی۔ اس دور کے ارباب قلم کی غلطی تسلیم کرنا اس سے کہیں زیادہ سہل ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ پر ایک بے بنیاد الزام کا اثبات زبردستی کیا جائے۔ ناظرین مجھے معاف فرمائیں میں سلف کا دلدادہ و شیفتہ ہوں ؎

فتنۂ گفتگوے ایشانم　　مستِ لاے سبوے ایشانم

یہاں تک جو کچھ لکھا گیا وہ ایسے مضامین تھے جو آغاز مقصد سے قبل مثنوی میں عموماً

خسرو لکھا کرتے ہیں۔ اب اصل قصہ سے اقتباس کرکے حسن کلام کا نمونہ دکھایا جاتا ہے۔

بیان حسن کنیز چینی

برچو نا یخ نو بشاخ درخت　　سخت رستہ ز صحبت دل سخت
رگ نمودہ بروں ز لطف بدن　　ہمچو رشتہ درونِ درعدن

شوخی و عاشقانہ انداز کے ساتھ پہلے شعر میں سختی کی جو وجہ بیان کی گئی ہے وہ بالکل نرالی ہے اور اچھوتا تخیل ہے لیکن معقول۔ دوسرے شعر میں گورے گورے بدن میں سے رگوں کا پھوٹ کر ایک دل فریب رنگ پیدا کرنا کیسا نادر خیال ہے۔ جس کسی نے سلک مروارید کو دیکھا ہوگا اس تشبیہ کے لطف کو وہی سمجھ سکتا ہے کہ کیسی لطیف تشبیہ ہے۔

قدر اندازی بہرام

آہن تیر چوں محک کردے　　خط گوراں ز پشت حک کردے
ور ز آہو بدے نشانۂ او　　موے بشگافتے ز شانۂ او
ور شدے بر نشانہ سخت انداز　　رخنہ در ناف کوہ کردے باز

صرف تین اشعار میں تمام شعبہائے تیر اندازی کے کمال کو جس صفائی و سلاست سے آپ نے بیان کیا ہے اُس سے کلام کی پختگی و چستی ظاہر ہے یعنی جس طرح چاہتا تھا تیر چلاتا تھا۔ کبھی تو گورخروں کی پشت پر جو خطوط ہوتے تھے اونھیں تیر سے اوڑا دیتا

کبھی ہرن کے بالوں کی موشگافی کرتا۔ اور شکار کو کچھ بھی آسیب و آزار نہ پہونچتا اور جو زخم پہونچانا چاہتا تو ایسی قوت و طاقت سے تیر بیٹھتا کہ گورخر کا تو کیا ذکر پہاڑ میں بھی سوراخ ہو جاتا۔ خسرو علیہ الرحمۃ ہشت بہشت کی بنیاد رکھتے ہوئے فرماتے ہیں ؎

پس نوشتم بکلک مشک سرشت　　نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

تا کسے کاندرو گذر یابد　　بے قیامت بہشت دریابد

اب اس بہشت کا جسے لطف حاصل کرنا ہو اوس کو ایک سرسری نظر سے پوری کتاب مطالعہ کرنا ضرور ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ اشعار کہاں کہاں سے لئے گئے ہیں اور باہم ربط و مناسبت اونمیں کس طرح ہے۔

گنبد مشکیں بہشت دوم

بہرام کے وزیر بابد بیر نے صید و شکار سے جب بہرام کو باز رکھنا چاہا ہے تو اوس نے سات گنبد عجیب و غریب نادر و حسین طیار کرائے ہیں۔ ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے ہر ایک میں ایک شاہزادی ایک ایک اقلیم کی رونق بخش ہے۔ بہرام ہر ایک شاہزادی کے گنبد میں ایک ایک شب جاتا ہے اور کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے۔ شاہزادی قصہ بیان کرتی ہے۔ اس طرح اس میں سات قصے امیر خسرو نے نظم فرمائے ہیں۔ خسرو کی شاعرانہ قوت کا اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ ایک بہشت کا بیان شروع کرتے ہیں تو اوس کے رنگ کو بیان کرتے ہوئے ابتدا قصے سے آخر قصے تک اوسی رنگ کی رنگینی معلوم ہوتی ہے۔ جو بات نکلتی ہے اوسی

رنگ میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے۔ پھر اوس رنگ کے فلسفے کو بیان کرکے اپنی رنگینی طبع کا عجیب رنگین ثبوت دیتے ہیں مثلاً گنبد مشکیں کی تمہید میں فرماتے ہیں ؎

روز شنبہ کہ باد مشک انگیز　　شد بدامانِ صبح غالیہ ریز

شہ بگنبد سرائے مشکیں شد　　خانہ زو ہمچو نافۂ چیں شد

جامہ را ہم برنگِ کیوانی　　داد ترتیبِ عنبر افشانی

ان اشعار میں قطع نظر اون صنائع لفظی کے جو امیر صاحب کا روزمرّہ ہے گنبد کا رنگ چونکہ سیاہ تھا اس لئے بہرام کا اوس میں داخل ہونا ہی بروز شنبہ رکھا گیا۔ اور ستارہ شنبہ یعنی زحل کا رنگ سیاہ ہے۔ بہرام خود سیاہ پوش ہے شہزادی کا لباس بھی گنبد مشکیں کی طرح سیاہ ہے۔ اس کا التزام مثنوی کے ہر قصہ میں ہے کہ جس طرح ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُسی کی رعایت سے شاہزادیوں کا لباس بھی مختلف رنگ کا ہے۔

ہر یکے ہم برنگ مسکنِ خویش　　جامہ را رنگ داد برتنِ خویش

اگرچہ کمال شاعری و لطف سخن کو ان باتوں سے سروکار نہیں لیکن اس قسم کی رعایتوں سے ایک دل فریب تخیل پیدا ہوتا ہے اور ساری کتاب کو پڑھ جانے سے ایک ایسی میناکاری معلوم ہوتی ہے جو ہشت بہشت کو اسم بامسمّیٰ بنا دیتی ہے۔

گنبد مشکیں یعنی بہشت دوم میں سیاہ رنگ کی رعایت مقصود ہے۔ اسلئے امیر صاحب اوس وقت کو جبکہ تینوں شاہزادے غریب الوطنی و رہ نوردی کے بعد باپ کے

پاس آتے ہیں اور باپ خوش خوش بڑے لڑکے کو سلطنت حوالہ کرتا ہے یوں بیان فرماتے ہیں ؎

پدر پیر شادمانی یافت　　بار دیگر ز سر جوانی یافت
بسکہ از خوش دلی بہ یکمیں گشت　　موے کافور گونش مشکیں گشت
کردہ روشن بہ مہتریں پسراں　　بالش مشک وام تاجوراں
چتر مشکینش داد با ہمہ چیز　　دیگراں را لوائے مشکیں نیز

لیکن اس خیال سے کہ سیاہ رنگ عموماً نشان ماتم ہے اس کو عیش و نشاط، فرحت و انبساط سے کیا علاقہ۔ اس لئے امیر صاحب ختم قصے پر اس فلسفہ کو بیان کرتے ہیں کہ سیاہ رنگ بھی اپنے موقع و مناسبت سے دل آویز و نظر افروز ہوا کرتا ہے ؎

رنگ مشکیں شعار عباسی ست　　زیور آرائے چرخ شماسی ست
ظلمت شب کہ مشک فام بود　　بہر آسایش تمام بود
خون تر در میانِ نافۂ خشک　　تا نگردد سیہ نباشد مشک
خط و خالیکہ دلستاں دارد　　مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

بیان وجوہ میں بتدریج ترقی قوت بھی ملحوظ خاطر رہے۔ قصہ ختم ہوتا ہے۔ بہرام ہم آغوش ہو کر خواب سے راحت پذیر ہوتا ہے۔ اوس عیش کے وقت کو یوں بیان فرماتے ہیں ؎

شاہ کز ناز نین مشکیں موے　　ایں فسانہ شنید روئے بروے

خفت در خواب گاہ حورالعین　　گل در آغوش و مشک بر بالیں

واقعہ نگاری اور تسلسل

سبحان اللہ ایک رنگ سیاہ نے کتنے خوش آیند خیالات پیدا کر دیے ہیں جس سے شاعر کی قوت متخیلہ کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اوس کے تمام اجزا اس طرح بیان کئے جائیں کہ تسلسل مضامین کی کوئی کڑی چھوٹنے نہ پائے اس کے ساتھ ہی اس کا بھی لحاظ رہے کہ غیر ضروری بات مذکور ہونے پائے بعض مقام ایسے ہوتے ہیں کہ وہاں کنایہ تصریح سے زیادہ صراحت کرتا ہے اور کلام کی بلاغت اوسی کی مقتضی ہوتی ہے۔ کسی جگہ تصریح و تشریح کے بغیر بلاغت کا حق ادا نہیں ہوتا۔ مثنوی نگار اگر اس کا لحاظ نہیں کرتا ہے تو اوس کی خامی و کم مائگی سمجھی جاتی ہے خسرو علیہ الرحمۃ کی شاعری اس کمال میں بھی کامل ہے۔ ہر ایک قصہ میں اس تفصیل سے جزئیات کو بیان فرماتے ہیں کہ ایک بات سے دوسری بات خود نکلتی آتی ہے اوس پر زبان کی صفائی اور بندش کی چستی کا یہ حال ہے کہ اوس سے کم عبارت میں اگر اوسی مضمون کو بیان کیا جائے تو لطف ادا کو کھوئے بغیر ہو نہیں سکتا۔ اور اگر طوالت دی جائے تو حشو و زوائد میں شمار ہو۔ اوس کا اصلی لطف تو اوسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو پوری کتاب پڑھ جائے۔ لیکن دو ایک نمونہ جستہ جستہ پیش کرتا ہوں۔

پہلی مثال ہشت دوم کی شاہزادی نے جو قصہ بیان کیا ہے اوس میں تین غریب الوطن شاہزادوں کی فراست اور علم بالآثار کا ذکر ہے۔ اوس وقت جبکہ شاہزادے ایک

بادشاہ کے مہمان ہیں اور اون کی ضیافت میں شراب و کباب مہیا کیا گیا ہی۔ ایک نے شراب میں آدمی کے خون کا لگاؤ بتلایا۔ دوسرے نے کباب کو کتے کا قرار دیا۔ تیسرے نے بادشاہ کو باورچی کا لڑکا کہا۔ بادشاہ پشت دیوار سے اون کی گفتگو سن رہا تھا۔ اپنے متعلق ایسا ہوش ربا حکم سن کر تحقیق شروع کرتا ہے۔ پہلے دونوں حکم صادق آتے ہیں۔ اس سے تیسرا حکم جو خود اوس کے متعلق ہے اوس کے صدق کا پلہ غالب آتا ہے۔ ماں کے پاس جاتا ہے اوس کے غضبناک انکار پر قتل کی دھمکی دیتا ہے۔ آخر ماں کو جب اپنی موت کا یقین آجاتا ہے تو مجبور ہو کر اقرار کرتی ہے۔ بادشاہ اپنے مہمانوں کے پاس آتا ہے اور اون کی فراست کی داد دینا چاہتا ہے اور پوچھتا ہے کہ تم لوگوں نے کیونکر یہ پہچان لیا۔ وہ وجہ بتلاتے ہیں۔ امیر صاحب کا قلم اس طرح اوس کی تصویر کشی کرتا ہے ؎

شہ چو بشنید راز ما در خویش — سر فگند از خجالت اندر پیش
رفت در خود فرو دحیراں گشت — وز چناں پرسشے پشیماں گشت
جست بیروں ز کاخ شرمندہ — وز تحیر نہ زندہ نے مردہ
شد بخلوت سرائے مہماناں — بے زباں گشت زاں زباندانا ں
چوں گذشت از شراب دورے چند — راز را بر گرفت مستی بند
گفت کانچہ از شما شنیدم راز — ہمچناں یافتم چو جستم باز

ایسے خجلت انگیز راز کے افشاء نے بادشاہ کی جو حالت کر دی ہو گی اوس کا نقشہ

امیر صاحب کے قلم نے کس خوبی سے کھینچا ہے۔ ایک ایک شعر کو پڑھئے اور ہزار داد دیجئے۔ بادشاہ کا ہکا بکا ہو جانا ایک فطری بات ہے لیکن تسلسل بیان اس کا مقتضی ہے کہ بادشاہ خود اپنے منہ سے اس شرمناک راز کی تصدیق کرے تکمیل قصہ کے لئے اوس کے منہ سے اقرار کرانا ضروری تھا۔ اس لئے بیچ میں شراب کو ڈالا۔ اس سے عمدہ ذریعہ اقرار کا ہو نہیں سکتا تھا۔

دوسری مثال اسی طرح بہشت ہفتم کے بیان میں شاہزادہ جب طلسمی سرمہ آنکھوں میں لگا کر وزیر کے دربار میں نظر سے غائب ہوتا ہے اور اپنے موکل دیو کو اشارہ کرتا ہے کہ بدکار وزیر کو دھول لگائے اس کا بیان بس ہو بہو فوٹو ہے ؎

کرد اشارت بدیو تا برخاست	دست خود کرد بہر سیلی راست
زد قفائے بخواجۂ دیواں	کہ بلرزید زاں طـــاق ایواں
کارداراں زجائے برجستند	سرآں حال را بہم جستند
ہمدریں گفتگوے بد ہر کس	کاہرمن باز در رسید زپس
زد چناں سیلیِ دگر ناگاہ	کز سرِ خواجہ برفتاد کلاہ
کلہ گرد خوردہ رازاں گرد	تا ستاند قفائے دیگر خورد
حیرتے درمیانِ خلق افتاد	دوست آزردہ گشت دشمن شاد
مردماں از خجالتِ دستور	دُور گشتند یک بیک زحضور
ایں زسودائے سیلیش خنداں	واں دگر پشتِ دست بر دنداں

خواجہ جست از خجالتِ سیلی　　بارخِ زرد گردنِ نیلی

ان ابیات میں جس تفصیل سے دیو کا ہاتھ اوٹھانا اور دھول مارنے کے لئے اوس کو سنبھالنا اور پھر ایک دھول لگا کر ٹھیر جانا لوگوں کا متحیّر ہونا اور آپس میں تحقیق کی نظر سے گفتگو کرنا۔ اس اثنا میں دوسری دھول کا رسید ہونا وغیرہ وغیرہ جس شرح و بسط سے بیان کیا ہے اوس کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے۔ سچ پوچھئے تو واقعہ مذکورہ کی تصویر اس سے زیادہ روشن و دل آویز کیا کھینچی جا سکتی تھی۔

ان دو نمونوں سے یہ دکھلانا تھا کہ امیر صاحب جہاں صنائع و بدایع اور محاسن لفظی و معنوی کے خسرو ہیں وہاں بیان واقعات میں بھی اوسی قدر ارفع و اعلیٰ پایہ رکھتے ہیں۔ یہ واقعہ ہے کہ امیر صاحب مثنوی لکھنے کا حق رکھتے تھے اور صحیح معنوں میں آپ نے مثنوی کا حق ادا کیا۔

حیثیت شخصی کا لحاظ

مثنوی نگاری میں یہ حصہ شاعر کے لئے نہایت ہی معرکۃ الآرا ہے ایک ہی حالت ہوتی ہے مگر اوس کا اثر باعتبار اشخاص مختلف ہوتا ہے اب اگر شاعر حالت کے ساتھ شخص کا لحاظ نہیں رکھتا ہے تو اوس کے بیان کا یہ پہلو کمزور ہو جائے گا۔ مثلاً فرض کرو ایک نبرد آزما ہے جس نے مختلف میدانہائے کارزار میں اپنے شجاعت کا جوہر دکھایا ہے۔ وہ کسی ایسے ناز پروردہ کا ہم سفر ہے جس نے تنعم کے سایہ سے کبھی قدم

باہر نہیں نکالا۔ اتفاقاً کسی موقع پر رہزنوں کی جماعت حملہ آور ہوتی ہے تو اوس وقت اوس تجربہ کار سپاہی اور ناز پروردہ رفیق کے دل پر جو اثر ہوگا وہ ایک دوسرے سے بالکل مغائر ہوگا۔

سپاہی آزمودہ کار کے حواس درست ہوں گے دست و بازو میں قوت موجود ہوگی رگوں میں شجاعت کا خون دوڑتا ہوگا۔ چہرہ جوش بہادری سے تمتما رہا ہوگا۔ برخلاف اس کے ناز پروردہ کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹ رہی ہوں گی۔ بدن پر لرزہ طاری ہوگا۔ ہوش برجا نہوں گے۔

اس مثال سے یہ غرض ہے کہ جب کسی واقعہ یا حالت کا بیان ہو تو جس شخص سے اوس کا تعلق ہے اوس کا لحاظ بھی ضروری ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اس کمال کے بھی نمونے ملاحظہ ہوں۔

مثال اوّل۔ بہرام شکارگاہ میں خفا ہو کر دلارام کو گھوڑے سے اوتار دیتا ہے اور خود گھوڑے کی باگ موڑ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ دلارام دشت پرخار میں تنہا رہ جاتی ہے اوس وقت اوس کے دل پر کیا گذری اور اوس نے کیا کیا اور کیونکر کیا اس کی ہو بہو تصویر ان اشعار میں دیکھئے یہ یاد رہے کہ دلارام بہرام کی معشوقۂ جاں نواز ہے عیش و عشرت ناز و نعم میں نشو و نما پایا ہے۔ دل کی کلی ہمیشہ کھلتی رہی ہے یہ کوئی معمولی حیثیت کی عورت نہیں ہے اس پر جو یہ مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا تو اس کی حالت بھی معمولی حیثیت کی عورت سے مغائر ہوگی خسرو اسی کو بیان کرتے ہیں۔

ماند بخویشتن صنم تا دیر — تشنہ و غرقِ آب و از جاں سیر
پس بصد خستگی ز جا برخاست — راہ صحرا گرفت و می شد راست
بسکہ منزل بدشت و دیواں داشت — سایۂ خویش دیو می پنداشت
بسکہ رہ بر سنان تیز ش بود — موزہ غربال خاک بیزش بود
از کفِ پائے خار ہائے چو تیر — میگذشتش چو سوزنے ز حریر
پاکہ از برگ گل فگار بود — چوں شود چوں بروئے خار شود
کس نہ ہمراہ و رہنماش مگر — سایہ در زیر و آفتاب زبر
می نمود اندراں پریشانی — گفتہ و کردہ را پشیمانی
زاں بساط دواں آہو خائے — کردبیم دانش آہو پائے
بیم بودش کہ پا شود بطواف — چوں سمِ آہو از میانہ شگاف

کس خوبی سے خسرو علیہ الرحمۃ نے اوس کی کیفیت کا نقشہ کھینچا ہے ملاحظہ ہو پہلا اثر تو اس ناگہانی آفت کا یہ ہوا کہ وہ ایسی متحیر و ششدر رہ گئی کہ تھوڑی دیر تک یہ بھی سمجھ نہ سکی کہ واقعہ کیا گذرا جب آہستہ آہستہ اوس کے حواس اپنا صحیح فعل کرنے لگے تو اوسے اپنی اس نازک حالت کا اندازہ ہوا۔ زبان سوکھ کر کانٹا ہو رہی ہے جسم ہے کہ پسینہ میں شرابور ہے جینا وبال ہو رہا ہے۔ دیکھئے پہلا شعر ان سب کیفیات پر کس طرح حاوی ہے ؎

ماند بخویشتن صنم تا دیر — تشنہ و غرقِ آب و از جاں سیر

کچھ سوچ سمجھکر اوٹھتی ہے تو جسم میں طاقت نہیں بدن ہے کہ رنج و غم سے چور چور ہے بصد خرابی اوٹھی اور ایک سمت کا رخ کیا۔ اس کیفیت کو دوسرے شعر میں دیکھیے

پس بصد خستگی زجا برخاست　　راہ صحرا گرفت و می شد راست

ایک صحرائے لق و دق مہیب و وحشتناک ہے۔ غولان بیابانی کا نشیمن ہے۔ تنہائی و بیکسی نے ایسا متوحش کر دیا ہے کہ اپنے سایہ کو بھی وہ بھوت سمجھتی ہے انتہائی اضطراب و گھبراہٹ خوف و وحشت میں جو حالت کہ طاری ہوتی ہے اوس کا صحیح نقشہ یہی ہے جو اس شعر میں ہے ؎

بسکہ منزل بدشت دیواں داشت　　سایۂ خویش دیو می پنداشت

اوس کی نزاکت و لطافت کے ساتھ صحرائے پرخار نے کیا سلوک کیا اوس کو اس شعر میں دیکھیے ؎

بسکہ رہ بر سنانِ تیز کشش بود　　موزہ غربال خاک بیزش بود

اسی طرح ہر شعر ایک خاص حالت و کیفیت کا نمونہ ہے۔

دوسری مثال۔ بہشت دوم کے قصے میں بادشاہ نے جبکہ بیٹوں سے تخت و تاج کا مالک بننے کے لئے کہا ہے تو اوس وقت ہر ایک بیٹے نے جو جواب دیا ہے وہ قابل لحاظ ہے مثلاً بڑا بیٹا یہ جواب دیتا ہے ؎

پور دانا بخاک سود کلاہ　　گفت جاوید باد دولت شاہ

کی روا باشد از ہوا خواہی　　کہ زنم پیش شہ دم شاہی

تا توئی ملک بر کسے نہ سزاست　　بے تو خود زیستن برائے چراست
تخت ماوائے چوں منے نبود　　جائے تو جائے چوں منے نبود
موربا آنکہ بر سریر بود　　کی سلیمان و تخت گیر بود

بیٹے کی سعادت مندی اسی کی مقتضی تھی کہ باپ کے رہتے ہوئے بیٹا ہوس سلطانی نہ رکھے لیکن ضمن جواب میں اس امر کی ناموزونی جو آخر شعر میں بیان کی گئی ہے وہ حسن التعلیل کے ساتھ عجب ادب آموز نکتہ ہے ؎

موربا آنکہ بر سریر بود　　کی سلیمان و تخت گیر بود

اس شعر پر جتنا غور کروگے اتنا ہی لطف آئیگا۔

اب بادشاہ منجھلے بیٹے کو بلاتا ہے اور اوس کے سامنے تخت و سلطنت پیش کرتا ہے منجھلے کا جواب سنئے ؎

گفت مارا بجان و بینائی　　کردنی شد ہر انچہ فرمائی
لیک پیشت حدیث تاج و سریر　　عیب باشد زبندہ عیب مگیر
گر بود در سرت کہ افسر خویش　　خود مزین کنی بگوہر خویش
مہتری ہست آخر از من خورد　　بار سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست ایں معراج　　لولوے خورد نیست در خور تاج

اگر منجھلا بیٹا صرف اسی قدر جواب پر اکتفا کرتا کہ آپ کا فرمان سر آنکھوں پر لیکن تاج و سریر کا ذکر آپ کے سامنے کرنا بڑے عیب کی بات ہے اگر اس میں حکم

عدولی ہو تو بندہ کو نافرمان نہ خیال کیا جاے تو بڑے اور منجھلے کی خصوصیت نمایاں نہوتی۔اس لئے اوس نے اپنے جواب میں اس قدر اور اضافہ کیا کہ اگر آپ کی یہی خواہش ہے کہ آپ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں تاج شاہی سے مزین فرمائیں تو بسم اللہ بڑا بھائی موجود ہے یہ حق اوس کا ہے اور آپ کے بعد اوسی کو زیب دیتا ہے اُس کی دلیل یہ ہے کہ سر سے بوجھ اوتار کر کاندھے پر رکھنے کا دستور ہے۔اب جواب کامل ہوگیا۔بڑے اور منجھلے کا فرق بھی نمایاں ہوگیا۔باپ کی موجودگی میں سلطنت سے دست برداری بھی ظاہر کر دی اور اوسی کے ساتھ بڑے بھائی کا ادب وحق ملحوظ رکھتے ہوے فرق مراتب باپ اور بڑے بھائی کا بھی "بار سر جز بدوش نتواں برد" کہہ کر قائم کر دیا۔

تیسری مثال۔بہشت ششم کے قصے میں جسوقت سوداگر زادہ طلسمی حمام سے ایک سال بعد آبدہوا اُس وقت اوس کے غلاموں کو جو مسرت ہوئی ہے اور جس طرح اونہوں نے اپنی خوشی کا اظہار دلی نعمت سے کیا ہے، اوس فرط جوش ومحبت میں بھی اون کی غلامانہ حیثیت پوری طرح ملحوظ ہے ؎

چوں بدیدند روے منعم خویش — در دویدند خواجہ را در پیش
ہر یک از بندگاں بہ آزادی — گریہ میکرد لیکن از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند — بوسہ بر دست وپاش میدادند

جذبات عاشق ومعشوق اور اُن کے لوازم | سرسری نگاہ میں عاشق کی

نیازمندی معشوق کی بے نیازی ایک معمولی مضمون ہے جسے ہر سخنور بیان کرتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ منزل عشق کی راہیں جس طرح عمل میں دشوار گزار ہیں اوسی طرح اون کا بیان بھی خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں ایسے ایسے لطیف نکات ہیں جنھیں ہر ناظم کی قوت فکر یہ پا نہیں سکتی ؎

ہزار آیت خوبی ست در مطالعۂ رو　　نہ ہر کہ خط بشناسد مفسری داند

پہلی مثال۔ عاشق جب مژدۂ وصل پاتا ہے تو اس روح پرور خبر سے اوس پر ایک عالم وجد طاری ہو جاتا ہے لیکن اگر کسی عاشق کے لئے معشوق کا وصال بہت ہی دشوار ہو۔ کوشش وسعی کی راہیں مسدود ہوں۔ ہجوم یاس نے اوسے بالکل ہی وا رفتہ واز خود رفتہ کر دیا ہو اوس بیخودی کے عالم میں اوسے مژدۂ وصل پہونچے تو پھر اوس کے وجد وطرب کا ایک اور ہی عالم ہوگا۔ خسرو علیہ الرحمۃ بہشت پنجم میں اوس غریب الوطن شاہ زادے کا قصہ جو ملکہ ملتان کی سنگی تصویر دیکھ کر دل ہاتھ سے دے چکا ہے وصل سے مایوس ہو کر پاگل ہو رہا ہے اوسکے پاس جس وقت مژدۂ وصل پہونچا ہے تو اوس کی کیا حالت ہوئی اوس کو بیان کرتے ہیں ؎

سوئے عاشق دوید یارے زد　　بردش از دوست مژدۂ مقصود

چوں بگوش وے ایں سخن در شد　　بے خبر بود بے خبر تر شد

ماند حیراں دراں حکایت نغز　　جوشے از دل دراوفتاد بمغز

خاست چوں بیدلان جاں دادہ　　دل دیوانہ را عنناں دادہ

پائے کوباں بوجد و حال آمد　　در نہاں خانۂ وصال آمد

دوسری مثال بہشت ششم میں سوداگرزادہ جبکہ ایک طلسم سے نکل کر ایک طلسمی گاؤں میں پہونچا ہے اور وہاں ایک بوڑھی عورت نے اوسے مہمان بنایا ہے تو اوس پیرزن کی حسینہ وجمیلہ لڑکی سے مہمان کی آنکھ لڑتی ہے تیر عشق دل کے پار ہوجاتا ہے اور وہ محبوبہ اپنی اداے معشوقانہ سے اوسے بسمل بنا دیتی ہے

زال را بود دخترے عیار　　دل فریبے چو صد ہزار نگار

دزد دلہا دو چشم پُرفن او　　خون صد بیگنہ بگردن او

گشت چوں یک دگر نظر ہا گرم　　نازنیں سر فرود فگند زشرم

روے پوشید و کرد آں سو پشت　　میہماں را بہ یک کرشمہ بکشت

معشوقہ کا سر جھکا لینا مُنہ کا چھپا لینا جہاں مقتضاے شرم وحیا ہے وہاں ایک ناز دلربایانہ بھی ہے لیکن شاعر کا کمال اس نکتہ کے ادا کرنے میں ہے جو اس جملہ میں مضمر ہے (کرد آں سو پشت) جس سے اس کا اظہار مقصود ہے کہ جس طرح میرا چہرہ روشن اور آنکھیں پُرفن ہیں پیٹھ بھی ویسی ہی محرابی ہے پیٹھ پھیرنے سے مقصود اظہار اون خوبیوں کا ہے جو پشت پھیرنے سے ہی نمایاں ہوتی ہیں۔

تیسری مثال۔ اسی بہشت ششم میں اوس موقع پر جبکہ سوداگرزادہ طلسمات طے کرتا ہوا آخر طلسم میں مبتلا ہوا ہے اوس وقت اوس کی حیثیت شاہانہ ہے ایک

ملک کا خود مختار بادشاہ ہے عجب عیش و عشرت سے ایام بسر ہو رہے ہیں خاص کر جب رات ہوتی ہے تو ایک گلبدن نازک اندام ایک گلدستہ پیش کرتی ہے اور تمام شب بادشاہ لذت و سرور میں بسر کرتا ہے آخر نوبت اوس معشوقہ کی پہونچتی ہے جس کا وصال طلسم کا خاتمہ ہے۔

یہ نازنین ایسی ماہ طلعت و پری پیکر ہے کہ سارے طلسمات میں ایسی دلکش صورت اس نے کبھی نہیں دیکھی تھی بادشاہ بیتاب ہو کر اوس سے ہم آغوش ہوا چاہتا ہے وہ اوس وقت اپنی نزاکت جس پیرایہ میں بیان کرتی ہے اوس سے یہ نکتہ حل ہوتا ہے کہ حسن کی سرکار ایسا بلند پایہ رکھتی ہے جہاں شاہانہ جاہ و تجمل اور ملوکانہ آرایش بھی ہیچ ہے ملاحظہ ہو ؎

ترک جادوگر فریب انگیز — گفت آبے بزن بر آتش تیز
گرد میدان بارگہ برتست — تن شاہانہ را بباید شست
تا نگردد چو گیر مت بکنار — نازک اندام من زگردِ فگار
کہ مرا نام مردم دیدہ است — گرد بر دیدہ ناپسندیدہ است

لیل و نہار شاعر کا یہ بھی کمال ہے کہ اگر اوسے ایک ہی مضمون بار بار کہنا ہو تو ہر مرتبہ اوسے ایک جدید پہلو سے کہے مثلاً آفتاب کا طلوع و غروب جب عالم شاعری میں ہو تو ایک نئے انداز سے ہو اسی کے ساتھ استعارے ایسے ہوں جو اون واقعات سے جن کا تعلق اوس لیل و نہار سے ہے

مناسبت رکھتے ہوں اس کی مثالیں اس مثنوی میں بہشیار موجود ہیں یہاں صرف چار شعروں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

صبح

(۱) بامداداں کہ صبح جامہ سفید — پردہ برداشت از رخ خورشید
(۲) گنبد آسماں چو شد بیدود — گشت روشن جہانِ زراندود
(۳) آسماں چوں ز چشمۂ خورشید — کرد پیراہن زمانہ سفید
(۴) شاہ انجم برسمِ ہر روزہ — چوں برآمد بہ تختِ فیروزہ

شب

(۱) شب چو دریائے چرخ بر زد رنگ — چشمۂ مہر شد بکام نہنگ
(۲) چوں جہاں رخ نمود در پرزاغ — شد فلک پر ز صد ہزار چراغ
(۳) در پرزاغ چوں نہاں شد مہر — پر طاؤس باز کرد سپہر
(۴) چرخ چوں زلف شب فگندہ بدوش — ماہ گشت از ستارہ زیور پوش

ہر شعر کا استعارہ کیا لطف پیدا کرتا ہے اوس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے اصل قصہ پڑھنا ضرور ہے یہ کل اشعار بہشت ششم سے لئے گئے ہیں ناظرین اگر چاہیں تو صرف ایک ہی قصہ پڑھ کر شاعر کی طبع روشن کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

وصل و وصال بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جن کا اظہار نہایت ہی مشکل ہوتا ہے کہیں آداب و تہذیب کا قانون زبان کی مقراض بننے کو

تیار ہوتا ہے اور کہیں حیا گلو گیر ہوتی ہے لیکن ایک قادر البیان چند الفاظ کے ایر پھیر میں سب کچھ اس صفائی سے کہہ جاتا ہے کہ مخاطب صحیح سمجھ جاتا ہے اور مقنن منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔

خلوت کی باتیں عاشق جانے یا معشوق۔ زبان اوس کا افشا کیوں کر کرے لیکن جس کے قلم میں زور ہے وہ حسن بیان کا پردہ ڈال کر یوں کہتا ہے۔

پہلی مثال

خویش را کردہ بود لعبتِ سیم — بمرادِ حریف خود تسلیم
او بدنداں عقیق را می سُفت — قندمی خست و انگبیں میرفت
زاں لب لعل می کشید شراب — نقل ہم پستہ بود ہم عناب

دوسری مثال

دربر آورد یار زیبا را — کرد خوش جان ناشکیبا را
یافت آں آرزو کہ در سر داشت — کام دل دید و کام دل برداشت
ہمہ شب بابتِ بہشتی خویش — راند در جوئے شیر کشتی خویش

تیسری مثال

عاشقانہ بپائے یار فتاد — کار با بوس و با کنار فتاد
او در آویخت در دو زلف چو شست — گرد ن خود بطوق مشکیں بست
روے بر روے نہاد دوش بدوش — خرمنِ گل کشید در آغوش

بر دغارت بدرج مروارید　　ایں ہمی چیدا و ہمی بارید

ایک ہی معنی کو گوناگوں رنگیں لباس اور نئے شان اور نئی ادا سے آراستہ کرنا خسرو کا حصہ ہے۔

جزئیات داستان نگاری

داستان نگاری کے ذیل میں بہت سی چھوٹی چھوٹی باتیں ایسی آتی جاتی ہیں جن کا کوئی خاص مرتبہ تو نہیں ہوتا لیکن اون کا بیان اس کا ضرور مقتضی ہوتا ہے کہ اس انداز سے کہی جائیں کہ خالی از لطف نہوں۔ مثلاً باغ و راغ کوہ و صحرا یا معشوقوں کا سراپا وغیرہ اثنائے قصہ میں اگر ان کے بیان میں طوالت کی جاے تو تسلسل میں خلل پڑتا ہے اور اگر انہیں معمولی الفاظ میں کہا جاے تو لطف بیان جاتا ہے۔ بدیں وجہ ایک باکمال شاعر ہمیشہ ایسے مواقع پر پھولوں کا ایک چمن کھلاتا ہوا بلبلوں کے چہچہے سناتا ہوا کسی پری جمال کی ایک جھلک دکھاتا ہوا ناظرین کو اصل داستان کی طرف بڑھائے جاتا ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ بھی اس مثنوی میں ایسے مقام کا کم سے کم ایک اور زیادہ سے زیادہ تین شعروں میں حق ادا کرتے ہوئے داستان کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں ؎

وصف معشوقہ

رخ بزیبائی از گل افزوں داشت　　پاے تا سر لباس گلگوں داشت

صنمے دید آفتاب در فش　　شقۂ بر تن از حریر بنفش

دید کامد میانۂ بازار　　شاہدے ہمچو صد ہزار نگار
زلفِ مرغول عنبر آلودہ　　ہندوآسا بگل برآمودہ
نرگسش از کرشمہ شور انگیز　　کشتہ عشاق را بغمزۂ تیز

باغ و صحرا

لالہ بر کف گرفت جام شراب　　نرگس از مستی او فتاد بخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے　　سبزۂ نو دمیدہ بر لبِ جوے
سوسنبوا ز درخت میوہ قطار　　شاخ سر بزمیں فتادہ زبار
دید در پیشِ غار صحرائے　　لالۂ گل دمیدہ ہر جائے
کشت در کشت روضۂ چو بہشت　　جوے بر جوے بر کنارۂ کشت
بر سر سبزہا ے بینا رنگ　　نائے کنجشک پُر ز نغمۂ چنگ

اسی طرح کی بہت سی جزئی باتیں ہیں جن کا احاطہ تمثیل و تحریر سے ناممکن ہے ایک وہ شخص جس نے داستان گوئی و داستان نویسی کے فلسفہ کو سمجھا ہے وہی خسرو علیہ الرحمۃ کی واقعہ نگاری کی داد دے سکتا ہے ہشت بہشت و ہفت پیکر کے قصص اگر اس نگاہ سے کوئی مطالعہ کرے تو اسے خسرو علیہ الرحمۃ

کی برتری صاف دکھائی دے گی۔

تشبیہ و استعارے

نظم ہو یا نثر، حالت فرحت و انبساط ہو یا رنج و اضمحلال تشبیہ و استعارے سے کلام بہت کم خالی ہوتا ہے بلکہ بعض اوقات بیخواستہ جذبات کا اظہار تشبیہ و استعارے میں ہو جاتا ہے مثلاً حالت غم و اندوہ میں اظہار غمناکی اس طرح کرتے ہیں کمر ٹوٹ گئی چھاتی پھٹ گئی دل خون ہو گیا۔ حالانکہ ایک غم زدہ مصیبت کا مارا تصنع و تکلف کر نہیں سکتا یہ تو جذبات کا زور ہے جو اس کے منہ سے کلمات استعارے میں نکل رہے ہیں۔ اب ایک ایسی چیز جو اس قدر عام ہو سلسلۂ نظم میں کس قدر ندرت و لطافت چاہے گی۔ شاعر کا اس صنف صنعت میں یہ کمال ہے کہ اوس کے استعارے و تشبیہ ایسی روانی و سلاست سے نظم ہوے ہوں جس میں تکلف و تصنع کا شائبہ تک نہو۔ ایسی جدت و ندرت اوس تشبیہ و استعارے میں ہو کہ اوسے سنکر سامع میں تشنگی پیدا ہو جاے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی ضرور ہے کہ اوس میں پیچیدگی نہو جدت ہو زور ہو لیکن سامع کو سمجھنے میں تکلف نہو۔

اب ہم جابجا سے ایسے اشعار التقاط کر کے لکھتے ہیں جن کے طرز ادا اور حسن بیان میں تشبیہ یا جدت استعارہ یا کوئی دوسری خوبی ایسی پائی جاتی ہے جو مثنوی کے لئے زیور ہے۔ ایسے اشعار کے مواقع سمجھنے کے لیے قصوں کو ضرور پڑھ جانا چاہیئے۔ یہاں تو صرف کلام کی خوشنمائی و دل فریبی کا بیان مقصود ہے۔

بہشت سوم

زاں طلسمے کہ کرد مرد دلیر　　مہ زبرشد عطارد آمد زیر

یہ وہ موقع ہے کہ حسن زر گر اپنی حکیمانہ چال سے اُس قید خانہ بلند سے رہائی پاتا ہے اور اُس کی بی بی جس نے انشائے راز کیا تھا وہ اوپر پہنچکر قید ہو جاتی ہے۔ عطارد کی منزل چاند سے اوپر ہے۔ یہاں معاملہ برعکس ہو گیا۔ اس لیے خوبی مصرعہ ظاہر۔

بہشت چہارم

جانِ شیریں بداں شکر خادا　　خضرے رادم مسیحا دا

بادشاہ ہرن کے کالبد کو چھوڑ کر طوطی کے قالب میں آیا ہے طوطی ہند کی شکر گفتاری مشہور ہے اس موقع پر اُس کو مسیحا دم بتانا اور رنگ سبز کر باعث خضر سے جنھیں حیات جاوید حاصل ہے تشبیہ دینا قابل لحاظ ہے۔

ایضاً

در زماں مرغ را بہ خنجر کشت　　کشتہ را ہیں کہ باز دیگر کشت

وزیر نابکار کالبد شاہی کو چھوڑ کر مرغ کے مردہ جسم میں آیا ہے۔ لطیفہ یہ ہے کہ کوئی ایک بار

مرتا ہی یہ بدشعار وزیر دو بار مرا۔ ایک تو جب اپنے قالب کو رہا کر کے قالب شاہی میں آیا۔ اور ایک جب مُرغ کے قالب میں آکر ذبح ہو گیا۔

بہشت پنجم

بان نوشد نشاط فرماید　　خیزد و خیزد و فرود آید

جس طرح ایک موصوف کے لیے کئی صفات پے در پے ذکر کرنا صنعتِ تنسیق الصفات ہی اسی طرح چند افعال کا پے در پے ایک فاعل کے لیے بیان یہ بھی صنعت ہی۔

بادشاہ کی بادہ پیمائی، معشوقہ دل نواز سے طرب انگیزی، خواب شیریں کا لطف اور سحر کے وقت بالاخانہ سے اُتر کر باہر آنا یہ سب کس اختصار کے ساتھ ایک شعر میں آگیا ہی۔

ایضاً

کردہ رہ تا بجائیگاہ رسید　　زیر زیر زمیں بماہ رسید

جائے گاہ معنی منزل گاہ۔ زیر زمیں چل کر ماہ تک پہونچنے کا لطیفہ کیسا نادر ہی۔

ایضاً

شاہ را کامد آں صنم در پیش　　گم شد اوّل در و پس اندر خویش

بادشاہ ملکہ کو دیکھکر پہلے اُس کے حسن و جمال سے متحیر و ششدر ہو جاتا ہی۔ پھر اُس کی صورت بعینہٖ اپنی معشوقہ بادشاہ بیگم سے مُشابہ پاکر دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہی۔ آلہی یہ ماجرا کیا ہی۔ غیر کا مکان۔ غریب الوطن میزبان اُس کے گھر بادشاہ بیگم ساقی کی خدمت

کیونکر انجام دے سکتی ہی۔ اس جلسہ میں اُس کا آنا اور اس بے حجابی سے محفل میں حاضرین کو ادائے محبوبانہ سے والہ و شیدا بنانا کیونکر ممکن ہی ع

گم شد اوّل در و پس اندر خویش

میں اختصار و وضاحت کو جس طرح جمع کیا ہی وہ قابل ہزار داد ہی۔

بہشت ششم

دید کامد بروں ز گوشۂ باغ　　آفتابے بکف گرفتہ چراغ
صد ہزاراں ستارہ گرد پیش　　خود چو خورشید و شمع اندر پیش

یہ وہ سماں ہی کہ پریوں کی ملکہ پچھلی شب کو چراغ ہاتھ میں لیے باغ میں آتی ہی اور پریاں ستاروں کی طرح اس کو حلقہ کیے ہوئے ہیں۔ شاعرانہ اندازِ بیان کا لطف ظاہر ہی۔

ایضاً

شمع را پیش برد قبلہ حور　　او چو پروانہ در حوالی نور

یہ وہ موقع ہی کہ پریوں کی ملکہ کی کنیز سوداگرزادہ کو بلا کر لے جاتی ہی۔ خود شمع لیے ہوئے آگے آگے جا رہی ہی اور سوداگرزادہ اُس کی روشنی میں پیچھے پیچھے جا رہا ہی۔ پروانوں کا قاعدہ ہی کہ جہاں شمع ہوگی وہاں اُڑ کر آئینگے اور جمع ہونگے۔ اب شمع کو جہاں لے جاؤ وہ اُس کے ساتھ ساتھ ہیں سوداگرزادہ جس لطف و کیف میں کہ اُس کنیز کے پیچھے پیچھے جا رہا ہی الفاظ میں اُس کی بہتر تصویر کشی اس سے اور کیا زیادہ ہو سکتی ہی۔

ایضاً

بر دغارت بُدرجِ مروارید　　او ہمی چیدایں ہمی بارید

لطف بوسہ بازی کی یہ ایک اچھوتی تشبیہ ہے۔ جس انداز سے امیر صاحب نے اس مضمون کو بیان کیا ہے یہ انھیں کا حصہ ہے۔ دوسرے کسی شاعر کے کلام میں اس لطف کے ساتھ یہ مضمون نہیں دیکھا گیا۔

ایضاً

صُبح چوں کرد جیبِ ظُلمت چاک　　سایۂ خاک رفت ہم در خاک

تاریکی شب زمین کا سایہ ہے۔ جب صُبح ہوتی ہے تو سایہ جہاں سے نکلا تھا اُسی جگہ پوشیدہ بھی ہو جاتا ہے۔ بیان کا یہ طرز اپنی جدّت میں کیا شان رکھتا ہے۔

بہشت ہفتم

مو پریشان و رو خراشیدہ　　سمن از برگ گل تراشیدہ

ملکہ نے حنائی انگلیوں سے اپنے چہرہ کو جو نوچا ہے اُس کی کیسی پیاری تشبیہ ہے۔ پھر ایک ہی شعر میں الفاظ پریشان و خراشیدہ و تراشیدہ اظہار رنج و غم کے لیے کس قدر موزوں و جامع ہیں۔ اِس کتاب کی شعر و شاعری کے متعلق جن لطائف کا نمونہ پیش کرنا تھا جستہ جستہ اُن کی طرف اشارہ کر دیا گیا۔

اب دوسری حیثیت سے اس کتاب پر تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ محاسن شعری کے علاوہ قصّوں کے ساتھ ساتھ کوئی سبق اخلاق کا بھی ملتا ہے

یا نہیں۔ ان داستانوں سے اصلاح نفس و حصولِ عزت بھی ممکن ہی یا نہیں۔ قصص کے ذیل میں تدبر و تفکر کا نتیجہ اور اُس کی ترغیب پائی جاتی ہی یا نہیں۔ مصنف نے تصنیف کے وقت ان باتوں کا خیال رکھا تھا یا نہیں، ناقد کو اس سے کوئی بحث نہیں ہاں اگر مصنف کا خیال بھی کسی طرح معلوم ہو جائے تو یہ ایک اضافہ اُس مصنف کے کمال میں ہوگا۔ لیکن نقد کے لیے صاحب تصنیف کے خیال کی جستجو ایک عبث شے ہی۔

الف لیلہ کب لکھی گئی اور آج یورپ اُس پر اپنے نوٹ چڑھاتا ہی جس سے تاریخی معلومات پیدا ہوتے ہیں حالانکہ لکھنے والے کا خیال بھی اس طرف نہیں گیا ہوگا کہ یہ داستان الف لیلہ کسی وقت اُن بیش بہا معلوماتِ تاریخی کا سُراغ بتائیگی۔ مصر کا تمدن بہت قدیم تھا۔ اُس وقت کی لکھی کوئی تاریخ ڈھونڈو تو نہ ملیگی۔ لیکن اُس کے کھنڈروں میں پھر پھر کر اور قدیم آثار میں غور و فکر پیدا کر کے عہد قدیم مصر کی ایک تاریخ درست کر دی گئی جس پر بہت کچھ اعتماد کیا جا سکتا ہی۔ ایک سُراغ سے اتنے نہانی سراغوں کا پتہ لگا ہی کہ عقل متحیر ہو جاتی ہی۔

انگریزی میں شیکسپیر کے ڈرامے مشہور ہیں۔ لیکن اب اُن ڈراموں کی شارحین نے وہ بال کی کھال کھینچی ہی اور نکات بیان کیے ہیں کہ شاید شیکسپیر کا وہم بھی وہاں تک نہ پہنچا ہوگا۔ غرض اس سے یہ ہی کہ ناقد کو یہ خیال نہ کرنا چاہیئے کہ جس نکتہ کو وہ بیان کرنا چاہتا ہی مصنف کا ذہن بھی اُس طرف منتقل ہوا تھا یا نہیں۔ اُس کو کامل اختیار حاصل ہی کہ مفید یا غیر مفید جیسا کچھ بھی وہ نتیجہ حاصل کرے اُسے بیان کر دے۔ لیکن امیر علیہ الرحمۃ

میں یہ کمال ہی کہ جس طرح نظم کی قوت اُن میں وسیع ہی اسی طرح اخلاق کا دامن بھی اُن کا طویل الذیل ہی۔ وہ صرف شاعری نہیں کرتے بلکہ امراضِ روحانی کے لیے تیر بہدف نسخے لکھتے ہیں۔ ادویات کی تلخی کو قصص و حکایات کی شوخی و شاعرانہ تخیل سے خوش گوار و زود ہضم بناتے ہیں۔ اگرچہ اس کتاب میں قصے تو عیش و عیاشی کے ہیں لیکن ؎

ہر کہ افسانہ بخواند افسانہ است ہر کہ دیدش نقد خود مردانہ است

اگر ذرا تعمق نگاہ سے کام لیا جائے تو بیشمار فوائد معاشرت و اخلاق اور تمدن وغیرہ کے انھیں قصوں سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ مثلاً بہشت دوم میں جو قصہ ہی اُس میں شاہزادوں نے جس طرح آثار و علامات کو دیکھکر حکم لگائے ہیں۔ اُسی سے معلوم ہوتا ہی کہ کائنات کا ہر ذرہ گوناگوں علوم و معارف کا دفتر اپنی ذات میں پنہاں رکھتا ہی۔ صحیفہ عالم کے مطالعہ کرنے والے انھیں پیش پا افتادہ چیزوں سے معلومات کے زر و جواہر رول لیتے ہیں۔ ایک غافل وہاں سے بے خبر گذر کر اُن بیش بہا جواہر سے محروم رہ جاتا ہی۔ کائنات کی طرف امعان نظر سے دیکھنا اور اُس میں تفکر و تدبر پیدا کرنا بڑے بڑے نہانی اسرار کا انکشاف کر سکتا ہی جو تزائد عقل۔ اصلاحِ نفس و ترقی تمدن کے باعث ہو سکتے ہیں انگریزی میں اس طرح کے غور و فکر کو (Observation) آبزرویشن کہتے ہیں۔ فلسفہ طبیعات میں اس کی صدہا مثالیں ہیں۔ بہشت سوم میں حسن زرگر کے قصہ سے یہ نصیحت حاصل ہوتی ہی کہ اپنے راز کی حفاظت ضروری امر ہی۔ خاص کر عورتوں سے اُس کا اظہار بسا اوقات خطرات سے دوچار کر دیتا ہی۔ طبقہ اناث کی خلقت کمزور ہی

اور عقل بھی ناقص۔ حسن زرگر نے اپنے راز کو بیوی سے ظاہر کر دیا۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ نے ایک بہت ہی بلند منارہ پر اُس کو مقید کر دیا۔ اسی قصہ سے دوسری نصیحت یہ حاصل ہوتی ہے کہ مُصیبت کے وقت اگر دامن صبر ہاتھوں سے نہ چھوٹے تو مخلصی آسان ہے۔ جیسا کہ حسنِ زرگر نے قید ہو کر اپنی عقل کو پراگندگی سے بچایا۔ اور پھر عقل سے کام لیکر اپنے آپ کو رہا اور مفشئ راز کو قید کر دیا۔ یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ اہلِ کمال اگر بخت و اتفاق سے مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ اور حساد و اعدا کا وار اُن پر چل بھی جائے پھر بھی کمال آخر میں اُنھیں مرتبۂ اعلیٰ تک پہنچا ہی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حسن زرگر بادشاہ کی خدمت میں بلند منصب تک پہنچا۔ اس کی طرف امیر صاحب بھی اشارہ فرماتے ہیں ؎

از خرد کارش آں روائی یافت　　کز ملک شغل کہ خدائی یافت

تا بدانی کہ ہر کرا خرد ست　　آرزوہاش در کنار خود ست

اِن دو شعروں سے یہ مسئلہ اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ خسرو کا مقصد قصہ خوانی نہیں ہے بلکہ تلقین و نصیحت کا یہ ایک پیرایہ ہے۔ ہاں یہ سوال ایک سطحی نظر کا تشخص کر سکتا ہے کہ نصیحت کسی ایسے قصہ سے بھی بیان کی جا سکتی تھی جس میں اس طرح کے مضامین خلاف تقدس نہ ہوتے۔ لیکن ارباب فن جو اپنے پہلو میں ایک دردمند دل رکھتے ہیں وہی خوب سمجھ سکتے ہیں کہ نصائح کے محتاج وہی بیچارے گنہگار ہیں جن کا حاسہ اخلاق اسقدر مردہ و بے حس ہو گیا ہے کہ نیکی و کمال کے محاسن سنکر اُن کے حاسۂ اخلاق میں جنبش تک نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کے سمجھانے کا یہی طریقہ بہتر ہے کہ وہ جن معائب میں مبتلا ہوں

قصہ انھیں کے رنگ کا چھیڑا جائے۔ ہم مشربی و ہم رنگی اُن کی توجہ کو کامل طور سے مبذول رکھیگی۔ لیکن جب کہ آخر میں نتیجہ رسوا کن نکلیگا تو اُن کو یقیناً خود بخود یہ خیال پیدا ہوگا کہ جس طرح ہمارے ہم مشرب کو رسوا ہونا پڑا ہوسکتا ہے کہ ہمیں بھی رسوائی نصیب ہو۔ بہرحال اس بحث کا یہ محل نہیں۔ یہاں تو صرف اسقدر بیان کرنا ہے کہ خُذْ مَا صَفَا دَعْ مَا کَدَرَ۔ "ہزل بگزار جد از دو بردار" کو پیش نظر رکھکر اگر مطالعہ کیا جائے تو بہت کچھ زر و جواہر خرابہ سے بھی مل سکتے ہیں۔ کیسے مبارک نفوس تھے مسلمین سلف کے جن کے ہزل میں بھی فوائد منافع تھے۔

مقابلہ ہفت پیکر و ہشت بہشت

اس سے پیشتر کہ مقابلہ میں دونوں کا رنگ دکھایا جائے یہ کہدینا مناسب ہے کہ مقصود دونوں حضرات کے لطف کلام کا اظہار ہے نہ کسی کی پستی و بلندی دونوں کا کلام اپنے اپنے رنگ میں ارفع و اعلیٰ۔ پستی کا کسی جانب گزر کہاں۔ دونوں ہمارے ہر حیثیت سے پیشوا و مقتدا۔ ہاں جس کے کلام میں جو لطف و نزاکت کہ فقیر نے سمجھی ہے اُسے اپنی فہم کے مطابق اہل وطن کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اگر انھیں بھی پسند آئے تو چشم ما روشن و نہ دل ما شاد۔ یہ تو اپنا اپنا مذاق ہے اور اپنا اپنا معیار ؎

نہ مرا نوش زتحسین نہ مرا نیش ز طعن — نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش فسوسے
سنم و کنج خمولی کہ نہ گنجد دو سے — جز من و چند کتابے و دوات و قلمے

حمد | حمد کا مضمون ایسا دلچسپ ترانہ اور دلکش نغمہ ہے کہ تمام عالم حیوان، نبات وجماد کی زبان قال وحال کا ساز اوس کے کیف ولطف سے ترنم ریز مستی وسرور ہی جس کی سبحہ گردانی کا اظہار خود محمود کے اس روح افزا صوت وصدا سے ہو رہا ہے کہ یسبح للہ ما فی السموٰت وما فی الارض مگر جس کو دیکھیئے ایک نئی دھن سے گا رہا ہے اور جس پر نظر کیجئے ایک عجیب بیخودی کے جوش میں الاپ رہا ہی الحق ؎

لے ترا با ہر دلے رازے دگر ہر گدا را بر درت نازے دگر

پھر انسان جس کی دستار فضیلت پر علمہ البیان کی کلغی سجائی گئی ہو اس کی شیوہ بیانی کا کیا پوچھنا۔ علی الخصوص رہروان سلوک ومعرفت تو کچھ ایسے دلکش سازمیں حمد کی صدا سُنا جاتے ہیں کہ صدیوں بعد جب کبھی ان کے کلام کا اعادہ کیا جاتے تو ارباب ظاہر وغفلت شعار بنی آدم بھی تھوڑی دیر کے لئے وجد میں آکر بیخود ہو ہی جاتے ہیں۔ اس وقت حضرت نظامی وحضرت امیر خسرو (علیہما الرحمۃ) کی مثنوی ہفت پیکر وہشت بہشت سے چند اشعار لیکر پیش کرتا ہوں تاکہ یہ معلوم ہو کہ اوس قادر مطلق نے ان شیریں بیانوں کو کیسی قوت وقدرت عطا فرمائی تھی کہ باوجود امتداد دہر وتغیرات گوناگوں آج بھی اُن کے کلام کی حلاوت اوسی طرح ذوق نواز ہے۔

حمد کے ارکان | حمد میں چند باتیں ہیں جنھیں ایک باکمال سخنور علی الترتیب بیان کیا کرتا ہے سب سے پہلے واجب الوجود وقدیم بالذات کا مسئلہ آتا ہی اس کے بعد

ربوبیت و تخلیق کا مضمون۔ پھر عبد و معبود کا علاقہ اور آخر میں نیازمندی و مدعا طرازی انھیں عناصر اربعہ سے ایک حمد کامل حمد کہی جاتی ہے جس کا طریقہ خود اوس جل مجدہٗ نے سورۂ فاتحہ میں بتا دیا ہے۔

اس وقت تفصیلی بحث تو ان دونوں باکمالوں کے مضمون حمد پر مقصود نہیں لیکن جستہ جستہ بعض اشعار ہدیۂ ناظرین ہیں جس سے اقلیم سخن پر اُن دونوں سخنوروں کے سلطنت کی نوعیت معلوم ہوگی۔

مسئلہ وجوب و قدم

نظامی	خسرو
اے جہاں دیدہ بود خویش از تو	اے کشایندۂ خزانۂ جود
ہیچ بودے نبود پیش از تو	نقش پیوند کارگاہ وجود
آفرینندۂ خزانۂ جود	بودنی را ہمیشہ بود از تو
مبدع و آفریدگار وجود	بودنا بود را وجود از تو

مولٰنا نے جس خوبی سے ذات غرا سمۂ کا وجوب و قدم اور خالق جملہ کائنات ہونا بیان فرمایا ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ جس سادگی سے دلیل لائی گئی ہے اور ایک کے تسلیم سے دوسرے کا لزوم جس خوبی سے پیدا کیا ہے اوس کے سامنے حکماء متکلمین کے دلائل ہیچ ہیں اوس پر بود و نبود اور جود و وجود میں صنعت تجنیس و اشتقاق صنائع لفظی کی عمدہ مثال۔

لیکن اسی مضمون کو جس روانی و سلاست سے کہ خسرو کہتے ہیں اوس کی برتری و بلندی صاف عیاں ہے۔ پہلا شعر دوسرے شعر کا جواب ہی اور دوسرا شعر پہلے شعر کا نقش ثانی وہی الفاظ ہیں اور اوسی صنعت تجنیس و اشتقاق کے التزام کے ساتھ اوسی مضمون کی تکرار ہے مگر قابل لحاظ یہ امر ہے کہ چند نئے الفاظ کی نئی ترکیب نے اصل مضمون کو کس درجہ اوج کمال پر پہونچا دیا ہے۔ خاص کر دوسرے شعر کا پہلا مصرعہ "بودنی را ہمیشہ بود از تو" جہاں ذات باریتعالیٰ کے خالق ہونے کا اقرار ہی وہاں مادیین کے ایک ملحدانہ مسئلہ کا جواب بھی ہے۔

یہ حق ناشناس فرقہ کہتا ہے کہ جس قدر اشیاء کا ظہور عالم میں ہو رہا ہے وہ تنوعات حرکت اور مادۂ قدیم کی جنبش کا نتیجہ ہے خسرو اس خیال باطل کا رد کرتے ہیں اور صحیح فلسفہ یوں بیان کرتے ہیں کہ ہر ایسی شے جو ہست ہونے کی قابلیت رکھتی ہے وہ ہمیشہ ہر آن و ہر زمان تجھی سے خلعت وجود پہن رہی ہے تیرے سوا کوئی خالق کسی شے کا ہو نہیں سکتا۔ اسی شعر کا دوسرا مصرعہ "بودنا بود را وجود از تو" لطف صنعت تضاد کے ساتھ تمام ماسوی اللہ کے وجود امکانی کو جو نیستی سے فضائے ہستی میں آیا ہے جس طرح وجود واجب کی تجلیات کا مظہر بتا رہا ہے وہ بھی قابل ہزار داد ہے۔ مولنا نظامی نے جس قدر مضمون کہ اپنے پہلے شعر کے دونوں مصرعوں میں کہا تھا اوس سے بہت زیادہ اس دوسرے شعر کے ایک مصرعہ میں موجود ہے۔

اب ایک نظر اس پر ڈالنی چاہیئے کہ خسرو نے ان خوبیوں کے علاوہ بندش

والفاظ میں کیا ترقی کی ہے مولنا نظامی نے خداوند کریم کو خزانہ جود کا آفرینندہ اور امیر خسرو نے خزانۂ جود کا کشایندہ قرار دیا ہے اس وقت فیصلہ طلب یہ امر ہے کہ خزانہ جود کے لئے اور کو کشایندہ کہنا زیادہ فصیح اور بلاغت کا پہلو لئے ہوئے ہے یا آفرینندہ کہنا کوئی خاص لطف پیدا کرتا ہے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ اہل مذاق صحیح خزانہ کے لئے فتح و کشود کو زیادہ مناسب سمجھیں۔

اسی طرح مولنا نظامی کے کلام میں مبدع کا لفظ جس کی تفسیر عطف تفسیری کے ساتھ لفظ آفریدگار نے کی ہے وہ لطف نہیں پیدا کرتا ہے جو امیر خسرو کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعہ میں صرف ایک لفظ نقش پیوند نے اپنی چست بندش سے ایک خاص خوبی پیدا کر دی ہے۔

قاعدہ ہے کہ جب کوئی مقلد کسی مضمون میں کسی موجد کی تقلید اس طرح کرے کہ وہ اوسی مضمون خاص کو اونھیں الفاظ میں ادا کرنا چاہے جس کو پیش رو نے اختیار کیا تھا تو اکثر دیکھا جاتا ہے کہ مقلد چاہے جس قدر کوشش کرے لیکن اوس اصل کے مقابل اہل معنی یہ ضرور امتیاز کر لیتے ہیں کہ وہ اصل ہے اور یہ نقل۔ مگر خسرو میں یہ خاص کمال اور اہل فن ہونے کی دلیل ہے کہ وہ اپنے حسن کلام اور زور بیان میں مقلد نہیں سمجھے جا سکتے۔ بلکہ ہر موقع پر یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ اپنی روش خاص میں اس بندش و ترکیب کے خود موجد ہیں۔

دوسری خصوصیت خسرو کی یہ ہے کہ جس مضمون کو مولنا نظامی نے انتہاے بلندی تک پہونچا دیا ہے اور اس میں کوئی پہلو کمال کا باقی نہیں رہا تو وہاں سے خسرو صاف آگے نکل جاتے ہیں اور اُسے ہاتھ تک نہیں لگاتے لیکن جہاں مضمون تشنہ ہی تو پھر وہاں یہ مینہ برسا دیتے ہیں خسرو کی یہ دونوں خصوصیتیں آپ کو جا بجا ملینگی۔

وحدت الوجود

نظامی	خسرو
سازمنداز توگشت کار ہمہ	لاے توحید اثر دہاست بپاے
اے ہمہ آفریدگار ہمہ	کہ خدایاں خورد بغیر خداے
ہستی و نیست مثل و مانندت	اندرآں لاے معرفت پیشہ
عاقلاں جز چنیں ندانندت	لام الف گشت پاے اندیشہ
	ہست بی نیست آشکار و نہفت
	ہم تولی جز ترا نشاید گفت

مولنا کے شعر میں ہست و نیست مثل و مانند میں جو لفظی تناسب ہے اس کا لطف ظاہر ہے لیکن عقلا کے علم و عرفان کا (ہستی و نیست مثل و مانندت) میں انحصار جیسا کہ واقعہ ہے ویسا ہی دلکش طرز میں ادا بھی ہوا ہے مگر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ وحدت الوجود کا ایک سرجوش جرعہ ہے جو ہزاروں خم کا نشہ رکھتا ہے

ایک ہی مصرعہ میں ایسے اہم مسئلہ کو اس صفائی و سادگی سے بیان کر جانا مولانا نظامی کا حصہ ہو گیا اس مسئلے کی تحقیق جسے حاصل ہو گی وہ (اے ہمہ آفریدگار رہمہ) کی جب تکرار کرے گا ایک لطف تازہ پائیگا امیر خسرو نے بھی اس مسئلہ کو بیان کیا ہے لیکن آپ نے یہاں بھی وہی طرز اختیار کیا جس طرز کے وہ خود موجد و امام ہیں یہ طرز بیان کچھ اس مثنوی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سرکار خسروی کی اقلیم سخن کا یہ بے بہا جواہر اکثر اصناف نظم میں رخشاں و تاباں ہے چنانچہ وہ معرکۃ الآرا قصیدہ مرآۃ الصفا جو خاقانی کے جواب میں ہے اوس میں فرماتے ہیں ؎

زد ریاے شہادت گر نہنگ لا برآرد سر تیمم واجب آید نوح را در عین طوفانش

اس شعر کی شرح میں مولانا جامی کا ایک رسالہ بھی ہے۔ مذکور الصدر اشعار مثنوی کو پڑھئے قطع نظر اس تجنیس و تناسب کے جو بہ پا اور پاے اندیشہ لا و لام الف میں ہے مقام نفی و اثبات کو کس عارفانہ و مجددانہ طرز سے بیان کیا ہے۔ کلمۂ توحید لا الٰہ الا اللہ کے جو رموز و دقائق ائمہ تصوّف نے بیان کئے ہیں اُن میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ توحید الوہیت عین وحدت الوجود ہے۔ افسوس کہ اوس شرح کی یہ تنقید متحمل نہیں ہو سکتی۔ بہر حال یہ اشعار وحدت الوجود کے لئے ایک بلاغت کے ساتھ گویا ایک حق نما آئینہ ہیں فہم من فہم۔

اب خسرو کا تیسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

ہست بی نیست آشکار و نہفت ہم توئی جز ترا نشاید گفت

یہ شعر دراصل مولٰنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے فن معقول میں واجب کی تعریف یہ ہے کہ جس کی ہستی ضروری اور نیستی محال ہست بے نیست اوسی کا ترجمہ ہے۔ ماسوئی کا ترجمہ جز ترا واقع ہوا ہے اب شعر پھر پڑھو ہست و نیست آشکار و نہفت میں صنعت تقابل و تضاد کی خوبی عالم امکان کی بے ثباتی وجود واجب کا صورتاً و معناً ثبوت، ہوالاوّل والآخر والظاہر والباطن کی طرف رہبری ایک مضامین گوناگوں کا ہجوم اس شعر میں پاؤ گے۔

ربوبیت

نظامی	خسرو
تو دہی صبح را شب افروزی	شب فرستی و شب فروزی ہم
روز را نور و مرغ را روزی	روزی آری فراخ روزی ہم

مولٰنا کے یہاں روز و شب کا مقابلہ افروزی و روزی کا تناسب قابل تعریف مگر صبح و شب اور روز و نور کے سلسلے میں روزی مرغ کا ذکر کسی قدر اجنبی مرغ کی صبح سے مناسبت ظاہر لیکن روزی مرغ کی تخصیص ذرہ غریب۔

امیر خسرو کے شعر میں شب و روز کے تقابل اور فروز و روز کے تناسب کے ساتھ اصل مضمون ایک خاص خوبی سے ادا ہوا ہے جس طرح شب افروز ماہ ہے اوسی طرح فراخ روز آفتاب جس کا تقابل تناسب معنوی کا عمدہ پہلو ہے مگر بحالت یائے مجہول

آفتاب کو فراخ روز اور بحالت یائے معروف فراخ روزی کہنا اس ترکیب میں دو معنی کا ایہام ہے جن میں ہر ایک بجائے خود لطف سے خالی نہیں اوّل فراخ روز اُس شخص کو کہتے ہیں جو بخت و دولت میں اوروں سے زیادہ حصّہ رکھتا ہو۔ اس اعتبار سے تمام کواکب کے مقابل آفتاب اس صفت میں مخصوص ہے۔ دوم فراخ روز و فراخ روزی کی ترکیب لفظی دلالت کرتی ہے کہ جو شخص روزیار روزی کا ذریعہ ہے وہ فراخ روز یا فراخ روزی سمجھا جائیگا ایسی حالتیں جبکہ آفتاب ہر روز کی روشنی کا ذریعہ اور مربی نباتات ہے بہر نوع وہ فراخ روز یا فراخ روزی ہو سکتا ہے۔

نظامی

اے بتو زندہ ہر کرا جانیست
وز تنور تو ہر کرا نانیست
بحیات ست زندہ موجودات
زندہ لیک از وجود تست حیات

خسرو

گر بجاں زندگی ست حیواں را
زندگانی تو میدہی جاں را
جاں کہ او را بہا نداند کس
رایگانش دہی بمورو مگس

مثنوی کی سلاست موجود رکھتے ہوئے خدا کی رزاقی و حیات بخشی کو معمولی طور پر بیان کیا ہے پہلے شعر میں اس کے سوا کوئی خاص خوبی نہیں ہے ہاں دوسرا شعر مولنا کے کمال کا شاہد ہے اور آپ کی خلاقی مضمون کا نمونہ۔ لیکن خسرو کے یہاں یہی مضمون ایسے طرز سے ادا ہوا ہے کہ اُس میں جان پڑ گئی۔ زندگی و زندگانی

کا تناسب اور مور و مگس کا مقابلہ جان کے عزیز و بے بہا ہونے کو تیسرے مصرعہ میں ثابت کرتے ہوئے خزانہ کریم کی بے دریغ بخشش کو "رایگانش دہی" کے ساتھ بیان کرنا عجیب جاں نواز انداز ہے۔

خسرو کا پہلا شعر مولنا کے دوسرے شعر کا نقش ثانی ہے جس کے خط و خال زیادہ دلپذیر ہیں لیکن دوسرا شعر خاص خزانہ خسروی کا درشاہوار ہے۔

مدعا طرازی

نظامی	خسرو
چوں کہ بر درگہہ تو گشتم پیر	آمدم بر درِ تو بے خود وار
زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر	باخودم دار و بیخودم مگذار
چہ سخن کیں سخن خطاست ہمہ	بکرم رخت خواجگیم بسوز
تو مرائی جہاں مراست ہمہ	بندہ ام خوان و بندگی آموز
منِ سرگشتہ راز کار جہاں	دُور کن باد خسروی زسرم
تو توانی رہاند باز رہا ں	پُر کن از خاک بندگی بصرم

مولنا کے اشعار دعائیہ پڑھو۔ اُن سے یہ معلوم ہوگا کہ ایک وہ بندہ جسکی عمر آستانہ خالق پر بسر ہوئی ہے پیری کی حالت میں جب مقام خوف کی سیر کرتا ہے تو (زانچہ ترسیدنی ست دستم گیر) کی صدا بلند کرتا ہے پھر جب مقام رجا پر پہونچتا ہے اوس وقت (تو مرائی جہاں مراست ہمہ) کا جلوہ اوس کے پیشِ نظر

ہوتا ہے ان سب سے اوس بندے کی شکستگی وخاکساری اور توکل وقناعت کلی صاف ظاہر ہے لیکن یہی دعا جب خسرو کی زبان سے نکلتی ہے تو سوز و گداز سوختگی و برشتگی بیہوشی وخود فراموشی میں ڈوبی ہوئی نکلتی ہے پھر دعا کا خاتمہ جس مدعا پر کیا ہے وہ کمال بلندی حوصلہ سے مشعر ہے۔

بیخود و باخود خاک و باد کا تقابل وتناسب با دخسروی کا ایہام اور خواجہ و بندہ کا تلازم گویا صنایع لفظی و رعایات معنوی کا گنجینہ ہے اور نفس مضمون کو جس خوبی سے بیان کیا ہے اوس کا پورا لطف اہل معنی کو آسکتا ہے۔ خاص کر تیسرے شعر میں جس مدعا کی خواستگاری کی گئی ہے وہ تصوف وسلوک کے ایک بڑے مقام کی آرزو ہے بظاہر اس کے یہ معنی ہیں کہ کبر و نخوت کو میرے دماغ سے دور کردے اور نیازمندی و بندگی کی خاک سے میری نگاہ کو بھر دے لیکن حقیقتاً غرض یہ ہے کہ خودی وہستی کے خیال کو میرے سر سے نکال تاکہ میں خود کو مٹا کر فضائے خدائی کی سیر کرسکوں جسے اصطلاح صوفیہ میں سیر فی اللہ کہتے ہیں اور میری آنکھوں کو جو لوازم بندہ وحادث کی دیکھنے والی ہیں اونھیں لوازم بندگی کی خاک سے پُر کردے تاکہ مجکو لوازم بندگی بالکل نظر نہ آئیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب خاک سے بصر پر ہو جاتی ہے تو بینائی کچھ کام نہیں دیتی ہے۔ حمد کے یہ چند اشعار جو ان دونوں باکمالوں کے پیش کئے گئے اُن میں اتحاد مضمون تھا جس سے یہ ظاہر کرنا تھا کہ ایک ہی مضمون و مفہوم کون کس نکتہ سنجی سے ادا کرتا ہے

اب چند اشعار بلا مقابلہ ایسے نقل کئے جاتے ہیں جن کا مضمون باہم متحد نہیں ہے،

نظامی	خسرو
نام تو کا بتدائے ہر نام ست	از تو خاکی خوش آتشی ناچیز
اوّل آغاز و آخر انجام ست	بولہب خوار و بو تراب عزیز
اوّل الاولی بسبق و شمار	ہر کرا شکر گوے خویش کنی
آخر الآخرے بآخر کار	نعمتش را شکر بیش کنی
ہر کسے نقشبند پردۂ تست	وانکہ با شکر نبودش خویشی
ہمہ ہیچند کردۂ کردۂ تست	گو شمالی دہی بدرویشی
ہمہ را روے باخدا دیدم	
واں خدا بر ہمہ ترا دیدم	

مولنا نے دوسرے شعر میں ہو الاوّل و ہو الآخر کے مضمون کو جس سہل ممتنع الفاظ میں فصاحت و سلاست کے ساتھ بیان کیا ہے اوس کی خوبی ذوق سلیم چاہتی ہے اسی طرح دیگر اشعار بھی اپنی اپنی روش میں ایک خاص معنی رکھتے ہیں۔

خسرو کے یہاں بھی پہلے شعر میں لف و نشر مرتب اور خاک و آتش خوار و عزیز کے تقابل کے سوا جو معنوی تناسب بولہب و بو تراب میں ہے اوس کی خوبی بیان نہیں ہو سکتی پھر خاک کی خوشی اور آگ کی ذلت پر بو تراب کی عزت اور بولہب کی ذلت کو شاہد بنانا ایسی حسن التعلیل ہے کہ اوس کا انظار غیر ممکن ہے۔

نعت شریف

حمد کے بعد نعت کا مضمون گویا لازم و ملزوم کے مثل ہے ایک نکتہ داں شاعر نعت میں ایسے مضامین رنگینی کے ساتھ بیان کرتا ہے جن سے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت آپ کی شان کی عظمت و جلالت ظاہر ہوتی ہے نیز وہ کمالات جو پیغمبر روحی فداہ کے ساتھ مخصوص ہیں اوس کا بیان بھی جذب قلوب کے لئے نعت کا ایک عنصر قوی ہے۔ اگر مضامین نعتیہ کی تحلیل کی جاے تو حسب ذیل اجزا اُس کے قرار پائیں گے۔

(۱) مرتبہ ایجاد میں ذات مقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل و اوّل ہونا۔

(۲) رسالت و نبوت کا ذات اقدس پر خاتمہ۔

(۳) آپ کی رسالت کا عامہ و تامہ ہونا۔

(۴) آپ کی شریعت کا تمام شعبہاے حیات انسانی کے لئے ایک کامل دستورالعمل ہونا۔

(۵) آپ کے اخلاق مثل شفقت، رحم، عطا، سخا، شجاعت، ہمت وغیرہ وغیرہ اور معجزات۔ انہیں مضامین سے رنگیں بیان شاعر نعت کا ایک روح پرور گلدستہ تیار کرتا ہے۔ اِس مختصر تمہید کو یاد رکھتے ہوئے بُلبلان گلزار مدینہ کی نغمہ سرائی سننا چاہیے۔

نظامی

نقطۂ خطّ اوّلیں پرکار
خاتم کار آفرینش کار

خسرو

روشنائی دہ چراغ یقیں
نورِ بینِ و شمع بازپسیں

نظامی

نوبر باغ ہفت چرخ کہن
دُرۃ التاج عقل و تاج سخن

خسرو

نورا و کز سپہر صد چند ست
مہ شگاف و سپہر پیوند ست
انبیا پیش آں خجستہ چراغ
طفل گہوارہ در مقام بلاغ

مولٰنا نے اوّل ما خلق اللہ نوری اور خاتم النبیین کے مضمون کو نہایت پسندیدہ طور پر بیان کیا ہے اوّل و آخر کا مقابلہ نقطہ و خط کا تناسب نو و ہفت میں سابقۃ الاعداد کا التزام جیسا کہ قادر البیانی کا مولٰنا کے ثبوت ہے ویسا ہی عقل و تاج سخن کا درۃ التاج کہنا ایک نکتۂ جاں نواز ہے۔

یہی مضامین اشعار خسرو میں ہیں یہاں مقصود کا بیان بدلالت التزامی ہے جس کا لطف ظاہر ہے پیشین و پسین شگاف و پیوند کا تقابل روشنائی چراغ، نور و ماہ و سپہر کا تناسب مہ شگاف و سپہر پیوند کی تلمیح ایسے صنایع ہیں کہ شعرا کو جن کی بندش میں طرح طرح کی دشواریاں واقع ہوتی ہیں اور یہاں بے تکلف زبان قلم سے نکلا پڑتا ہے ان محاسن کے علاوہ مولٰنا کے مطلع کا پورا مضمون ایک خاص بلاغت کے ساتھ امیر خسرو کے یہاں صرف ایک مصرعہ میں ادا ہو جاتا ہے نور پیشین و شمع بازپسین۔ پھر یہ کیسی بلیغ نعت ہے اور اوّل ما خلق اللہ نوری و سراجاً منیرا کی کیسی معنی خیز تفسیر بیشک اُسی ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی تجلیاں ہیں جو انبیائے سابقین کی معصوم و مقدس حیات اور اُن کے

چشمۂ تبلیغ کی روانی و شیرینی ہمیں محسوس ہو رہی ہے اور بیشک یہ واقعہ ہے کہ ایک شمع سے ہزاروں شمعیں جگمگا اُٹھتی ہیں۔ پس وہ شمع جسے اُس حیُّ و قیّوم نے عرب کے دو سو کھے پہاڑوں میں روشن کیا اُس سے بیشمار شمعیں روشن ہوئیں اور ہوتی رہیں گی ؎

یک چراغ ست درین خانہ کہ از پرتو آں ہر کجا مے نگری انجمنے ساختہ اند

پھر مہ شگاف کے لفظ میں معجزۂ شق القمر اور سپہر پیمائی میں آسمان کے خرق و التیام کی تلمیح حسن بیان کا نمک ہیں۔ تیسرے شعر کی چستی اور الفاظ کا باہم دست و گریباں ہونا ایسی وجدانی کیفیت ہے کہ اُس کا لطف بیان میں نہیں آسکتا۔ مضمون اس شعر کا ایسا بلیغ ہے جس پر صد آفرین و مرحبا۔ دیکھو تمام انبیاء علیہم السّلام کی تبلیغ ایک خاص قوم تک محدود تھی اور اُن کی شریعت ایک خاص دور ایام کی مصلح۔ ان انبیاء علیہم السّلام کا کیا ذکر جن کی تبلیغ و تعلیم سے اُمت محروم رہی اور اُنھیں اپنی اُمت ہی کے ہاتھوں جامِ شہادت پینا پڑا۔ اُن اولوالعزم انبیاء علیہم السّلام کو دیکھو جن کی دعوت تبلیغ کو لبیک کہا گیا کہ افرادِ اُمت میں سے کسقدر اُن کے متبع ہوئے اور متبعین پر کہاں تک اُس تعلیم کا اثر تھا۔ بنی اسرائیل کا موسیٰ سے یہ کہنا کہ یا موسیٰ اجعل لنا الٰہاً کما لھم آلھۃ۔ (یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی تو ایک ویسا ہی معبود تیار کر جیسا کہ اُن لوگوں کا معبود ہے) اور عیسائیوں کی تثلیث کیا ظاہر کرتی ہے۔

نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جل مجدہ نے خاتم النبیین، کافۃ للناس، رحمۃ للعالمین فرما کر آپ کے دامن رسالت کو ایسا وسیع فرما دیا کہ تمام عالم علوی و

سفلی اوس کے سایۂ رحمت میں تا یوم محشر آ گئے دعوت تبلیغ و تاثیر توحید کا نقش دیکھنا ہو تو مہاجرین و انصار کا تصوّر کر لو۔ آغاز اسلام میں کیا کچھ مصائب ان نفوس قدسیہ پر نہ گذر گئے مگر توحید سے ذرّہ برابر جنبش نہوئی آج بھی کلمۂ شہادت کا اقرار خالص توحید کا ثبوت دے رہا ہے اس شعر کو اب پھر پڑھو ؎

انبیا پیش آں خجستہ چراغ　　طفل گہوارہ در مقام بلاغ

رسالت ختم المرسلین کے کیسے دقیق نکتوں کی طرف اشارہ ہے فتدبر و ایا اولی الالباب

نظامی　　خسرو

اوّلیں گل کہ آدمش بفشرد　　خاتم سرخ زادہ زانگشتش

صاف او بود و دیگراں ہمہ دُرد　　پدر او چکید از پشتش

وآخریں دور کاسماں راند　　اوست جانے کہ قالبش بہ یقیں

خطبۂ خاتمیت او خواند　　جان روح القدست و روح امیں

ایں جسد را حیات ازاں جانست
ہمہ تختند و او سلیمان ست

مولٰنا کے اشعار میں اول و آخر صاف و در و جسد و جان کا تقابل اور خاتم و سلیمان و تخت کا تناسب لفظی و معنوی نہایت ہی پسندیدہ ہے۔ وجود باجود کو اصل الاصول اور بدایت و نہایت کا ذات اقدس سے تعلق ثابت کرنے کے لئے جو الفاظ جمع کئے ہیں ہر ایک اون میں سے ایک درخشاں آب (ہمہ تختند و او سلیمان ست) ہیں

ایک نئی ترکیب سے سلطان کونین کی حکمرانی ظاہر و باطن کا اظہار۔

مگر خسرو نے اس موقع پر نازک خیالی اور مضمون آفرینی کی جدّت کو اوج کمال پر پہونچا دیا ہے دونوں کے پہلے شعر کو پڑھو ذات گرامی روحی فداہ کے اصل ہونے کو جس طرح خسرو نے بیان کیا ہے اوسکی بلندی علانیہ پاؤ گے۔ کنت نبیا و آدم بین الماء و الطین۔ انا من نور اللہ و الخلق کلّھم من نوری کی تلمیح کیسی لطیف ہے حضرت عیسیٰ جن کا لقب روح اللہ اور حضرت جبرئیل جن کا لقب روح الامین ہے اون کی جانوں کو جان نازنین کا قالب قرار دینا اشعار نعتیہ کی روح ہے۔

نظامی	خسرو
امّی و امّہات را مایہ	امّی و حرف سنج تختہ کُن
عرش سایہ ہست عرش را سایہ	قلمش راست کار و راست سخن
پنج نوبت زن شریعت پاک	کاف و نون یک قم زنامۂ او
چار بالش نہہ ولایت خاک	لوح محفوظ زیر حنامۂ او
ہمہ ہستی طفیل او مقصود	بہترین نقطۂ رسل بشمار
او محمدؐ رسالتش محمود	آسماں دائرہ است او پرکار

مولنا کے اشعار میں امّی و امّہات محمد و محمود کا اشتقاق پنج نو اور چار میں سیاقۃ الاعداد مثنوی کا زیور ہے۔ لیکن آپ کے اُمّی ہونے پر آپ کو مایۂ اُمہات جو کہا ہے ایسی عجیب و غریب نعت ہے کہ مولنا غالباً اُس کے موجد ہیں۔ فقیر کے علم میں

کسی دوسرے شاعر نے اس لفظ کو اس طریق سے نہیں باندھا ہے۔ دل چاہتا ہے کہ علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو جس طرح ان دونوں فدائیان رسول نے نظم میں بیان کیا ہی نثر میں ایسی تصویر کشی کی جائے کہ تمام خطوخال اُس کے واضح ہو جائیں لیکن مدعی متعصب کا خیال قلم روکتا ہے اس لئے صرف ایک اشارہ کرتا ہوں کہ اصطلاح شعرا لفظ امہات میں ارباب فلاسفہ سے الگ ہے حکما کی اصطلاح میں امہات سے مراد اربعہ عناصر ہوتے ہیں لیکن شعرا کے نزدیک کبھی اس کا اطلاق عالم علوی و عالم سفلی پر ہوتا ہے اور کبھی امہات سے امہات اسماء مراد ہوتے ہیں جو موافق مذہب صوفیہ الاوّل والآخر والظاہر والباطن یہ چار اسماء الٰہیہ ہیں ان لطیف اشارات کا لحاظ رکھتے ہوئے شعر پڑھیے اور ہزاروں داد دیجئے۔

خسرو بھی علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں۔ امّی ہونے پر عالم ماکان ومایکون ہونا لوح محفوظ کا آپ کے زیر خامہ ہونا بہترین نعت ہے اُس پر لوح و حرف تختہ و قلم کاف و نون نقطہ و دائرہ و پرکار کا تناسب نہ بیچ میں سیاقۃ الاعداد ان صنائع نے مثنوی کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے لیکن مایہ امہات جو تاثیر بے اختیار پیدا کرتا ہے وہ لطف کہاں۔

نظامی	خسرو
شاہ پیغمبراں بہ تیغ و بہ تاج	ختم پیغمبراں یار خدائے
تیغ او شرع و تاج او معراج	گمرہاں را بصدق راہ نمائے

امر و نہیش براستی موصوف — منکر شرع را زاصل و فرغ
نہی او منکر امر او معروف — سرزدہ ہم بتا زیانۂ شرع
ہر کہ برخاست میفگندش پست — بہدایت دلیل بے دینان
وانکہ او فتاد میگرفتش دست — بشفاعت پناہ مسکینان
تیغ ازیں سو بقہر خوں ریزی — چون بحجت زہر دعوی خاست
رفق ازاں سو بمرہم آمیزی — حجت اورا درست دعوی راست
مرہمش جاں نواز تنگ دلاں — درجہاں گیری از زبر تا زیر
آہنش بند سائے سنگ دلاں — ہم زبانش درست و ہم شمشیر

سیاست نبوی کا سیاست سلطانی سے جس خوش اسلوبی سے فرق بتایا ہے وہ قابل لحاظ ہے جس نے غزوات کا کچھ بھی مطالعہ کیا ہوگا اس مقام کا لطف اوسے آئیگا ستم شعاروں کی سرکوبی کے ساتھ مجروح دلوں پر رحمت و شفقت کا کیسا پھایا رکھا ہے۔ ان باکمالوں نے حمد و نعت میں مسائل صحیحہ کی ایسی تعلیم فرمائی ہے کہ اگر صحیح مذاق سے ان کی کتابیں پڑھی جائیں تو بہت کچھ عقل کی روشن کرنے والی باتیں معلوم ہوں باعتبار مضمون و مفہوم دونوں حضرات کے اشعار یکساں ہیں لیکن شاہ پیغمبراں میں وہ قوت نہیں جو ختم پیغمبراں میں ہے۔ اسی طرح خسرو کے اس مصرعہ میں کہ "بشفاعت پناہ مسکیناں" جو شان رافت و رحمت عیاں ہے وہ "مرہمش جاں نواز تنگ دلاں" سے زیادہ ہے۔

نعت میں بھی تقریباً وہ اشعار لکھ دیے گئے جن کے مضمون باہم مشترک تھے اب خسرو اقلیم سخن کے اوس نعتیہ مضمون کو دیکھو جس کے یہ خود موجد ہیں اور تمام متاخرین اسی چمن ہمیشہ بہار کے گلچین ہیں۔

میم احمد کہ در احد غرق ست　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر احد کمر بند ست　　یعنی ایں بندہ آں خداوند ست

احد و احمد کی تجنیس زائد بندہ و خداوند کا تقابل این و آں اور کمر و کمر بند کا تناسب گویا انکار و زمرّہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ کے پئے و فرق کے الفاظ صنعت تقابل کے ساتھ ممکن کو واجب سے حادث کو قدیم سے عبد کو معبود سے جس طرح ممتاز کر رہے ہیں اوس کی داد دی نہیں جا سکتی۔

قران کریم نے جہاں کہیں مراتب مخصوصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان فرمائی ہیں وہاں ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لفظ عبد سے یاد فرمایا ہے مثلاً معراج کا جہاں بیان ہے وہاں یوں ارشاد ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ لیلاً من المسجد الحرام اسی طرح انتہائے مقام قرب و اختصاص کو یوں فرمایا ہے فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ۔ اس نکتہ کو ملحوظ رکھ کر اس بیان کی داد دیجئے کہ احمد کا میم جو احد کے وسط میں ہونے کی وجہ سے گویا احد میں فنا ہو گیا ہے فی الحقیقت وہ میم احد و احمد خداوند و بندہ کے فرق و امتیاز کے لئے خدمت و عبادت کا پٹکہ ہے تاکہ خلق جان لے کہ احمد بندہ اور احد خداوند ہے اور احمد ہر وقت بندگیِ خداوند میں کمر بستہ و مستعد ہے۔

منقبت

جس طرح حمد کے بعد نعت کا مضمون لازم ہے اسی طرح مضامین نعتیہ کا ایک قوی عنصر خلفاے اربعہ و دیگر اصحاب کرام کی منقبت ہے کوئی نعت اصحاب کی مدح سے خالی نہیں ہوتی مولنا نظامی نے چار یار باصفا کی منقبت صرف ایک شعر میں مجملاً بیان فرمائی ہے ؎

چار یارش گزیں باصل و بہ فرع　　چار دیوار گنج خانہ شرع

لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے یہاں بھی حسن بیان و زور کلام کا دریا بہا دیا ہی ملاحظہ ہو

چار یارش بچار سوے زمیں　　چار رکن چہار صف دیں

اوّل آں اوّلیں خلیفۂ کار　　ثانی اثنین اذ ہما فی الغار

دوم آں کز شکوہ پایۂ او　　دیو بگریختہ ز سایۂ او

سوم آں جامہ جریدۂ پاک　　چاشنی گیر خوان اسلناک

چارم آں قصر وحی را دہلیز　　در علم و کلیہ خیبر نیز

آنکہ پاکند پاک کیشانند　　رضی اللہ عنہم ایشانند

مذکورہ اشعار میں صنایع لفظی و معنوی تناسب و تقابل سیاقۃ الاعداد و تلمیحات عجیبہ جس قدر موجود ہیں اون کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ ہاں دوسرا شعر جو خلیفۂ اوّل کی مدح میں لکھا ہی وہ خسرو کا حصہ ہو گیا منقبت میں پوری آیۂ کریمہ ثانی اثنین اذ ہما فی الغار کو بحر متنوی میں موزوں کرکے تلاوت کرنا در اصل اس مدح کی کرامت اور مبدء

فیاض کے فیض خاص کا اثر ہے اوّل کو ثانی قرار دیکر لاثانی ثابت کرنا خسرو سلیم سخن کا وہ انداز بیان ہے جس میں غیر کی شرکت پائی نہیں جاتی۔ علیٰ ہذا خلیفہ چہارم حضرت مولیٰ علی کی منقبت میں قصر و دہلیز و در کا تناسب اور آپ کو در علم و کلید خیبر کہنا ایک بے مثل بیان ہی آپ کے عقد میں جگر پارۂ نبوی بضعۃ منی حضرت سیدۃ النسا فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھیں اور حضرت مولیٰ حضور اقدس کے ساتھ اخوت کی قرابت بھی رکھتے تھے اسلئے آپ کو وحی الٰہی کے محل عرش منزل کا صحن خانہ کہنا اور انا مدینۃ العلم و علی بابہا کے اعتبار سے در علم قرار دینا ایسا ہی بیان واقعہ ہونے پر روحانی لطیفہ ہی جس طرح خیبر کشائی کی صفت کو کلید خیبر کے استعارہ سے ظاہر کرنا ایک رنگین دقیقہ ہے۔

اہل معانی کے نزدیک کسی آیۃ یا حدیث یا دعا کے پورے جملے کو بے تبدل و تغیر کسی شعر میں موزوں کر دینا شاعر کا کمال سخن سمجھا جاتا ہی اس کمال کی بہترین مثال یہاں دوسرے شعر کے دوسرے مصرعہ اور آخر شعر کے آخر مصرعہ میں موجود ہی۔

معراج

معراج کا مضمون فی الحقیقت نعت اقدس کا ایک جز ہی لیکن شعرا نے اسے ایک مضمون مستقل قرار دیکر علیحدہ عنوان سے بیان کیا ہی اس میں حسب ذیل مقاموں کے بیان سے داد نازک خیالی و سخن آفرینی دیجاتی ہی (۱) شب معراج کی تعریف (۲) جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش (۳) وصف براق (۴) مقامات سیر منازل سیارگان (۵) سیر عرش (۶) مقام قاب قوسین (۷) لامکان (۸) وصل و وصال و تکمیل و کمال (۹) رجوع بعالم صورت

بہ ہزاراں دولت (۱۰) و قف دولت معراج برامت گنہگار۔

معراج کا عنوان قایم کرتے ہوئے دونوں حضرات کی شاعرانہ قوت نے جو عروج اختیار کیا ہے اوس بلند خیالی تک تو اس بینوا کی فہم پہونچنے سے قاصر ہے۔ بادۂ توحید و عرفان کا وہ جوش ہی کہ اوبلی پڑتی ہی مسلک نظم میں الفاظ کے موتی نہیں ہیں بلکہ حقایق و معارف کے خمرے خم ہیں نہ بے قیمت اگر اس کا ایک جام روحانی سی و نصیب ہو جاے ارباب فہم و ذکا اگر صحیح مذاق کے ساتھ دونوں حضرات کے پورے کلام کا مطالعہ کریں تو لطف بیان سے بہرہ اندوز ہو سکتے ہیں۔

فن شاعری میں یہ بھی ایک خاص صنعت ہی کہ کسی مضمون کا اختتام اس طرح ہو کہ آیندہ مضمون کا اوس سے اظہار ہو جاے اور ماسبق کی انتہائی کڑی ماسبق کے ابتداے ملکر سلسلۂ کلام کو مسلسل کر دے قصیدے میں اسی صنعت کو گریز کہتے ہیں اس صنعت کا لحاظ رکھتے ہوے مولانا نظامی نعت شریف کا خاتمہ اس شعر پر فرماتے ہیں ؎

چوں بگنجید در جہاں تاجش　　بخت بر عرش کرد معراجش

اسکے بعد جبرئیل آمیں کی تشریف آوری اور اُن کی گذارش بیان کرتے ہوئے اُس رات کی تعریف صرف ایک شعر میں تمام کر دیتے ہیں ؎

شب شب قدر و قت وقت دعاست　　یافت خواہی ہر انچہ خواہی خواست

خسرو علیہ الرحمۃ نعت گرامی اس شعر پر ختم کرتے ہوئے کہ ؎

گر بود مردم آسماں را تاج　　جز محمد کراست ایں معراج

شب معراج کے وصف میں فرماتے ہیں ؎

فرخ آں شب کہ آں چراغ دو کون — زد بقندیل عرش پرتو عون

شب چو بر سر نہاد چتر سیاہ — چتر اسریٰ کشید بر سر ماہ

جلوہ گر شد بہ لاجورد سریر — دولتش زیں سرائے دامنگیر

شب او گشتہ زیور ماہش — نور او گشتہ مشعل راہش

در دل شب ز پرتو آں نور — حرف باریک غیب خواندہ زدور

شب۔ چراغ۔ قندیل۔ نور۔ مشعل و پرتو کا تناسب۔ چتر اسریٰ کا ایہام و تلمیح گویا عارف نظم کے رخ افروز خط و خال ہیں بظاہر اشعار کا یہ مفہوم متبادر ہوتا ہے کہ رات کی سیاہی اور چاند کے سریع السیر ہونے کا بیان ہے (اصطلاح عرب میں سرے و اسری رات کے سفر کرنے کو کہتے ہیں) لیکن حقیقتاً چوتھے شعر میں شب، ماہ و نور کا جو استعارہ ہے اس کے لحاظ سے بطریق ایہام اشعار کے معنی یہ ہوئے کہ جب شب کی تاریکی عالم پر چھائی اور ماہ فلک تیز روی سے قطع منازل کر کے روپوش ہو گیا اس وقت ماہ دنیٰ فتدلیٰ نے سر پر تاج سبحان الذی اسریٰ بعبدہ کا رکھ کر عالم بالا کا سفر شروع کیا اور آپ کی شاہد دولت یعنی ذات اقدس جس وقت آسمان کے تخت لاجوردی پر جلوہ آرا ہوئی تو اوس وقت گیسوئے عنبرین جو واللیل اذا یغشیٰ کے مظہر تھے ماہ رخسار پر جو والشمس والضحیٰ کا پرتو ہیں تجلی آرا ہوئے۔ آپ کے پرتو انوار سے وہ شب سیاہ اس قدر منور و تاباں ہو گئی کہ غیب کے اسرار خفیہ بھی دور سے پڑھے جاتے تھے۔ ان

اشعار میں جن کمالات محمدیہ کی طرف اشارہ ہی اوسے فطرت سلیم ہی سمجھ سکتی ہی۔
مولنا نظامی علیہ الرحمۃ نے جبریل امین کی گذارش چند اشعار میں بیان کی ہے
اور رات کے متعلق صرف ایک شعر پر ختم کر دیا ہی خسرو علیہ الرحمۃ نے جبریل کی گذارش
میں صرف ایک شعر پر اکتفا کیا ہی اور رات کے متعلق چند اشعار لکھے ہیں۔ اس کی کوئی
خاص وجہ نہیں کہی جاسکتی۔ بہرحال جبریل علیہ السلام کی تشریف آوری یا براق کی صفت
یا منازل سیارگان میں جو شاعرانہ قوت کا اظہار کیا گیا ہی اوسے ترک کرتا ہوں اور
صرف اون مقامات پر جہاں زور طبیعت کا اصلی جوہر کھلتا ہی اکتفا کرتا ہوں۔

سیر عرش

نظامی	خسرو
قطرہ قطرہ ازاں محیط گذشت	عرش بر از جنیبہ بارش را
قطرہ بر قطرہ ہرچہ دید نوشت	پائے گم شد جنیبہ دارش را
چوں در آمد بساق عرش فراز	رویش افگند ز آفتاب حضور
زد باں ساخت از کمند نیاز	بر قنادیل عرش پرتو نور

سیر عرش اگرچہ دونوں حضرات نے ایک نئے انداز سے شروع کی ہی اور ہر ایک
اپنے اپنے انداز میں کامل ہی لیکن مولنا کا اوّل شعر اوس کمال کا نمونہ ہی جس میں کسی
غیر کی شرکت ممتنع تسلیم کی گئی ہی۔ ہاں خسرو کے دوسرے شعر میں البتہ مولنا کے دوسرے
شعر سے ترقی نمایاں ہی لیکن مولنا کے پہلے شعر کا سرور ایسا غالب ہی کہ اوس کی لذت

کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہونے دیتی صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام افلاک سے ایک چشم زدن میں گذر جانا اور پھر ہر ایک کا تفصیلی ملاحظہ کس بلاغت وسلاست سے بیان ہوا ہی سبحان اللہ۔

اصطلاح میں قطرہ قطرہ اور ذرہ ذرہ کسی کام کا کرنا اوس وقت کہا جاتا ہی جبکہ اوسے بالاستیعاب اس طرح انجام دیا جائے کہ ذرہ برابر بھی اوس کے تکملہ سے رہ نہ جاے اور قطرہ بر قطرہ کی اصطلاح نہایت ہی تیز روی و تیز دوی کے معنون میں مستعمل ہے اب شعر پڑھیے پہلا مصرعہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ مقام سیر میں کیا فلک اور کیا ستارہ اوس سے اس طرح گذرے کہ ایک ذرہ برابر بھی ملاحظہ سے نہ چھوٹا اور دوسرا مصرعہ اوس تیز روی کو بتاتا ہی جس سرعت سے یہ مقامات طے کئے گئے کیسی محیط سے قطرہ قطرہ گذرنا اور اوس کے ہر حصہ کو قطرہ بر قطرہ طے کرنا کیسا بلیغ استعارہ ہی

مقام قاب قوسین

نظامی

قاب قوسین او در آں اثنا — جلوہ کرد از برائے کونینش

خسرو

از دنیٰ شد بقابِ او ادنیٰ — سر بدرگاہ قاب قوسینش

اس مقام کا بیان دونوں حضرات نے سرسری طور پر معمولی الفاظ میں کیا ہی کوئی خاص لطف کہیں نہیں ہی لیکن عبودیت کی شان خسرو کے شعر میں نمایاں ہی اس بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ خسرو کا شعر بہتر ہے۔

مقام وصل و وصال و تکمیل و کمال

نظامی

چوں حجاب ہزار نور دید
دیدہ در نور بے حجاب رسید
گاہے از بود خود فرا ترشد
تا خداوندیش میسر شد
از نبی جز نفس نبود آنجا
ہمہ حق بود و کس نبود آنجا
شربتے خاص خورد و خلعت خاص
یافت از قرب حق زبے اخلاص
جامش اقبال و معرفت ساقی
ہیچ باقی نماند از باقی

خسرو

شد بجاے کہ جاں نمی گنجد
خود ہم اندر میاں نمی گنجد
دیدہ را نور لایزالی داد
سینہ را سر ذوالجلالی داد
چوں ز عالم بروں نہاد قدم
پیش رو شد بہ پیشگاہ قدم
یافت در خود متاع موزوں را
دید بیشک خدائے بے چوں را
نکتہ بر خواند بیو کالت ہوش
قصہ بشنید بیمیانجی گوش
گوش کے مترغیب را سنجد
بحر اندر صدف کجا گنجد

اس مقام کا بیان جہاں کہیں بھی پایا جاتا ہے وہاں اسی طرح کے اشارات و کنایات ہیں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف دیکھو مقام قرب کا کس طرح بیان فرمایا ہے کان قاب قوسین او ادنی۔ پہلے امکان و حدوث کا وجوب و قدم سے قرب کان

قاب قوسین سے تعبیر فرمایا اُس کے بعد اوادنیٰ کہہ دیا جہاں پہونچکر فہم گم عقل حیران تکمیل و کمال کا بیان بھی اسی طرح ہی فاوحیٰ الیٰ عبدہ ما اوحیٰ احادیث مصطفویہ بھی اسی انداز خاص سے آیات کی مفسر ہیں۔ جہاں تک سیر کا تعلق ہے وہاں الفاظ صاف، بیان واضح لیکن جہاں اس مقام کا بیان آیا وہاں پر عقل خیرہ اور علوم متداولہ بیکار۔ جس نے جو کچھ سمجھا اور جو کچھ کہا وہ نتیجہ اُن علوم کا نہ تھا جو نقوش و خطوط سے حاصل ہوتے ہیں پھر اونھیں نقوش و الفاظ میں کیونکر ظاہر کیا جاے یہ حضرات جو کچھ فرما گئے اور مراتب و آداب جس طرح ملحوظ رکھے وہ اُن کی پاکی نفس کی دلیل ہے۔

مولنا نظامی نے فنائیت و محویت مطلقہ کے ساتھ وحدت وجود کے پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے عبد و معبود کے فرق کو جس بلاغت و نازک خیالی سے ادا فرمایا ہی اس سحر آفرینی کی داد دی نہیں جا سکتی۔ دوسرے شعر کو پڑھو ؎

گامے از بود خود فرا تر شد　　تا خداوندیش میسر شد

یعنی جب وہ نور ہزاروں حجابات نورانی طے کرتا ہوا بے حجاب نور تک پہونچا تو اپنے بود سے ایک قدم اور آگے بڑھا یہاں تک کہ اوسے خداوندی حاصل ہوئی۔ لفظ بود جو مصرعہ اوّل میں ہی یہ لفظ وجود کا فارسی ترجمہ ہی وجود کے معنی مختلفہ کی طرف غور کرو پھر لفظ خداوند و خدا کے حقیقی معنی میں جو فرق ہی اوسے سوچو علوًا کبیرا کی تفسیر واضح ہو جائیگی بارگاہ قدم کے عظمت و جلال کا نقشہ آنکھوں میں پھر جائیگا اور بے اختیار دل سے آداب مراتب کی داد نکلے گی۔ پانچویں شعر میں جو کیف و سرور ہی وہ صرف لفظ

باقی سے ظاہر ہوتا ہی۔ یہاں پر لفظ باقی جو قافیہ ہی اوس سے جن معانی کا ایہام ہوتا ہی اُن میں سے ہر معنی موج خیز خمیازۂ مستی و سرور ہی۔

اب خسرو کے اشعار پڑہو اسی مقام کا بیان ہی کلام کی فصاحت، بیان کی سلاست الفاظ و ترکیبوں کا باہمی پیوند، بندش کی چستی اور معانی کی آمد ایک بحر زخار ہی کہ موجیں مارتا چلا آرہا ہی اس مقام کے بیان میں کمال بلکہ بیان کی جان آداب مراتب کا پاس و لحاظ ہی اس کی نگہداشت مولنا کے اشعار میں تم دیکھہ چکے خسرو کے اشعار میں اگرچہ وہ رنگینی و صنعت کاری نہیں جو مولنا کے اشعار میں ہی لیکن بیان کی روح جس روانی و صفائی کے ساتھہ یہاں پاؤگے وہ اپنی نظیر آپ ہی۔ پہلے شعر کو پڑہو۔ لفظ شد جس سے بیان شروع ہوتا ہی اُس کو ذہن میں رکھتے ہوے دوسرے مصرعہ کو سوچو مقام وصل کو کس ادب سے بیان کیا ہی علی ہذا چوتھے شعر کا پہلا مصرعہ ایک خاص بلاغت کا نمونہ ہی متاع موزوں کو اپنے آپ میں پانا کیسا لطیفہ ہی اب دوسرا مصرعہ اسی شعر کا پڑہو اور ہزار مرحبا کہو وصل و وصال کا بیان ختم ہوتا ہی سب کچھہ کہہ گئے اور آخر میں یہ فرماتے ہیں کہ بحر اندر صدف کجا گنجد یعنی صدف بحر میں پایا جاتا ہے بحر کی سمائی صدف میں کہاں ممکن۔ صرف اس ایک ہی مصرع میں آداب کے تمام مراتب طے کر دیے اور معارف و حقایق کا ایک دریا بہا دیا۔ مجہ میں بیان کی کہاں طاقت ہے تم خود سوچو اگر مسائل و مقامات تصوف کے صحیح معلومات ہیں تو بے اختیار کہہ اوٹھوگے کہ یہ کسی بشر کا کلام نہیں بلکہ کوئی ہاتف غیبی بول رہا ہی۔

رجوع بعالمِ صورت

نظامی

بامدادے صد ہزار درود
آمد از لوحِ آں مدار فرود
ہرچہ آورد بذلِ یاراں کرد
وقف کارِ گناہ گاراں کرد

خسرو

با ہزاراں ہزار نقد مراد
در شبستانِ دولت آمد شاد
بہرہ داد از رہِ جوانمردی
رہ رواں را ازاں رہ آوردی
کرد چوں بخشش خاصگاں ہمہ چیز
داد بخشش گناہ گاراں نیز

روایاتِ معراج اگر محفوظ ہوں تو ان تلمیحات کا لطف ہے جس وقت دربارِ احدیت سے السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کا خلعت خاص عطا ہوا اس وقت اُس امت نواز پیغمبر نے فرمایا السلام علینا وعلی عباد اللہ الصالحین یعنی یہ سلام ہم سب پر اور خدا کے صلحا بندوں پر۔ بجاے علیّ یعنی مجھ پر کے جو علینا یعنی ہم سب پر فرمایا اس رحمت وسلامتی کے دامن میں تمام امت گنہگار کو چھپا لیا۔ اشعار مذکورہ میں انھیں بذل ونوال کی تلمیح ہے دونوں کے اشعار میں ایک ہی مضمون اور ایک ہی مفہوم لیکن خسرو نے الفاظ ایسی روش سے آراستہ کئے ہیں جس سے تاثیر زیادہ ہوگئی۔

مدح سلطان

حمد نعت و معراج کے بعد شعرا نے مدح سلطان وقت بھی ضرور لکھی ہے اور یہی وہ مضمون ہے جو سارے کلام میں روکھا پھیکا اور سیٹھا ہوتا ہے۔ علی الخصوص متاخرین کے کلام میں تو ایسی بدمزگی پائی جاتی ہے کہ منھ بگڑ جاتا ہے۔ ممدوح کی تعریف میں مبالغہ و اغراق کرتے ہوئے انبیا علیہم السلام پر فضیلت دیتے ہیں پھر اس سے سیری نہیں ہوتی تو صفات الوہیت اس میں ثابت کرتے ہیں کلمات کفریہ کہنے سے بھی باک نہیں رکھتے۔

جب اُس کے سراپا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو اُن کا قلم ایسا حلیہ کھینچتا ہے جو کسی معشوق طناز سراپا ناز و ادا کی شکل موزوں ہو۔ بیان جب واقعات سے اس قدر مباین ہوگا تو لازمی نتیجہ بدمزگی ہے۔ مثلاً اگر پانی کی یہ تعریف کی جائے کہ وہ زرد رنگ منجمد مثل پتھر کے سخت آگ کی طرح جلانے والا ہے تو یہ کوئی تعریف پانی کی نہوئی بلکہ کائنات میں سے کسی ایسی موجود کی یہ تعریف کی گئی جس کا اسم مجہول ہے۔ بہرحال متقدمین کا کلام پھر بھی کچھ جان رکھتا ہے اسی بنا پر چند اشعار جستہ جستہ دونوں حضرات کے جو مدح سلطان میں لکھے گئے ہیں پیش کرتا ہوں۔

نظامی — تمہید مدح — خسرو

چوں اشارت رسید پنہانی — مشتری کوست کاردان سپہر

از سراپردۂ سلیمانی — دوششے سوے من آمد از سر مہر

نظامی	خسرو
برگرفتم چو مرغ بال کشاے	گفت کاے از ضمیر دریا کار
تا کنم بر درِ سلیماں جاے	گشتہ بازارگانِ دریا بار
در اشارت چناں نمود برید	زآتش طبع یافتہ جاوید
کہ ہلاے برآورد شب عید	روز بازار گرم چوں خورشید
آنچناں کز حجاب تاریکی	آمد م تا رواج دُرِّ ثمیں
کس نہ بیند در و زبار یکی	سوے گردوں برم متاع زمیں
تا کند صید سحر سازی تو	گوہرے دہ کہ چرخ تاب بود
جادواں را خیال بازی تو	در خور گوش آفتاب بود
عطسہ دہ زکلک نافہ کشاے	آں گہرہا کہ آسماں تاب ست
تا شود باد صبح غالیہ ساے	کہنہ وُزرد و خورد و بے آب ست

دونوں حضرات کی تمہیدیں اپنی اپنی روش میں جداگانہ انداز رکھتی ہیں حضرت نظامی کے یہاں قاصد کی زبان سے مدح کی فرمائش ہے اور دربار خسروی میں مشتری جو قاضی فلک ہے وہ حاضر ہو کر آسمان کی زیب و زینت کے لئے گوہر گرانمایہ کا ملتمس ہے مولنا کا چھٹا شعر خاص بلاغت کا نمونہ ہے لیکن بحیثیت مجموعی خسرو کی تمہید مولنا کی تمہید سے افضل ہے۔ مگر آئندہ مولنا نظامی نے تمہید کو بہت زور دے کر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

نظامی	نام ممدوح	خسرو
عمدۃ الملکت علاؤ الدیں		جم ثانی علاء دنیا و دیں
حافظ و ناصر زمان و زمیں		آسماں خاتم آفتاب نگیں
نامِ او زینتِ علا و ارد		بادشاہ جہاں محمد شاہ
گر گزشت از فلک روا دارد		سائبانِ جہاں بچتر سیاہ
فلکِ بے علاقہ دار دلیست		مہ سپہرِ منوش خواندہ
در علاءِ فلک بلندی ہست		دیں علائے مصورش خواندہ

دونوں کے ممدوح میں اتفاق سے مشارکت اسمی ہے اس لئے موازنہ کا موقع پورا ہے کہ کس نے نام کس طرح موزوں کیا اور اُس سے کیا کیا نکات پیدا کئے اگرچہ امیر خسرو علیہ الرحمۃ کی طبیعت بادشاہوں کی مدح میں کند ہو جاتی ہے اسی لئے ان کے قصائد میں بھی خاص مدح کا حصہ کمزور ہوتا ہے یہی حال ان کا مثنوی میں بھی ہے کہ بادشاہ کی تعریف میں جوش و خروش نہیں پایا جاتا۔ باوجود اس کے کہ اُسی ممدوح کے رعایا ہیں ارکین دولت میں شامل ہیں پھر بھی قلم شاعرانہ انداز سے مدح سلطان میں رواں نہیں پایا جاتا۔ لیکن اگر کہیں متوجہ ہو گئے ہیں تو کسی سے کم بھی نہیں رہتے ہیں جیسا کہ اس مقام پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پلے برابر ہیں کسی کو کوئی ترجیح نہیں دی جا سکتی۔

سخاوت

نظامی	خسرو
بادشاہاں کہ در جہاں ہستند	ابر با ایں ہمہ زبردستی
ہر یکے ابرے بدست برستند	کرد در پیش دست تو پستی
دست ابر تو ابرِ نیسانست	داد دریا کفِ تو در بہوس
واں دگر ابرہا زمستانست	کفِ دریا چہ داد مشتے خس
آبِ چشمہ کہ آبِ پاکی شد	ابر باری تو زاں کفے چو سحاب
با تو چوں آبِ چشم خاکی شد	ابر بارد دوے سوارک آب

مولنا نظامی نے ممدوح کے ہاتھ کو ابر نیساں اور دوسروں کے ہاتھوں کو ابرہاے زمستان جو کہا ہے وہ عجب لطیف استعارہ ہے۔ اسی طرح چشموں کے آب کو پاک وصاف مان کر آب چشم و سرشک بنا دینا اور پھر اُن کا خاکی ہو جانا نہایت ہی پسندیدہ اور لطیف خیال ہے اُس پر چشمہ و چشم کی تجنیس سبحان اللہ خسرو کے یہاں زبردستی و پستی کا تقابل پیش و پستی سے پس کا تضاد، لفظ کف کی تجنیس تام مماثل بے مثل ہے۔ نفس مفہوم کسی طرح مضمون سابق سے کم نہیں

نظامی	کمال تیراندازی	خسرو
نوک تیرش بہر کجا کہ شتافت		نوک پیکانش در مقام ہنر
گہ جگر دوخت گاہ موئے شگافت		بردہ داغِ کلف زروے قمر

نظامی

تیرش از دست گرگ و پائے پلنگ
برسم گور کردہ صحرا تنگ

مولنا نظامی کے اشعار میں دست و پا و سم اور گرگ و پلنگ و گور کا تناسب پسندیدہ ہے اور نفس مضمون سے ایک خاص خوبی ظاہر ہے یعنی اُس کی تیر اندازی کا کمال میدان جنگ اور صید و حوش و سباع دونوں میں بے نظیر ہے۔ خسروؒ نے ایک ہی شعر میں غلو و اغراق کے ساتھ نوک تیر کے کمال کو اپنے فن و ہنر میں اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ اُس سے زیادہ اوج دشوار سمجھا جاتا ہے۔

تیغ زنی

نظامی	خسرو
بازی خرس بردہ از شمشیر	تیغش ار برگ سلیم شدہ
خرس بازی درآورندہ بہ تیر	کوہ چوں آسیا دو نیم شدہ
شہ چو دریاست بے دروغ و دریغ	تیغ در محش کہ خصم را سودند
جز رودش بہ تازیانہ مزن	مار مسکوب و ظل ممدود مند
ہر چہ آرد بزخم تیغ فراز	زد بیک چاشنی تیغ چو آب
بسر تازیانہ بخشد باز	فتنہ در خواب رفت مست و خراب

نظامی

فتح بر خاکِ پائے او زدہ فرق
فتنہ در آبِ تیغ او شدہ غرق

مولٰنا نظامی نے ایک نئے انداز سے تلوار کے جوہر دکھائے ہیں پہلے شعر کا مفہوم بالکل نیا اور تازہ ہے بازی خرس و خرس بازی کی ترکیب و تقلیب سے ایک خاص لطف پیدا کیا ہے خرس بازی وہی خرسک بازی ہے جو اساتذہ کے کلام میں موجود ہے اور وہ لڑکوں کا ایک خاص کھیل ہے۔ خرس مکر و حیلہ میں ضرب المثل ہے اس لئے لفظ خرس بازی مکر و فریب کی جگہ بولا جاتا ہے علی ہذا دوسرے شعر میں تازیانہ و تیغ کا جزر و مد بطریق لف و نشر مرتب و تقابل ایک بے مثل بیان ہے۔ مگر آخر شعر کا آخر مصرعہ "فتنہ در آبِ تیغِ او شدہ غرق" ایسا سہل ممتنع واقع ہوا ہے کہ اُس کا جواب نہیں ہو سکتا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے پہلے شعر میں کوہ و کاہ کا اشتقاق و تقابل تیغ و آب فتنہ و خواب کا تناسب قابل تعریف دوسرے مصرعہ میں آیۂ کریمہ کی تلمیح اور پھر تلوار و نیزے کی تعریف میں جواب الجواب بلکہ لاجواب ہے۔ چاشنی کا لفظ بطریق ایہام یہاں جرعۂ شراب کے معنی میں نہایت مناسب واقع ہوا ہے آخر شعر کا مضمون مولٰنا نظامی کے آخر شعر سے بہت زیادہ اعلیٰ ہے "فتنہ در خواب رفت و مست و خراب" فتنہ کے لئے جس قدر کہ خواب موزوں ہے غرق مناسب نہیں۔ بہر حال میدان شمشیر زنی میں دونوں کی تلواریں یکساں داد

ہیں کسی کو کسی پر ترجیح نہیں۔

مولٰنا نظامی نے بادشاہ کی مدح میں پوری قوت سے زورِ کلام کا جوہر دکھایا ہے لیکن خسرو علیہ الرحمۃ نے مدح کرتے ہوئے ایسا ناصحانہ پہلو بدلا ہے جس سے اسلاف کی حق گوئی کا ایک بے نظیر جلوہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے جزاھم اللہ خیر الجزاء۔

سببِ نظمِ کتاب

مولٰنا نظامی نے سببِ تصنیف کا کوئی خاص عنوان قرار نہیں دیا ہے بلکہ تمہید مدحِ سلطان میں جو قاصد سے گفتگو ہوئی ہے اُس کے کچھ اشعار سببِ تصنیف قرار دیئے جا سکتے ہیں مگر خسرو علیہ الرحمۃ نے سببِ تصنیف کا ایک خاص عنوان قرار دیا ہے اور ایسی طرزِ جدید سے اپنے شاعرانہ کمال کا اظہار کیا ہے کہ دل بے اختیار ہو جاتا ہے۔ دونوں کی روش اس طرح جدا ہے کہ اُن کا صحیح مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے تقریباً خسرو ہی کے اشعار پر اکتفا کرنا ہوگا۔

نظامی

گفتمش گفتنی کہ بہ پسندند — نہ کہ خود زیرکاں بر و خندند

گفتم ایں نامہ را چو دیر مجوس — جلوہ دادم ازاں بہ عزتِ عروس

تا عروسانِ چرخ اگر یک راہ — در عروسانِ من کنند نگاہ

از ہم آرایشی و ہمکاری — ہر یکے را یکے کند یاری

آخر از ہفت خط کہ یار شود　　نقطۂ برمیانِ کار شود
نقشبندے کہ نقش دہ دارد　　سر یک رشتہ را نگہ دارد

طوالت کے خوف سے تمام اشعار نقل نہیں کئے گئے پورے مضمون کے پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کی فکر رسا بحر مواج کی ایک طوفان خیز موج ہے جو دمبدم جوش مارتی ہوئی چلی جارہی ہے اور رہ گزر کے نشیب و فراز اُس کے سد راہ ہو نہیں سکتے۔ اشعار مذکورہ بالا صدر میں عروسانِ چرخ سے مراد وہی سبعہ سیارہ ہیں جن کی نسبت کو ہفت گنبد بہرام کی تعمیر میں ملحوظ رکھا ہے۔ ہفت خط جام جمشید کے وہ سات خط ہیں جو علم نجوم کے موافق ہفت افلاک و ہفت اقلیم سے تعلق رکھتے ہیں۔

نقش دہ سے مراد نقش دہ در دہ ہے جو اصول تکسیر کے موافق تسخیر کا اثر رکھتا ہے۔ ان اصطلاحات کے مفہوم ذہن میں ہوں اور پھر اشعار پڑھے جائیں تو کلام کی خوبی اچھی طرح سمجھ میں آئے۔

امیر خسرو علیہ الرحمۃ نے سبب تصنیف کی اس طرح ابتدا کی ہے۔

توصیف ایام

شبے از روز بغمی خوشتر　　وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت و نہ کرد ماہِ چاردہ روز　　ماہتابی شدہ جہاں افروز
برکشادہ ہوائے نورانی　　آسماں را گرہ ز پیشانی

ہفت، نہ اور چاردہ میں صنعت بیاقۃ الاعداد جس خوبی سے موزوں کی ہے وہ قابل ہزار داد ہے۔ ہفت و نہ کردن بمعنی آراستگی تمام جسے اہل ہند سولہ سنگار

کہتے ہیں ماہ چہار دہ روز بدر کامل ہے جو چودھویں تاریخ کو پورا ہوجاتا ہے اس کے علاوہ شب کو روز بینی سے خوش تر کہنا اور بدر کامل کی آرائش تمام و کمال کے بعد اس کی چاندنی کو جہاں افروز قرار دینا کیسا لطیف خیال ہے۔

موسم بہار

زحمت از باغ بردہ باد خزاں　　بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پُر از نسیم شدہ　　پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہائے مشک سرشت　　باز کردہ دریچہائے بہشت

ان اشعار میں باد خزاں اور باد نوروز کا تقابل شبنم و نسیم کا تناسب اور در کا اشتقاق و تجانس قابل لحاظ ہے موسم کی خوش گواری کا ایک عجب دلکش انداز میں بیان ہے خزاں کے جھونکے باغ و راغ کو ویران و سنسان کر دیتے ہیں نہ پھولوں کی شگفتگی رہتی ہے نہ بلبلوں کی زمزمہ سنجی، طبائع مضمحل جذبات افسردہ لیکن شاعر یہاں یہ ثابت کرتا ہے کہ باد خزاں کا جانا چمن دنیا کی تر و تازگی کا باعث ہو رہا تھا۔ اس لئے کہ ہر قسم کی زحمت و بیرونقی خزاں اپنے ساتھ لے گئی تھی۔ گلزار عالم ایک لہکتا مہکتا چمن قدرت بن گیا تھا۔

کیفیت شاء

من در احرامِ کعبۂ دل خویش　　نخل بر دست و چاہِ زمزم پیش
گشتہ کلکم کلید سینۂ من　　داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو رفتہ سرم　　پر گہر گشتہ دامن ہنرم

شعر اول میں چند الفاظ جو تناسب کعبہ کے لئے جمع کئے گئے ہیں اور دیگر اشعار

میں جو استعارات نمکیں اور بلاغت رنگیں موجود ہے وہ شاعر فصیح اللسان کے قادر الکلام ہونے کا کافی ثبوت ہے۔

تقریر بزبان ہمنشیں علی نامی

کامد آں ہمنشین جانی من — ناقدِ سکۂ معانی من
ہم علی نام و ہم بہ بینائی — چوں علی در کشاے دانائی
گفت اے جادوے طلسم انگیز — مونشگاف از زبانِ خامۂ تیز
گاہ فکرت چو خوے کند رویت — صد عطارد چکد ز ہر مویت

حضرت امیر خسرو نے اس عنوان کے تحت میں ۷ شعر لکھے ہیں جن میں سے ہر ایک انتخاب و لاجواب ہے زور سخن قوت کلام جدت شاعری میں ہر ایک شعر چشمۂ صافی کی طرح رواں ہے چوتھا شعر جو شاعر کی مشقت علمیہ کا مظہر ہے اس کی قادر الکلامی کے کمال کا کیسا آئینہ ہے یعنی وہ ہمنشیں شاعر سے یہ کہتا ہے کہ مشقت فکر کے وقت جو پسینہ آئے وہ ایسا ابر نیساں ہو کر نہ برسے جس سے موتی پیدا ہوتے ہوں بلکہ ہر بن مو صدہا عطارد کا مینھ برسا دے اس مقام کا بالاستعاب جو صاحب ذوق سلیم مطالعہ کرے گا اُسے شاعر کی طبع کامل کا ایسا زور دکھائی دے گا کہ بحر مواج بھی اُس کے سامنے ایک قطرہ سے زیادہ بے حقیقت ہے۔

ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر — دوختی دامنش بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردۂ تست — دُرے از لطف باز کردۂ تست
سکۂ معنی از چہار سواد — کردی آراستہ چو سبع شداد

چوں بعنوانِ پنجم آمد حرف　　تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف

رقعہ کا ایہام اور پھر اُس کے دامن کا دامن حشر سے پیوند چہار، سبع، پنج کا سیاق ایک ایسا وجدانی کیف ہے جو بیان میں نہیں آسکتا۔

پہلے شعر کا مفہوم شاعر کی کس درجہ قوت متخیلہ کی بلند پروازی کو ظاہر کرتا ہے یعنی جس داستان کہنہ کو تو نے اپنی تازہ بیانی سے شہرت دی ہے اُس کے دامن کو دامن حشر سے وابستہ کر دیا۔ اب اُس کا آوازہ قیامت تک آویزۂ گوشِ روزگار رہے گا۔

ترتیب خمسہ

دادی اوّل بہ گنبدِ دوّار　　روشنائی ز مطلع الانوار

کردی آنگاہ با نشاط تمام　　شہد خسرو و شیریں اندر جام

باز در عالم خرد مندی　　شورِ مجنوں و لیلےٰ افگندی

پس دہاں پر دری کردی　　شرح رازِ سکندری کردی

ایں زماں کز جواہرِ انجم　　قرعہ نگاری صحیفہ پنجم

کوش کیں خط چناں نگاری چیست　　کہ فزوں آید از بہار نخست

ان اشعار میں پنج گنج کے چار خزائن جو پہلے کو ہر معانی سے معمور ہو چکے تھے اُن کا تذکرہ اُن کے ناموں کے ساتھ ہے چونکہ حضرت نظامی نے سکندر نامہ میں جو آپ کی آخری مثنوی ہے اپنی تصانیف سابقہ کا اسی طرح ذکر کیا ہے اس لئے امیر خسرو بھی خمسہ کی آخری مثنوی میں اُس کے دیگر ارکان اربعہ کا ذکر فرماتے ہیں۔ نظامی کے اشعار اس موقع پر اگر نقل کر دیئے جائیں تو کچھ نامناسب نہ ہونگے اگرچہ اُس کی

بحر غیر ہی مگر باعتبار مضمون پورا مقابلہ ہی کہ کس نے کس طرح کتابوں کے نام شمار کئے ہیں

سوے مخزن آوردم اوّل پیچ — کہ سستی نکردم دریں کار ہیچ
وز و چرب و شیریں برانگیختم — بشیریں و خسرو در آمیختم
وز انجا سرا پردہ بیروں زدم — درِ عشق لیلےٰ و مجنوں زدم
چو از عشق مجنوں بپرداختم — سوے ہفت پیکر فرس تاختم
کنوں بر بساطِ سخن گستری — زنم کوسِ اقبالِ اسکندری

ہر شعر کا مولنا نظامی کے خسرو کے اشعار سے مقابلہ کر لو خسرو کی برتری اس مقام پر ایسی نمایاں ہی کہ محتاج تشریح و بیان نہیں۔ مولنا نظامی کا پانچواں شعر البتہ لطیف ہی باقی اشعار معمولی ہیں خاص کر پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ تو بہت ہی سست ہی۔

اب اس عنوان کا صرف ایک مضمون اور لکھنا ہی جس میں مصنف نے کتاب کا نام اور اُس کا موضوع ایک خاص بلاغت کے ساتھ بیان کیا ہی فرماتے ہیں ؎

گویم افسانہاے طبع فزاے — از لب لعبت فسانہ سراے
ہر فسانہ صراحیِ ز شراب — دور مستی و بلکہ دارو ے خواب
ہر یکے را بہشت نام کنم — جام و کوثر درو تمام کنم
ہفت باشد بہشت و گوہر ہفت — ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت
پس نوشتم ز کلک مشک سرشت — نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت
تا کسے کاندرو گزر یابد — بے قیامت بہشت در یابد

صنعت سیاق و اشتقاق وغیرہ تو شاعر کا روزمرہ ہی اُس پر طبیعت کا جوش لطف زبان و سلاست بیان کے ساتھ کوثر و سلسبیل کی روانی کا مزہ دیتی ہی۔

آغاز قصّہ بذکر بہرام

نظامی	خسرو
گوہر آمائے گنج خانۂ راز	گنج پیمائے ایں خزانۂ پر
گنج گوہر چنیں کشاید باز	از خزانہ چنیں کشاید دُر
کاسماں را ترازوئے دوسرست	کآفتابِ جمال بہرامی
در یکے سنگ و در یکے گہرست	چوں شد از نور در جہاں نامی
گاہ آید چو گوہر از سنگے	پدرش رخت زندگانی بست
گاہ لعلے چو کہربا رنگے	او بجائے پدر بہ تخت نشست
گوہر و سنگ شد بہ نسبت تمام	سر موئے کجی ز دہر نخاست
نسبت یزدگرد با بہرام	جز سرے کو بشانہ گرد دراست

آغاز قصّے کی تمہید دونوں باکمالوں کی ایک ہی طرز سے شروع ہوتی ہے۔ گزشتہ ایام کا واقعہ ہے اس لئے عہد سلف کا مورخ دونوں کے دربار میں بہرام کی تاریخ بیان کرتا ہے۔ صنائع و بدائع دونوں کلاموں میں یکساں۔ پہلا شعر بھی ایک دوسرے کا جواب ہے لیکن امیر خسرو عہد بہرام کے امن و امان سکون و قرار کو عجب لطف سے بیان فرماتے ہیں ؎

سر موئے کجی ز دہر نخاست　　جز سرے کو بشانہ گرد دراست

یعنی اُس کے عہد میں زمانہ سے کجی بالکل دُور ہوگئی تھی کسی جگہ بال برابر بھی فتنہ و فساد نہ پایا جاتا ہاں ارباب نعمت کے سرشانہ کشی کے وقت البتہ کج دکھائی دیتے تھے جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ ملک آباد تھا اور اہل ملک ناز و تنعم میں زندگی بسر کرتے تھے۔

تیراندازیِ بہرام

نظامی

پیش تیرش گرار زنے بودی
بسانش چو حلقہ بربودی
تیرش از حلق شیر حلقہ ربائے
تیغش از قفل گنج حلقہ کشائے
در نظرگاہ راست اندازی
بیلکش را بموئے بُد بازی

خسرو

آہنِ تیر چوں محک کردی
خطِ گوراں ز پشت حک کردی
ورز آہو بُدے نشانہ او
موئے بشگافتے ز شانہ او
ورشدی در نشانہ سخت انداز
رخنہ در ناف کوہ کردی باز

زانش باران تیر محکم بود
کہ کمانش کمان رستم بود

مولنا نظامی بہرام کی قدر اندازی اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ اگر دانہ ارزن کو جسے ہندی میں چینا کہتے ہیں وہ اپنے تیر کا نشانہ قرار دیتا تو اُسے حلقہ کی طرح بنا لیتا تھا۔ اور اگر شیر کی طرف تیر ڈالتا تو اس کے حلق سے اُس حلقہ کو جو قمری و قاختہ کی طرح اُس کا طوقِ گلو ہوتا ہے اُڑا لیتا تھا پھر اس پر مولنا ترقی فرماتے ہیں اور اُس کے کمال کا یوں اظہار فرماتے ہیں کہ اُس کا پیکان تیر بال کو بھی دو حصوں میں چیر دیتا تھا۔ مبالغہ میں اغراق وغلو کا جو لطف ہے اُس پر حلق و حلقہ کا اشتقاق و تجانس اور بھی لطیف ہے۔

امیر خسرو نے جس انداز سے جواب دیا ہے اُس کا لطف بیان سے باہر ہے

پہلا شعر خسرو کا مولٰنا کے دوسرے شعر کا لاجواب جواب ہے۔ وہاں حلقہ حلق شیر کو بہرام کا تیر نشانہ بنا کر اُڑاتا تھا اور یہاں گورخروں کی پشت خط کو جو بعینہٖ حلقۂ حلق شیر کی طرح ایک قدرتی سیاہ لکیر ہوتی ہے اُس کا تیر امتحان کے وقت مٹاتا ہے وہاں راست اندازی کے وقت موشگافی کی جاتی ہے یہاں شانہ آہو کے بال کو چیرا جاتا ہے۔ غرض یہ کہ دونوں کا بیان لاجواب ہے۔

صفتِ اسپِ بہرام

نظامی	خسرو
اشقرے بادپائے بود خوش چست	گرچہ بودش چو برق کوہ گزار
بہ تگ آسودہ و بگام درست	صد طویلہ بہ سر طویلہ ہزار
پر برآورد پائے زاندامش	لیک بود اشقرے گزیدۂ شاہ
دست ہر کس شکستہ از گامش	چیرہ ترز ابلق سپید و سیاہ
رہ نوردے کہ چوں نوشتے راہ	بادپائے کہ چوں بگام شدی
گوئی بردے ز چرخ و مہر و زماہ	تگ زدن بر صبا حرام شدی
اشقرے گور ہم چو زیں کردی	ور بآہنگ تگ بروں جستے
گور بر گردش آفریں کردی	وہم را دست و پائے بربستے

مولٰنا نظامی نے گھوڑے کی تیز روی و تیز دوی کو نہایت لطف سے بیان کیا ہے فرماتے ہیں کہ وہ گھوڑا ایسا سریع السیر تھا کہ اُس کے پاؤں کو پاؤں نہ کہنا چاہیئے بلکہ وہ پر تھے

کہ اُس کے جسم سے نکلے تھے۔ کسی کا ہاتھ اُس کے قدم تک نہیں پہنچ سکتا تھا گو صحرائی جن کی تیزی ضرب المثل ہے وہ بھی اُس گھوڑے کی گرد پر آفریں خواں تھے۔ اظہار سرعت کے لئے جس قدر مبالغہ کیا جا سکتا تھا انھیں چند اشعار میں ادا کر دیا گیا۔ اُس پر دست و پا کا تقابل چرخ و مہر و ماہ کا تناسب، آسمان و مہر و ماہ کے مقابل لفظ گوکا لانا نظم کا زیور ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی وہی اشتقر ہے اور وہی اُس کی تیز روی مگر بندشیں جُدا ترکیبیں نئی خیالات نرالے مضامین انوکھے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ صفت آپ کے ساتھ مخصوص ہے کہ یہ ہرگز امتیاز نہیں کیا جا سکتا کہ کسی کتاب کے مقابلہ میں آپ کوئی دوسری کتاب لکھ رہے ہیں یہاں وہ اشتر سریع السیر ابلق لیل و نہار سے زیادہ تیز ہے صبا اُس کے سامنے قدم نہیں اُٹھا سکتی دوڑ کے وقت وہم تک کے بھی ہاتھ پاؤں باندھ دیتا ہے پَر مُرغ تیز کا کام کرتا ہے اس کے علاوہ اشقر و ابلق کا تقابل اور باقی الفاظ کا تناسب قابل تعریف ہے۔

زندہ گرفتاریِ گور

نظامی	خسرو
چوں کمندِ شکار بگرفتے	بعد ازاں چوں بروں شدی بشکار
گور زندہ ہزار بگرفتے	کم رسیدی رمندہ را آزار
نام خود داغ کردہ بر رانش	در کمندش بحکم بر بستے
دادہ سرہنگیِ بیابانش	باز گشتے و شاد بہ نشستے

نظامی	خسرو
چوں کہ داغِ ملک براں دیدے	گرم بر رانش داغ فرمودے
گرد آزار او نگردیدے	خطِ آزادیش ہماں بودے
بندۂ راز بند بکشادے	چرخ زاں گورگیریِ بہرام
بوسہ بر داغ گاہ او دادے	گورخانہ زمانہ کردش نام
در پسیں گورخانہ موریے نیست	تا دریں کہنہ گورخانہ پست
کہ بر و داغ دست زوریے نیست	گورخاں ہم ز داغ گور نہ رست

مولٰنا کا مقصود یہ ہے کہ آخر میں بہرام گورخروں کو زندہ گرفتار کرتا اور اُن کی ران پر اپنے نام کا داغ ڈال کر چھوڑ دیتا۔ دوسرے شکاری جب شاہی مہر اُس پر دیکھتے تو اُس کا ادب کرتے اور کسی طرح کی تکلیف اُسے نہ پہنچاتے۔ آخر شعر میں ایک عبرتناک نتیجہ ظاہر فرمایا ہے کہ عالمِ فنا میں ایک چیونٹی بھی نہ ملے گی کہ وہ کسی زبردست کی داغ دار نہو۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ اسی مضمون کو سادگی کے ساتھ مقابلہ کی حالت میں امیر خسرو کس خوبی سے ادا کرتے ہیں خسرو کے اشعار پڑھو اُسی مضمون کی سادگی وصفائی کے ساتھ ایسی خوبی سے ٹکرا رہی کہ باہم مقدم و موخر کا فرق غیر ممکن ہے لیکن نتیجہ جو خسرو نے بیان کیا ہے وہ اُس نتیجہ سے زیادہ عبرتناک ہے یعنی اس دُنیا کے پرانے گورخانے میں خود زمانہ کا گورخان بھی داغ گور سے نہ بچا اور آخر کار وہ بھی قبر کا غلام بنا۔

واقعہ نگاری

بہرام نے اپنی معشوقہ دلارام سے پوچھا ہے کہ تو فرمایش کر کہ کس طرح ہرن کو اپنے تیر سے شکار کروں نظامی علیہ الرحمۃ نے دلارام کی یہ خواہش بیان فرمائی ہے کہ ایسا تیر لگایا جائے جو گورخر کے سر کو اُس کے سُم کے ساتھ بخیہ کر دے خسرو یہ بیان کرتے ہیں کہ دلارام نے کہا کہ کمال جب ہے کہ تیر آہوئے نر کو مادہ بنائے اور مادہ کو جامۂ نر۔

دونوں کے اشعار یہ ہیں۔

نظامی	خسرو
گورے آمد بگو کہ چوں تازم	باز گو تا زنم بدانائی
وز سرش تا سمش چہ اندازم	ہر یکے را چنانکہ فرمائی
گفت باید کہ رخ برافروزی	سیم بر ہم بر خصتِ شاہی
سر آں گور بر سمش دوزی	گفت ایں خواہش از من خواہی
شاہ پوں دید پیچ پیچی او	ناوکِ زن بر آہوئے سادہ
چارہ گر شد ز بد پسیچی او	کہ بود مادہ نر نرش مادہ
	شاہ دریافت خوردہ دانی او
	تاخت مرکب بہم عنانی او

دونوں کے اشعار موجود ہیں اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو دونوں پلّے برابر ہیں۔ اگرچہ فرمایشِ دلارام دونوں کے یہاں غیر غیر ہے مگر صفائی و بے ساختگی میں دونوں کا

کلام مساوی ہے۔ ہاں آخر شعر مولنا نظامی کا اہلِ زبان ہونے کو بتا رہا ہے اور خسرو کا آخر شعر اُن کے زبان داں ہونے کا مقر ہے پیچ پیچ اور بدلپیچ خاص اہلِ زبان کا لب ولہجہ ہے خسرو کے یہاں لفظ خوردہ دانی واقع ہوا ہے ارباب مذاق صحیح امتیاز کر سکتے ہیں کہ اہلِ زبان و زباندان ہونے میں اسی طرح کا ایک فرق لطیف پایا جاتا ہے۔

نظامی	خسرو
خواست اول کماں گروہہ چو باد	بخد نگے دو شاخ آہوئے زد
مہرہ در کماں گروہہ نہاد	بردہ زاں گونہ کو ندا شت خبر
صید را مہرہ در فگند بگوش	چو بہ برفرق او بداں ساں اند
آمد از تاب مہرہ مغز بجوش	کہ ازاں زہرہ دہ فرق نماند
سم سوئے گوش برد صید زبوں	دو یک انداز را ہم پیوست
تا ز گوش آرد آں غلولہ بروں	پس برآہو روانہ کرد درشست
تیر شہ برق شد جہاں افروخت	ہر دو در سرخیاں نشاندش غرق
گوش و سم را بہ یکدگر بردوخت	کہ دو شاخش پدید کرد بہ فرق
چوں سر و سم بدوخت شاہ زیتر	زاں دو شرط ہنر کہ در خور کرد
بسر و سم در آمد آں نخچیر	کرد نر مادہ۔ مادہ را نر کرد

واقعہ نگاری کا کمال یہ ہے کہ اُس کے اجزا و لوازم اس طرح بیان کئے جائیں کہ سامع کی نگاہ میں اُس کی ہو بہو تصویر کھنچ جائے مولنا نظامی نے دلارام کی ایک

انوکھی فرمایش بیان کی تھی بہرام کی قدر اندازی اسی کی مقتضی تھی کہ عجیب سے عجیب تر فرمایش بھی پوری کی جائے۔ انھیں امور کا لحاظ رکھتے ہوئے مولنا بہرام کے کمال کو یوں بیان فرماتے ہیں کہ بہرام نے بجائے تیر و کمان کے پہلے غلیل کو اُٹھا کر ایک غلّہ اُس گورخر کے کان میں پہنچایا جس سے اُس کا مغز جوش مارنے لگا۔ گورخر نے اپنے سم سے کان کھجلایا بہرام کا برق رفتار تیر فوراً آپہنچا اور گورخر کے سم کو اُس کے سر سے بخیہ کر دیا۔

چند اشعار میں واقعہ کی تصویر کھینچ کر صورت حال کو اس طرح دکھا دینا کہ گویا ہم اُس کو بچشم سر دیکھ رہے ہیں مولنا کا حصّہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے یہاں بھی برابر کا جواب ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ وہاں گورکو شکار بنایا ہے اور یہاں ہرن کو نشانہ ٹھیرایا ہے۔ بہرام نے ایک خدنگ سے آہوئے نر کے دونوں شاخوں کو سر سے ایسا اُڑایا کہ اُس کو خبر بھی نہوئی۔ اور دوبارہ اپنے تیر دو شاخہ کو دوسری آہوئے مادہ کے سر پر ایسا جمایا کہ گویا وہ اُسی کی دو شاخیں ہیں اس طرح چشم زدن میں آہوئے مادہ نر اور نر مادہ کر کے دکھا دیا۔

تشبیہ و استعارہ مبالغہ و اغراق جو عروس سخن کے زیور ہیں ان کی چند مثالیں گزر چکیں انھیں نمونوں سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کو نظامی جیسے ملک الکلام کے ساتھ ان انواع میں پہلو بہ پہلو رہنے کا پورا استحقاق ہے۔ اور یہ محض بُہتان ہے کہ خسرو صنائع لفظی کے ایسے دلدادہ ہیں کہ اس کے التزام سے لطف معنی خاک میں مل جاتا ہے۔

واقعہ نگاری جسے مثنوی کی جان کہا جا سکتا ہے اُس میں خسرو کا پلہ نظامی سے ہرگز کم نہیں۔ اب ایک موقع مرقعہ نگاری کا دکھایا جاتا ہے جس میں ایک شاہدِ ناز کا سراپا کھینچا گیا ہے۔

مولنا نظامی کا یہ کمال خصوصیت کے ساتھ ہر مقام پر نمایاں و بے مثل تسلیم کیا گیا ہے آپ کا خامۂ فکر ایسی تصویر بت طناز کی کھینچتا ہے جس کے مقابل مانی و بہزاد کے اصنام بھی سربسجود ہو جاتے ہیں۔

نظامی	خسرو
داشت با خود کنیزکے چوں ماہ	خاصہ ترزاں ہمہ کنیزے بود
چست و چابک بہم رکابے شاں	آفتابے بزیر چرخ کبود
فتنہ نامی ہزار فتنہ درو	اصلش از چین و رُخ چو صورت چیں
فتنۂ شاہ و شاہ فتنہ برو	گیسوش چوں سواد چیں مشکیں
تازہ روئے چو نو بہار بہشت	قامتے دلخوشی چو عمر دراز
خوش خرامے چو باد بر سر کشت	ہوس انگیز تر ز عشقِ مجاز
انگبینی بروغن آلودہ	
چرب و شیریں چو صحنِ پالودہ	

مولنا نظامی نے اختصار کے ساتھ جو کچھ کہا ہے خوب کہا ہے بالخصوص دوسرے شعر میں فتنہ کا انقلاب لاجواب ہے اُس کے شیریں لب شکر گفتار ہونے کے لئے جو تشبیہیں لائی گئیں سب کی سب حلاوت بخش ہیں۔

خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار پڑھو وہی کنیز یہاں بھی ہے لیکن ادائیں نرالی۔ عمر نے نئے۔ کرشمے جدید۔ مولٰنا نے اُس کے رُخ دلفروز کو ماہ کہا ہے۔ خسرو نے "آفتاب بزیر چرخ کبود" فرما کر سرکار حُسن کے عجیب وغریب کرشموں کا خاکہ کھینچ دیا۔ پھر تیسرے شعر میں قامت کی ایک نئے انداز سے تعریف کرتے ہوئے "ہوس انگیز ترز عشق مجاز" صرف اسی ایک مصرعہ میں ایک دفتر کا دفتر لکھ دیا۔ انصاف شرط ہے کہ ایک مصرعہ میں اس جامعیت کے ساتھ جس کے قلم نے سراپا کشی کی ہو اُس کے خسرو اقلیم سخن ہونے میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

ایک اور موقع

	نظامی	خسرو
دہن	خرمنِ گل ولے بقامتِ سرو	روئے گل رنگ داد گل را رنگ
	نشستہ روئے ولے بخون تدرو	دہنش تنگ باشکر ہم تنگ
غمزہ	خوبیِ غمزہ اش سحر گہ خویش	نرگسش دُر باش غمزہ خدنگ
	بستہ خوابِ ہزار عاشق پیش	لعل در آشتی وعشوہ بجنگ
لب	لبِ لعلش چو برگ تر باشد	خال او گو ہزار پردہ درید
	برگ آں گل پر از شکر باشد	عالمے را بکنجدے نخزید
چشم	چشم چوں نرگسی کہ خفتہ بود	گیسوئے پیچ پیچ از سر ناز
	فتنہ در خواب او نہفتہ بود	داد در دست فتنہ رشتہ دراز

نظامی	خسرو
عکسِ روشن بزیرِ زلف بتاب	رگ نمودہ بروں زلطفِ بدن
چوں حواصل بزیرِ پرِ عقاب	ہم چو رشتہ درونِ دُرِ عدن
خالش از زلفِ عنبر افشاں تر	برچو نارنج نو بشاخ درخت
چشمش از خالِ نامسلماں تر	سخت رستہ زصحبتِ دلِ سخت

مولنا نظامی کے پہلے شعر میں استعارہ کی لطافت اور حسنِ تکرار کا لطف قابلِ دید ہے قامت و عارض کی تعریف چونکہ ایک ہی شعر میں کی گئی ہے اس لیے دوسرا شعر جہاں چہرہ کی تازگی و سُرخی کو ظاہر کرتا ہے وہاں خوش رفتاری سے بھی مشعر ہے عموماً شعرا کے کلام میں شراب سے مُنہ دھونا چہرہ کو زیادہ گل گوں کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ لیکن نظامی نے اُس گلِ رُخسار کے رنگیں چہرے کو شراب سے نہیں دھویا ہے بلکہ خون تدرو سے دھوتے ہیں جس میں لطیف اشارہ اس طرف ہے کہ تدرو جس کی خوش رفتاری ضرب المثل ہے اُس کے خرام ناز نے اُس کا خون کر دیا تھا۔ اسی طرح تیسرے شعر میں لبِ لعل کو برگ گل تر کہکر پرشکر کہنا موصوف واحد کے لیے صفات متعددہ ثابت کرنے کی ایک عمدہ مثال ہے۔

پانچویں شعر میں عکسِ رخسار اور گیسوئے تاب دار کے لئے جو تشبیہ مولنا نے بیان کی ہے غالباً اُس کے موجد خود مولنا ہیں کسی دوسرے اہلِ زبان کے کلام میں یہ نادر تشبیہ دیکھی نہیں گئی۔

زلف عنبر بو جو اُس کے گلابی چہرے پر بار بار جھوم جھوم کر آجاتی ہے اُس نظارے کو یوں تشبیہ سے سمجھاتے ہیں "چوں حواصل بزیر پرِ عقاب" حواصل ایک بحری پرند ہی سفید و چمکدار عقاب سیاہ شکاری پرند ہے۔ اب مصرعہ پڑھئے اور اقلیم سخن پر مولانا کی پر جلال آزادانہ سلطنت کی ہزاروں داد دیجئے۔

اب خسرو کے اشعار پڑھو دوسرا شعر ان کی جدّت پسند طبیعت اور قادر الکلامی کا پورا ثبوت دے رہا ہی ایک ہی شعر میں مضامین گوناگوں بیان کرنا خصوصیات خسرو ہے چشم مخمور و نیم باز کو دو رباش قرار دیتے ہوئے غمزہ کو دل و جگر کے شکار میں مصروف رکھنا لب لعلین کو صلح جو و آشتی پسند کہتے ہوئے عشوۂ فتنہ انگیز کا جنگ و جدال سے باز نہ آنا کس خوش اسلوب و جدت طرازی سے بیان ہوا ہے خال و گیسو کے اشعار پڑھو چار مصرعوں میں کس قدر محاورات جمع کر دئے گئے ہیں اس پر خال و کنج گیسو پیچ پیچ اور فتنہ و رشتہ کی درازی میں تناسب لفظی و معنوی کس قدر قابل تعریف ہی۔ اگر ناظرین غور کریں گے تو خسرو کے اکثر اشعار میں تشبیہیں نہ صرف لطیف و نادر انھیں ملیں گے بلکہ اکثر کو جدت و ایجاد خسروی کا نمونہ پائیں گے خاص کر پچھلا شعر اُس کی جس قدر بھی تعریف کی جائے وہ تھوڑی ہی۔ غرض سراپا لکھنے میں بھی خسرو اپنے مقابل سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

موضوع کتاب اور اُس کے اجزا

ابھی بیان ہو چکا ہی کہ ہفت گنبد بہرام کی ہفت اقلیم کی شاہزادیوں سے زیب و زینت

ہر گنبد کا رنگ مختلف ہے اُس رنگ کی مناسبت سے بہرام و شاہزادی کا لباس بھی رنگین ہوتا ہے۔ بہرام شاہزادی سے کسی قصہ کی فرمایش کرتا ہے وہ بادشاہ کو دعا دیتے ہوئے ایک قصہ کہتی ہے ختم داستان پر بہرام ہم آغوش ہو کر آفرینش دیتا ہے۔

اس طرح ہر قصے میں پانچ پیرایے ہوتی ہیں ایک تو بہرام کا داخلہ دوسرے شاہزادی کی دعا تیسرے شاہزادی کی زبان سے داستان چوتھے رنگ کی بوقلمونی۔ پانچویں استراحت بہرام۔

داستانیں دونوں کتابوں میں بالکل مختلف ہیں اس لئے اُن میں مقابلہ نہیں ہو سکتا پھر یہ بھی ہے کہ واقعہ نگاری و داستان نویسی میں خسرو کی برتری ایسی نمایاں ہے جو مقابلہ سے بے نیاز ہے باوجود اختصار و ایجاز کے ہر داستان کے اجزا و لوازم اس اسلوب سے خسرو نے بیان کئے ہیں کہ اس کمال کی داد نہیں دی جا سکتی۔ اب مقابلہ میں صرف داستان کے بقیہ چار ارکان سے بعض نمونے مقابلتہً پیش کئے جاتے ہیں

رنگ سیاہ گنبد اوّل

نظامی	خسرو
در سیاہی شکوہ دارد ماہ	رنگ مشکیں شعار عباسی ست
چتر سلطاں ازاں کنند سیاہ	زیور آرائے چرخ شماسی ست
ہیچ رنگے بہ از سیاہی نیست	ظلمتِ شب کہ مشک فام بود
راست ہا ہی چو پشت ہا ہی نیست	بہر آرایشِ تمام بود

نظامی	خسرو
از جوانی بود سیہ موئی	خون تر در میان نافۂ خشک
وز سیاہی بود جواں روئی	تا نگردد سیہ نباشد مشک
بسیاہی جہاں بصر بیند	خط و خالے کہ دلستاں دارد
ہر کسے بر سیاہ بہ نشیند	مشک رنگ ست زیب ازاں دارد
گر نہ سیفور شب سیاہ شدی		
کی سزاوار مہر و ماہ شدی		
ہفت رنگے ست زیر ہفت اورنگ		
نیست بالاتر از سیاہی رنگ		

فضیلت سیاہی پر جو دلائل قائم کیے ہیں اگرچہ واقعی ہیں مگر طرز بیان زیادہ چست نہیں لیکن خسرو علیہ الرحمۃ کے دلائل زیادہ دلپذیر اور طرز بیان بہت ہی چست ہے۔

گنبد چہارم رنگ سرخ

نظامی	خسرو
سُرخی آرایشِ نوآئین ست	رنگ گلنار دل کشاے بود
گوہرِ سُرخ را بہا این ست	چوں مے لال جاں فزاے بود
چونکہ آمیزشِ رواں دارد	زیب باغ ست رنگ گلناری
سُرخ زاں شد کہ لطف جاں دارد	چوں شفق بر سپہر زنگاری

نظامی	خسرو
زر کہ گوگرد سُرخ شد لقبش	ہر کہ شد بخت و دولتی یارش
سُرخی آمد نکوترین سببش	رُخ بسرخی بود چو گلنارش
	ہست گلنار ہمچو نار کلیم
	گل نار ست باغ ابراہیم

اس مقام پر بھی مولنا کے دلائل وطرز بیان سابق کی طرح سادہ اور جدت وچستی سے خالی ہیں برخلاف اس کے خسرو کے دلائل میں جدت اور طریقہ نہایت ہی چست ومعنی خیز ہے اُس پر صنعت تقابل وتناسب لفظی ومعنوی نے اور بھی بیان کو رنگین بنا دیا ہے صنائع لفظی کا ایسی صنعت سے لانا جس سے معنی میں رنگینی ولطافت پیدا ہو جائے خسرو کا حصہ ہے۔

گنبد ہفتم رنگ کافوری

نظامی	خسرو
ہرچہ ز آلودگی شود نامید	جامہ کافورگوں بہ ست بساز
پاکیش را لقب کنند سپید	کہ بخیر الثیاب یافت طراز
در پرستش بوقت کوشیدن	پاک رنگ ست رنگ کافوری
سنت آمد سپید پوشیدن	نامہا را بیاض مغفوری
	چوں شود مشک آدمی کافور
	موے او را خدائے خواند نور

خسرو

روز روشن کہ سر بسر نور ست
ہمہ نورش برنگ کافور ست

اس جگہ بھی سابق کی طرح خسرو کے دلائل میں قوت و فضیلت موجود ہے۔ سات رنگوں میں سے تین کا مقابلہ کرکے کمال خسرو کا نمونہ دکھا دیا گیا۔ ایک اوّل اور دوسرا وسط اور تیسرا خاتمہ کا رنگ اختیار کیا ہے۔ چونکہ ان مقامات کا بیان نہایت صاف وسلیس ہے اس لئے وجوہ فضیلت کا تفصیلی اظہار غیر ضروری سمجھکر ترک کر دیا گیا۔

خواب بہرام با معشوقانِ طناز

اس موقع کو کہ شاہزادی جب قصہ ختم کرتی ہے تو بہرام اُس سے ہم آغوش ہو کر سو رہتا ہے دونوں حضرات نے بیان کیا ہے۔ لیکن نظامی کے یہاں عموماً بہرام کا خواب ایک معمولی خواب ہے لیکن خسرو علیہ الرحمتہ جب بہرام کو سُلاتے ہیں تو عاشق و معشوق کے سونے کا نقشہ نگاہوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں۔ دو تین نمونے اس کیف کے بھی مقابلتہً لکھے جاتے ہیں۔

داستان اوّل خواب با ملکہ ہندی

نظامی	خسرو
چونکہ با لونے ہند با بہرام	شاہ کز نازنین مشکیں موے
باز پرداخت ایں فسانہ تمام	ایں فسانہ شنید روے بروے

نظامی	خسرو
شہ بران گفتہ آفرینش گفت	خفت در خواب گاہ حور العین
در کنارش گرفت شاہ و بخفت	گل در آغوش مشک بر بالیں

خسرو کے اشعار میں جو لطف و کیف ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ موئے و روئے۔ عین و آغوش و بالیں کے تناسب کے علاوہ اُس محبوبہ ہندی کو مشکیں موے سے موصوف کرنا اور حالت خواب کو مشک بر بالیں قرار دینا ایک خاص صنعت طرازی ہے۔

داستان دوم ملکہ گنبد زعفرانی

نظامی	خسرو
شہ چو ایں داستاں شنید تمام	شاہ را چوں نگار شکر خاے
در کنارش گرفت و خفت بکام	زعفراں وار شد نشاط افزاے
	در بر آورد شاہ زرد قباش
	زعفراں سایے گشت بر حلواش

خسرو علیہ الرحمۃ نے اس مقام پر بیغ و دقیق استعارہ کے ساتھ جس طرح مضمون بیان کیا ہے اُس کا صحیح اندازہ کافی مذاق سخن چاہتا ہے۔

خواب بہرام با ملکہ گنبد سُرخ

نظامی	خسرو
روے بہرام ازاں گل افشانی	ماہ گلنار چہرہ چوں بہ تمام
سُرخ شد چوں گلاب ریحانی	گفت افسانہ خفت با بہرام

نظامی

دست بر سُرخ گل کشید دراز
در کنارش گرفت و خفت بناز

یہاں خسرو نے سادگی و اختصار سے کام لیا ہے اور مولنا کے اشعار میں رنگ آمیزی ہے لیکن پھر بھی دو منونے رنگینی کے جو پہلے اشعار خسروی میں دکھائے گئے ہیں ان کے مقابل میں یہ سُرخی پھیکی ہے۔ بہرحال من حیث المجموع خسرو کا پلہ اس مضمون میں بھی راجح ہے۔

داخلۂ بہرام بہ گنبد

شام ہوتی ہے اور بہرام معشوقۂ دلنواز کے گنبد میں داخل ہوتا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ مولنا نظامی کا یہ بیان گنبد سُرخ میں نہایت ہی بلیغ ہے۔ اس لئے صرف مقابلہ میں اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

نظامی	خسرو
شب چو منجوق بر کشید بلند	شب چو پروین نمائے گشت سپہر
طاق خورشید در کشید بلند	ماہ بر خویش بست زیور مہ
شاہ زاں سُرخ سیب شہد آمیز	داد فرماں خدائیگان سریر
خواست افسانۂ نشاط انگیز	کاید آں ماہروے در تقریر
	بہ فسون و فسانۂ چو نبات
	مغز شہ تر کند بآبِ حیات

مولانا کے ہاں لفظ منجوق کا ایہام ایسا دقیق اور لطف انگیز ہے اور اُس کو یہاں ایسے مخفی استعارہ کے پہلو سے بیان کیا گیا ہے کہ اُس کا مذاق اہل زبان سے دریافت کیا جا سکتا ہے۔

پھر لفظ درکشید و برکشید میں ایسی فصاحت موجود ہے جو سہل ممتنع کی ایک بے مثل مثال ہے مقصود یہ ہے کہ سورج غروب ہوا۔ اور آسمان پر چاند نکلا۔ اس کے لئے جو اہتمام کیا گیا اور جس آمد و بے تکلفی سے ادا کر دیا وہ مولنا کے کمال کا نمونہ ہے۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا بھی وہی مقصد بغیر ہے سورج چھپ گیا رات ہوئی اور چاند نکلا لیکن انصاف طلب یہ امر ہے کہ مقابلہ میں منہ کو لنا اور وہ بھی مولنا جیسے اہل زبان کے سامنے اور پھر بازی میں پیچھے نہ رہنا سولئے خسرو کے اور کس کو نصیب ہوا۔

پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ اول مصرعہ کے ساتھ ہمکناری کا جو لطف ظاہر کر رہا ہے اُس کے علاوہ ایسے خاص لطیف استعارہ کا حامل ہے کہ اُس کی داد مولنا نظامی ہی دے سکتے ہیں۔

خسرو کا ہر ایک شعر مقابل کا جواب الجواب بلکہ لاجواب واقع ہوا ہے۔ لیکن نگاہ منصفانہ شرط ہے۔

ایک اور موقع

اگرچہ ایک مثال بھی اپنے مقام پر کافی ہوتی ہے لیکن بعض اہلِ خیال کا خیال کرتے ہوئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک اور مثال بھی پیش کر دی جائے۔

نظامی	خسرو
چوں پری سبزۂ زمرد وار	چوں شب تیرہ گشت گوہر سبز
باغ انجم فشاند برگ بہار	در زمیں در شد آفتاب چو گنج
زاں خرد مند سرو سبز او رنگ	شاہ مست و حریف ہم مست
خواست تا پُر شکر فشاند تنگ	رفتہ بیروں عنانِ ہر دو ز دست
	گفت فرمان دہ سریر بلند
	کہ شکر لب زپستہ ریز د قند

مولنا نظامی کے یہاں اوّل شعر میں شب کا ہونا اور دوسرے شعر میں اُس نازک اندام محبوبہ سے قصہ کی فرمایش جس آب و تاب سے بیان ہوئی ہے وہ تمام الفاظ کے تناسب و تقابل سے ظاہر ہے خاص کر بہرام کو سرو سبز او رنگ کے ساتھ استعارہ کرتے ہوئے اُس کی زبان سے یہ کہنا "خواست تا پر شکر فشاند تنگ" کس قدر باحلاوت و شیریں تقریر ہے۔ خسرو علیہ الرحمۃ کے اشعار میں اگرچہ گنبد سبز کے تلازم کو نظر انداز کر دیا گیا ہے مگر ایک ہندی شاعر ایک ایرانی کے مقابل کہتا ہے کہ (در زمیں در شد آفتاب چو گنج) اور قند مکرر کی شکر ریزی یوں کرتا ہے (کہ شکر لب زپستہ ریز د قند) واقعہ ہے کہ اگر ارباب سماع پر کیف ہوں تو یقیناً یہ سمجھیں گے کہ یہ طوطی ہند نہیں ہے بلکہ بلبل شیراز چہک رہا ہے۔

خسرو کے اسی زور قلم کا نتیجہ ہے جو اہل زبانوں نے بھی ان کے سامنے سرِ تسلیم

خم کر دیا ورنہ اہلِ زبان کب کسی زبان داں کو خاطر میں لاتے ہیں۔

اشعار دعائیہ

ہرشاہنردی نے جو آغاز داستان سے پہلے بہرام کو دعائیں دی ہیں ایک دو نمونے اُس کے بھی ہدیۂ ناظرین ہیں۔

ملکہ گنبد ریحانی

نظامی

پری آنگہ کہ بردہ بود نماز
بر سلیماں کشادہ پردہ راز
گفت کالے جانِ من بجان تو شاد
ہمہ جانہا فدائے جان تو باد
خانۂ دولت ست خرگاہت
تاج و تخت آسمان درگاہت
تاج را سربلندی از سر تست
تخت را بادشاہی از در تست
گوہرت عقد مملکت را تاج
ہمہ عالم بدرگہت محتاج

نسرو

لعبتِ سیم با ہزار نشاط
سوے رخ را بہ پایگاہ بساط
گفت شاہا جہاں بکام تو باد
در جہاں ہرچہ ہست رام تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں
دوزخی باد ہمچو بے دیناں

مولنا کے اشعار میں نماز بردن خاص اہلِ زبان کا محاورہ ہے جو اُن کی ہی زبان سے

بھلا معلوم ہوتا ہے معنی اس کے اطاعت کرنے کے ہیں۔ پری وسلیمان کا تقابل وتناسب بھی اک خاص لطف پیدا کرتا ہے باقی مضمون دعا معمولی ہے کوئی خاص بات قابل ذکر نہیں۔

اشعار خسروی کی بندش صاف اور چست ہے مگر دعا کا مضمون یہاں بھی معمولی وسادہ ہے لیکن دوسرے مصرعہ میں جو محاورہ آداب بجالانے کے معنی میں ذکر کیا ہے وہ مولنا نظامی کے پہلے شعر کے اُس محاورہ کا جواب ہے جو اہل زبان کے ساتھ خاص ہے۔

ایک اور مثال

نظامی	خسرو
چوں زفرماں شہ گزیر نبود	نازنیں برزمیں نہاد جبیں
عذر با ناردلپذیر نبود	گفت کاے شہریار روے زمیں
گفت رومی عروس چینی راز	بخت ہمواره ہم عنان تو باد
کاے خداوند روم وچین وطراز	سر بدخواہ بر سنان تو باد
تاشدی زندہ دار جان ملوک	ہر مرادی کہ بشمری زانگشت
عز نصرت خدایگان ملوک	یک بیک جملہ بادت اندر مشت
ہر کہ جز بندگیت رائے کند	شرم دارم کہ پیش درد ری
سر خود را نثار پائے کند	کہ بارا کشم بجلوہ گری

مولنا کے پہلے شعر کا دوسرا مصرعہ عذر بانا دلپذیر بنود" آپ کی فصیح البیانی کا خاص نمونہ ہی طراز ترکستان کے شہروں میں ایک حسن خیز شہر ہے جس کا ذکر اس جگہ ایک لطف پیدا کر رہا ہے۔ دعا کا پہلو جو اختیار کیا گیا ہے اس کی بلاغت بھی قابل تحسین ہی بظاہر کوئی فعل دعا پر دلالت نہیں کرتا ہے اور حقیقت میں سب دعا ہی۔

امیر خسرو کا تیسرا شعر ہزاروں اشعار دعائیہ کا جواب ہی تمامی مرادات کے حصول کے مضمون کو شاعر قادر الکلام نے جس خوبی سے بیان کیا ہے اس سے ظاہر ہی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو جس صنعت وخوبی کے ساتھ بیان کرنا چاہی بے تکلف اسے ادا کر سکتا ہی۔

پھر آخر شعر میں دُردُری کا باہمی صنعت تجنیس واشتقاق کی جلوہ گری اس پر کہربا کے ساتھ تقابل قابل دید ہے دری بضم دال مہملہ بہ معنی ستارہ روشن کے ہے اضافت تشبیہی کے نسبت سے دربالضم کا مضاف الیہ بنانا کیسی پاکیزہ ترکیب اور زبان دری کی کیسی چست بندش ہی۔

ساتوں قصوں میں مضامین مشترکہ کا مقابلہ ضرورت سے زیادہ کر کے دکھا دیا گیا جس سے ثابت ہی کہ مولنا نظامی کو تقدم زمانی کا شرف خسرو علیہ الرحمۃ پر حاصل ہی ورنہ خسرو کی مثنوی کسی طرح اپنا پایہ کم نہیں رکھتی ہی کہیں نظامی کو ترجیح ہی اور کہیں خسرو کو ہاں کہیں کہیں بعض محاورات اہل زبان کی خصوصیت البتہ ظاہر کرتے ہیں مثنوی کا خاتمہ دونوں حضرات کے یہاں بہرام کی موت نے کر دیا ہی۔ گو خسرو کے

تعاقب میں بہرام کوہیں میں گر کر موت کا خود ہی شکار ہو جاتا ہے مولانا نظامی اپنی کتاب بادشاہ کے دعائیہ اشعار پر ختم فرماتے ہیں۔

نظامی

دولتی باش ہر کجا باشی　　در رکابت فلک بفرماشی
دولتت را کہ از زیادت باد　　خاتم کار با سعادت باد
ایں دعا را ز قدسیاں آمیں　　میرسد ہر زمان بعلیین

خسرو علیہ الرحمۃ کی مثنوی جہاں ختم ہوئی ہے وہاں ناصحانہ اشعار لکھتے ہوئے اپنے شیخ طریقت کی طرف عجب اخلاص و ارادت سے ملتفت ہوئے ہیں۔

خسرو

خسرو اپائے نیک مرداں گیر　　با مسیحا نشیں و پیش میر
بایدت خانۂ حیات درست　　از خضر باید آب حیواں جست
خواہی از ناک بر سپہر خرام　　خاک شو زیر پائے شیخ نظام

اس کے بعد خسرو نے اپنی کتاب کا تمام ہونا سنہ تصنیف تعداد اشعار وغیرہ بیان کئے ہیں آخر میں اپنے استاد علامہ شہاب کا شکریہ ادا کیا ہے۔ مولانا شہاب علاء الدین خلجی کے عہد میں ایسے جامع معقول و منقول فاضل جلیل الشان تھے کہ اکثر فضلا نے آپ کے تلمذ سے شرف حاصل کیا تھا۔

خسرو علیہ الرحمۃ کا معمول تھا کہ اپنی تصنیف جس طرح کہ شیخ رحمۃ اللہ علیہ کے

سامنے فاتحہ کی غرض سے پیش فرماتے، اُستاد علامہ کے ہاتھوں سے بھی اُسے مشرف کرتے تھے۔ یہ خصوصیت کچھ خمسہ کے ساتھ نہیں ہے۔ اعجاز خسروی کے متعلق بھی ایسے ہی کلمات خسرو علیہ الرحمۃ نے تحریر فرمائے ہیں کہ شہاب نے تمام اغلاط کے جنون کو اپنے قلم اصلاح سے بند کر دیا ہے اب کوئی اس میں کسی طرح کی غلطی نہ پائے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ خسرو علیہ الرحمۃ کی تصانیف عجیب گوناگوں فوائد و برکات سے مالا مال ہیں اُنھوں نے اشعار کے ضمن میں بہت سے اہم اخلاقی مسائل کی تعلیم فرمادی ہے کہیں والدہ ماجدہ سے جو ملے ہیں اُسے نظم کیا ہے تاکہ لوگ شفقتِ مادری کو جانیں اور ماں کا حق اپنی سعادت سے ادا کریں کہیں بھائی کا مرثیہ لکھکر اخوت کے حقوق بتائے ہیں کہیں اُستاد کی تعلیم کا شکریہ ادا کیا ہے۔ چنانچہ اس مثنوی میں حق تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے اُستاد کے فضل و کمال کا ایک بلیغ خطبہ پڑھتے ہیں۔ اُس کے بعد فرماتے ہیں ؎

نور دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کار من ہم افگندہ
من بدو عرضہ کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راند خامۂ خویش
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار — شستہ چوں دوستانِ آئینہ وار
ہرچہ او گفت می نہادم گوش — برکشیدم مگس ز شربتِ نوش
وانچہ بنمود من نجستم پے — عیب آں بر من ست تنے بروے
انچہ او دید بس نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

یارب او چوں بہ پنج نامۂ من　　بر دو بیروں خطائے نامۂ من
نامۂ او کہ حرز جانش باد　　در قیامت خطِ امانش باد

امیر خسرو علیہ الرحمۃ کے کلام کا مقابلہ امام مثنوی گویان مولٰنا نظامی کے ساتھ جب دکھا دیا گیا تو اب کسی اور کے کلام سے مقابلہ کرنا ایک عبث فعل ہوگا۔

اس لئے کہ خسرو کے بعد اگر کسی نے مثنوی کا حق ادا کیا ہے تو وہ صرف جامی علیہ الرحمہ ہیں لیکن انھوں نے اس داستان کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ اس بحر میں آپ کی مثنوی سلسلۃ الذہب ہی لیکن وہ خالص صوفیانہ رنگ میں ہی۔ حمد و نعت بھی اس مثنوی میں مولٰنا نے گہرے صوفیانہ رنگ میں لکھی ہی۔ بعضوں نے ہموزن کو ہم رنگ سمجھ لیا اس لئے وہ لکھ گئے کہ سلسلۃ الذہب ہفت پیکر و حدیقہ کے ہم رنگ ہی۔ خیر اس طرح کی غلطی مقلدین سے نقل کرنے میں ہو ہی جاتی ہی۔

یہاں یہ مقصود ہی کہ خسرو کے کلام کا مقابلہ ان کے مابعد کے شعرا سے کرنا ایک فضول امر ہے بدیں وجہ ہاتفی کی ہفت اورنگ سے مقابلہ نہیں کیا گیا لیکن بہ نظر مقابلہ خواجو کرمانی اور ہاتفی دونوں کی مثنویاں مطالعہ کی گئی تھیں اس لئے محض چند اشعار دونوں کے حمد و نعت سے نقل کرتا ہوں ناظرین کرام اسی سے ایک سرسری اندازہ کر سکیں گے۔

ہفت منظر ہاتفی

حمد

سایۂ آفتاب نہ خورشید　　آفتابِ تو سایۂ جاوید

مسجد و دیر را تو کردی ساز — در ایمان و کفر کردی باز
دیری و مسجدی ترا جویند — گرچه هریک درِ دگر کوبند
جملهٔ موجود را تویی معبود — هستی و بودهٔ و خواهی بود
پشه را دهی ز مطبخ جود — طعمه از مغز کله نمرود
از پئے دیدن سیاه و سفید — نے چراغت بکار و نے خورشید
دیدنِ تو چو دیدنِ مانیست — واں شنیدن شنیدنِ نمایت
تاج شاهان و خسروانی کوس — هست بر درگهت چو تاج خروس

مناجات

روز محشر که سر زنم از خاک — سینه صد پاره و گریبان چاک
پیشت آیم ز جرم فرسوده — پائے تا سر گناه آلوده
نکنی کرده مرا منظور — رحمت خویش آوری بظهور
دانم این را که جمله بد کردم — بد من سرنوشت خود کردم
در ازل هرچه کرده ام تقصیر — بنو دغیه کردنش تدبیر
رحمت از هاتفی دریغ مدار — ز فنایش بزیر میغ مدار
نیز طعنش کنی ز جمله غنی — در ثنائے محمد مدنی

نعت و معراج

اے بلند از تو پایهٔ معراج — انبیا را سر اولیا را تاج

قرشی تخت و هاشمی افسر — ابطحی رائے و یثربی مہتر
شہ بطحا محمد عربی — پے شرار تو شرار بولہبی
مہ مشرق طلوع عالمگیر — نور گیرا ز تو آفتاب منیر
نہ نشستت کسے بہ بالا دست — زیر دست تو بود ہر کہ نشست
خضر آب رواں ز جوئے تو یافت — سوے آں چشمہ رہ بسوے تو یافت
رفت عیسیٰ اگر بچرخ کبود — بودی از وے ہزار پایہ فزود
اے خوش آں شب کزاں ہلال صبا — سوئے اقصا نہاد رخشت پا
سر دطور تجلی ذاتی — بہر ماہ رخ تو مرآتی
آں شنیدی ہزار گونہ کلام — نہ زباں بود درمیان نہ کام
سخنانش نداشت پیش و پسے — ہمہ بودند جمع ہم نفسے
خواہش دل ز حد برونت داد — انچہ می خواستی فزونت داد
شد یقینیت کہ خانہ بے غیرت — مژدہ دادت کہ عاقبت بخیرت
سفرت بود طرفۃ العینی — آں شد آمد نداشت مابینی
کس و بیکس گناہگارے چند — بامید شفاعت خرسند
گر شفاعت گری بجا آری — نیست اندیشہ از گنہگاری

خواجو کرمانی

حمد

بسم من لا الہ الا ہو — صنع لفظی و زین معناہ

قادرے کو منزہ است از عیب
صانع کو مقدس است از ریب

رزمہ پرداز کارگاہ وجود
نقش بند نگار خانۂ جود

آنکہ ہم اوّل ست و ہم آخر
وانکہ ہم باطن ست و ہم ظاہر

روح در کیش او ست قربانی
کفر در دین او مسلمانی

عقل قاصر ز کنہ آلایش
وہم عاجز ز حصر یغمایش

خلعت جاں بہ انس و جاں دادہ
وآب حیوان بخضر جاں دادہ

حسن ذاتش نگر بحسن صفات
در صفاتش ببیں تجلی ذات

آنکہ روزی بمور و مار دہد
روشنائی بہ نور و نار دہد

برقع از صورتِ سخن بکشاد
شمع معنی بدست خود آجو داد

اے ز دل کردہ شمع منظر گل
نے ز گل کردہ برج اختر دل

بدر لالہ کہ بہت قاصد شام
در رہت بندۂ منیرت نام

مہدیِ مہد خاک یعنی روح
یافتہ از تو زندگانی روح

اے ز عشق تو عقل شیدائی
ہمہ پنہانیت ز پیدائی

ابتدائے ترا نہایت نیست
وانتہائے ترا بدایت نیست

من دل مردہ را حیاتی بخش
وز غم نیستی نجاتی بخش

بے نوایم مرا نوائے ساز
دردمندم مرا دوائے ساز

شربت از مشرب یقینم دہ
میوہ از بوستان دینم دہ

در توحید بر دلم بکشائے
ره ایوان وحدتم بہ نمائے

خانہ غفلتم ز بر برکش
دامن عصمتم بسر درکش

عالم ہستیم بباد مدہ
خرمن میتیم بباد مدہ

مرغ طبعم ہوا بگلشن راز
بلبل پردہ ساز معنی ساز

ظلمت ظلم از رواں بفزائے
وآب حیوانم از زباں بچشائے

ملک معنی مسخرم گرداں
حکم و حکمت میسرم گرداں

دل خوآبوز شمع دل بفروز
چشم تجریدش از جہاں بردوز

نعت

اے رخ ماہ مطلع لولاک
روے بقا سرو گلشن افلاک

سید انبیا پناہ رسل
مقصد کن فکاں امام رسل

بنی ہاشمی رسول خدائے
مرغ دستاں سرائے ہرد و سرائے

حجۃ حق خلاصۂ کونین
رحمت خلق و ہادی ثقلین

شمع بطحی چراغ بیت حرم
صدر و بدر جہاں جہان کرم

راہ بنمائے الذی اسری
مجلس آرائے قصر ما اوحی

مرود را زینت وصفا ازتست
رونق ملک اصطفا ازتست

تو کماں دار قاب قوسینی
عرش را زیب و فرش را زینی

بوالبشر خوشہ چین خرمن تو
روضہ خرم بہ بوئے مسکن تو

شرفِ بامِ کبریائت مہر — کاسہ ریزِ مطبخِ تو سپہر
تو مہ و مطلع تو اوجِ فلک — تو شہ و لشکرِ تو فوجِ ملک
خادمِ خوانِ دعوتِ تو خلیل — مرغِ باغِ نبوتت جبریل
کشتۂ تیغِ غمزۂ تو ذبیح — وز دمت روح پرورید مسیح
آستانِ تو سجدہ گاہِ فلک — وآستیں تو بوسہ جائے ملک
سدرہ را منتہا تو دیدن بس — کل باغِ دنا تو پیدن بس
گر یتیمی بہ غم کہ از تعظیم — بیش باشد بہائے در یتیم
دمبدم چشمِ ما کہ رفت برود — می فرستد بروضۂ تو درود
رفتم از دست خادمِ من بہ پذیر — مہر بر اور ز خاک و بوسہ بگیر
در حریمِ شفاعتم بہ نشاں — وآستیں بر لبِ شفاعت مفشاں
کارِ خواجو چنیں خراب مہل — زو قلش در میانِ آب مہل
بکشایش در سرائے [illegible]

خواجو کرمانی کی یہ مثنوی اخلاقی و صوفیانہ ہے پہلے چھوٹے اخلاقی مضامین پند و موعظت کے اس میں لکھے ہیں۔

نعت و منقبت میں جو اشعار کہ نعتیہ مضمون واقع ہوئے ہیں انھیں اگر جمع کر کے دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ تمام مثنوی نگار نعت سے بہرہ اندوز ہیں

تائید تنقید از بہارستان جامی

بہارستان جامی میں سخن سنج جام نے امیر خسرو علیہ الرحمہ کی قادر الکلامی کی جو داد دی ہے وہ فقیر کے دعوی پر ایک روشن برہان ہے۔ فرماتے ہیں۔

"امیر خسرو علیہ الرحمہ در شعر مستثنی است قصیدہ و غزل و مثنوی ورزیدہ و ہمہ بکمال رسانید۔ تتبع خاقانی می کند ہر چند در قصیدہ بہ وے نہ رسیدہ امّا غزل از وے گذرانیدہ و غزل ہائے بواسطہ معنی آشنا کہ ارباب عشق و محبت بحسب ذوق و وجد آں خود را در می یابند مقبول ہمہ کس افتادہ است خمسہ نظامی بہ ازوے کسے در جواب نگفتہ و در اے آں مثنویہا دیگر دارد ہمہ مطبوع و مصنوع"

اب بعد اس کے کہ ایسی زبردست شہادتیں کمال خسروی کے متعلق پیش کی جا چکیں اصناف سخن کا بھی ایک نمونہ پیش کر دیا گیا خصوصیت کے ساتھ مصنف مثنوی میں مولنا نظامی کے کلام سے مقابلہ بھی کر کے دکھا دیا گیا ان مراحل کے بعد شاید اس دعوی کی تصدیق میں کہ خسرو کا وجود نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلام میں ایک جوہر فرد ہے کوئی شک و شبہ نہیں رہ جاتا۔ اب رہی یہ بحث کہ اس طرح کی جامعیت اور کمالات گوناگوں کے کیا وجوہ ہوئے اس کے لئے صرف حضرت سعدی کا مشہور فیصلہ کفایت کرتا ہے ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

کمال خسروی کے متعلق روایات عجیبہ کی وجہ

ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام سے پیشتر دنیا اس خبط میں مبتلا ہے کہ جہاں کسی فرد بشر میں کوئی قوت عامۂ ناس سے زیادہ ہوئی بس اوسے خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیا گیا

چنانچہ حکمائے یونان میں سے فلاطون وغیرہ اسی لقب کے مستحق سمجھے گئے۔ آج یورپ باوجود اس کے کہ علم و فن میں اپنے کو انتہا مرتبۂ کمال پر سمجھتا ہے لیکن کیا مجال کہ اوس قدیم خبط سے ہوش میں آسکے وہی رٹ لگی جاتی ہے کہ عیسی خدا ہے خدا کا بیٹا ہے۔

لیکن تعلیمات اسلامیہ نے جبکہ دنیا کے عقول صحیح کر دیے تھے تو کسی کو یہ جرأت تو نہو سکی کہ کسی صاحب کمال کو اس لقب سے یاد کر سکے لیکن پھر بھی جب کسی کے لئے غیر معمولی کوئی وصف ثابت کیا جاتا تو اوس کے لئے غیر معمولی وجوہ بھی تراشے جاتے۔

اگر خسرو علیہ الرحمہ جیسا شخص اسلام سے قبل دنیا میں آیا ہوتا تو اُس کے محیر العقول کمالات بھی ملک و قوم سے اوسی لقب کی سفارش کرتے جو ایسی باکمالوں کو ملک و اہل ملک کی جانب سے ملا کرتا تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ کسب و اکتساب تعلیم و تعلم سے جہاں تک طبیعت میں ملکہ اور قوائے دماغی کی تربیت علی العموم ہو سکتی ہے اوس مقدار خاص سے اگر کسی کی طبیعت میں ملکہ یا دماغی قوت میں نشو و نما زیادہ پایا گیا تو پھر اوس کے بیان وجوہ میں عجیب و غریب رنگ آمیزی کی جاتی۔

خواجہ حافظ شیرازی اور مولنا نظامی کے متعلق جو روایات کہ عوام میں مشہور ہیں وہ اثبات دعوی کے لئے کافی ہیں۔

اس میں کوئی کلام نہیں کہ اکتساب کمال کے لئے جہاں صحیح استعداد طلب کامل محو و انہماک شرائط و لوازم ہیں وہاں نفوس قدسیہ اور ارواح زاکیہ کی توجہ و دعا بھی ایک اثر خاص رکھتی ہے۔

خواجہ حافظ و مولنا نظامی وغیرہ چونکہ زمرۂ صوفیہ میں ہیں اس لئے ان حضرات نے اپنے عہد کے شیوخ سے ضرور استفادہ و استفاضہ دعاے مقبول کا فرمایا۔ یہ اونھیں بابرکت دعاؤں کا اثر ہے کہ ان حضرات کے قلم نے معارف و حقائق کے ایسے مینہ برسائے کہ آج تک رہروان معرفت اُن سے سیراب ہو رہے ہیں۔

عوام نے اونہیں برکات و فیوض کو اپنے الفاظ میں اس طرح شہرت دی جس سے رفتہ رفتہ واقعہ طلسمی افسانہ بن گیا۔ اور اصل و حقیقت مخفی ہو گئی یہ نتیجہ اوسی استعجاب کا ہے جو حافظ و نظامی کے شاعرانہ کمال نے عوام میں پیدا کر دیا تھا۔ اس طرح کی روایات سے گو واقعہ کی صورت مٹ جاتی ہے لیکن یہ ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ اوس کا کمال غیر معمولی تسلیم کیا گیا۔

ایسی صورت میں پھر اس کی کوئی وجہ نہ تھی کہ خسرو علیہ الرحمہ جیسے جامع کمالات کے متعلق اس طرح کی روایتیں مشہور نہ کی جاتیں عوام میں کیا کیا مشہور ہے اوسے ہم عوام ہی کے حوالہ کرتے ہیں ہاں جو واقعہ نفس الامر ہے اس مقام پر ہدیۂ ناظرین ہے۔

امیر سیف الدین جو خسرو علیہ الرحمہ کے والد ماجد ہیں اونہیں قصبہ پٹیالی عرف مومن پور یا مومن آباد ضلع ایٹہ میں جاگیر عطا ہوئی تھی۔ وہاں ایک ولی کامل مجذوب

حال رہا کرتے تھے خسرو علیہ الرحمہ کے والدین اون کے معتقد و خدمت گذار تھے جب خسرو علیہ الرحمہ پیدا ہوے تو آپ کے والد ایک خرقہ میں لپیٹ کر اس مولود مسعود کو اوس صاحب ترک و تجرید کے پاس لے گئے وہ واقف اسرار دیکھتے ہی یہ الفاظ زبان پر لایا "آوردی کسے را کہ از خاقانی دو قدم پیش خواہد برد"

یہ روایت تقریباً ہر اوس کتاب میں موجود ہے جس میں خسرو علیہ الرحمہ کا تذکرہ ہے شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اخبار الاخیار میں مجذوب کے اس جملے کو نقل فرما کر اس کا مطلب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ "قصد آں مجذوب از دو قدم مثنوی و غزل باشد" یعنی خاقانی صرف قصائد میں اوستاد تھا اور اس کا کمال علاوہ قصائد کے مثنوی اور غزل میں بھی ہوگا۔

اس روایت کی نقل سے مدعا یہ ہے کہ ایک صاحب حال واقف اسرار آگاہ حقیقت ولی کامل کے منہ سے ایسے بابرکت مژدہ کا نکلنا ایک ایسی دعاے مستجاب تھی جس کے حاصل کرنے کے لئے خسرو ہی جیسا بلند طالع مولود ہو سکتا ہے۔

دوسری یہ روایت ہے کہ جب خسرو علیہ الرحمہ تعلیم سے فارغ ہوئے اور آپ کی شاعری کا عہد شباب شروع ہوا تو اوس وقت آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اگر حضرت خضر علیہ السلام کی زیارت نصیب ہوتی تو اُن سے لعاب دہن کی التماس کرتا تاکہ اوس کی برکت سے کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا ہوتی۔

اعجاز سخن اور شیخ طریقت کا فیض

چنانچہ ایک روز جب کہ دولت زیارت حضرت خضر کی نصیب ہوئی تو اُن سے اپنی دلی تمنا کا اظہار نیاز مندانہ کیا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ "ایں بچہ شیر از بر د" یعنی شیرینی سخن کی دولت

شیخ سعدی شیرازی کو نصیب ہو چکی۔ اس مایوس کن جواب سے خسرو علیہ الرحمہ شکستہ خاطر ہوئے اور شیخ طریقت حضرت سیدنا نظام الدین محمد سلطان الاولیا قدس اللہ سرہ العزیز کی خدمت میں صورت واقعہ درد انگیز لہجہ میں عرض کی۔ شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شکستہ خاطر ہونیکی کیا بات ہے حلاوت سخن میں عطا کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے چند پارے مصری کے خسرو کی سر سے نچھاور فرمائے اور ایک ٹکڑا آپ کے منہ میں بھی ڈالدیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ خسرو علیہ الرحمہ جب حضرت شاہ بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اوس وقت اون سے لعاب دہن کی التماس کی ہی شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ شیرینی تو سعدی کے حصہ کی ہو چکی نمکینی باقی ہے یہ فرمایا اور ایک کنکری نمک کی اپنے منہ میں ڈالکر پھر اوسے خسرو کے منہ میں ڈالدیا۔

جب شاہ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت سے خسرو واپس تشریف لائے تو اسوقت اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا اور شیرینی سخن کے طالب ہوئے اسوقت حضرت نظام المشایخ نے مصری کھلائی اور حلاوت سخن عطا فرمائی۔

صاحب سیر الاولیا مولٰنا سید محمد کرمانی المعروف بامیر خرد جو امیر خسرو علیہ الرحمہ کے معاصر ہیں اور شیخ المشایخ حضرت سلطان الاولیا کے مرید و خلیفہ بھی ہیں سیر الاولیا میں تحریر فرماتے ہیں کہ "روزے در مدح سلطان المشایخ پیش سلطان المشایخ شعرے گذرانید فرمان شد کہ چہ منجواہی چون ہوس سخن در نظم داشت شیرینی سخن خواست فرمان شد کہ آں طاس شکر کہ زیر کھٹ ست بیار و سر خود شار کن و قدرے ازاں بخور امیر خسرو ہم چناں کرد لاجرم شیرینی سخن او شرق و غرب عالم گرفت" سیر الاولیا کی روایت انکشاف اہل حقیقت میں سب روایتوں سے زیادہ

قابل وثوق ہے۔ اگرچہ بہت ممکن ہے کہ عطائے شیرینی کی دولت چند بار نصیب ہوئی ہو اور جس کو جو روایت پہونچی اوس نے اوسی کو نقل کیا۔

لیکن خود امیر خسرو علیہ الرحمہ مثنوی نہ سپہر میں ایک اشارہ کرتے ہیں جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ جامعیت اور زور کلام خود شیخ طریقت حضرت نظام المشایخ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مذاق قوال کا صدقہ ہے وہ فرماتے ہیں۔

من از وے لعاب دہاں یافتم　　کزاں گونہ آب دہاں یافتم
دو قطرہ ازاں در دوات افگنم　　تظلم در آب حیات افگنم

اسمیں کوئی شک نہیں کہ خسرو علیہ الرحمہ نے جہاں اور برکات مخصوصہ اپنے شیخ سے حاصل کیں وہاں حلاوت سخن بھی شیخ کی دعاء مقبول کی بدولت حاصل کی۔ رہی یہ بحث کہ خاصان خدا کی دعا یا لعاب دہن میں یہ قوت و تاثیر ممکن بھی ہے یا نہیں اس مقام پر ایک امر زاید ہے اور موضوع سے بہت دور جانا ہے جس سعید ازلی کو نفوس قدسیہ کی مقدس و مقبول دعائیں نصیب ہوئی ہیں وہی خوب جانتا ہے کہ رب اغبر اشعث لو اقسم باللہ لابر ہ جو ایک زبردست بشارت صادق و مصدوق ہے وہ کیا کچھ قوت و تاثیر رکھتی ہے اور جو شخص اس نعمت عظمیٰ سے محروم ہے وہ اگر انکار کرتا ہے تو اوس کی محرومی اوس کی عذر خواہ ہے ع

ہر کہ ایں کارندانست در انکار بماند

واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ نبیہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

حررہ بعبدہ الفقیر محمد سلیمان اشرف عفی عنہ
بہار شریف۔ محلہ میراداد ضلع پٹنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے کشایندۂ خزانۂ جود — نقش پیوند کارگاہِ وجود

کوکب آرائے آسمانِ بلند — ہم زمیں سازو ہم فلک پیوند

بود نی را ہمیشہ بود از تو — بود نا بود را وجود از تو

آفرینش رستم کشیدۂ تست — ہرچہ جز تست آفریدۂ تست

در نیائی بفکر عالمیاں — در نگنجی بوہم آدمیاں

آدمی کیست خاک بے سروپائے — کو بداند خدائے را چو خدائے

سخن آنجا کہ از خدا دانی ست — لافِ دانش دلیل نادانی ست

آنکہ خود را شناخت نتواند — آفرینندہ را کجا داند

آنکہ در کارِ خویش گم باشد — دمِ غیب از وے اشتلم باشد

لہ جدم = خزائن لہ سم = بفہم لہ رم = کہ لہ لفظ ترکی ست

یعنی ستم وظلم را از حد گذرانیدن ۱۲

مورکا افتد میانِ دریا[1] بار — کے رسد از شناوری بکنار

عقل گو[2] صد ہزار رنگ آمیخت — از خجالت بپائے پس بگریخت

ہرچہ اندر جہاں ندانم کس — ہمہ دانند کاں تو دانی وبس

کردنی ہرچہ در جہاں شاید — آنچنانش کنی کہ می باید

حرف انگشت چون نشست بمشت — کس بحرف تو چوں نہد انگشت

ساختی از قضا جریدہ راز — بستی از حرف کاف و نونش طراز

لاے توحید اثر دہ بست بپاے — کہ خدایاں خورد بغیر خداے

اندراں لاے معرفت پیشہ — لام الف گشت پاے اندیشہ

ہمہ ہستی ز ملک تا ملکوت — یک رقم زاں جریدۂ جبروت

ہست[3] بے نیست آشکار و نہفت — ہم[4] تو نی جز ترا نشاید گفت

تو بدی و نبود ایں ہمہ چیز — ہم تو مانی و کس نماند نیز

کے کسے چوں تو پائدار شود — بندہ کے آفریدگار شود

ہرچہ نتواں ز پادشاہی کرد — کردی و میکنی و خواہی کرد

تو توانی کہ بخشی از شاہی — ہرچہ خواہی و ہر کرا خواہی

---

[1] دریاے بزرگ ۱۲ الٰہ [2] جب = گر [3] وجودیکہ در آن عدمہا و نیابد و ہم آشکارہ و ہم پنہاں باشد آن وجود پاک ست ہم درین معنی مولانا عبد العلیم آسی غازی پوری قدس سرہٗ شعرے فرمودہ و دُر سفتہ: بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار + اُس پہ گمنامی یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے ۱۲ الٰہ [4] = آں

کارسازی وکارسازت نه — هیچکس کاردانِ رازت نه

گر بجان زندگی ست حیوان را — زندگانی تو میدهی جان را

جان که او را بها نداند کس — رایگانش[۱] دهی بمور و مگس

تو نگاری ز خاک صورتِ پاک — تو توانیش باز کردن خاک

خاک را آدمی توانی کرد — آدمی نیز خاک[۲] دانی کرد

گل برآری ز گل بجلوه گری — هم برآری و هم فرو دبری

سنبل آری ز خاکِ صحرائی — هم بیاری و هم بیارائی

گوهر اندر صدف به بندگنی — پس برآری و ارجمند کنی

شب فرستی و شب فروزی هم — روز دادی[۳] و فراخ روزی هم

دهی از لطف هر کرا خواهی — چشمه را آب و آب را ماهی

پشّه را بیهمانی جود — طعمه بخشی ز کاسهٔ مزود

عاجزی را چو دل بزور کنی — شیر شرزه ز بون مور کنی

از تو خاکی خوش آتشی ناچیز — بولهب[۴] خوار و بوتراب[۵] عزیز

هر کرا شکر گوی خویش کنی — نعمتش را بشکر بیش کنی

---

[۱] مفت و بے عوض ۱۲ [۲] آدمی را خاک کردن هم میدانی ۱۲ شوکت لـ رس = آری [۴] لهب یعنی شعله و ابولهب کنیت عبد العزی ست که عم رسول الله صلی الله علیه وسلم بوده و در مذمت او سورت تبت یدا نازل گشته ۱۲ [۵] تراب یعنی خاک ابوتراب کنیت حضرت مولی علی کرم الله وجهه است روزے حضرت مولی بزمین مسجد استراحت میفرمود پیغمبر صلی الله علیه وسلم از غایت شفقت برائے بیدار کردن قم یا ابا تراب فرمودند و خاک از جامهٔ جسیم بدست مقدس خویش پاک فرمودند پس از آن روز کنیت حضرت علی ابوتراب گشت ۱۲

وانکه باشکر نبودش خویشی | گوشمالش دهی بدرویشی

اے بصد لطف کارسازنده ق | بنده را از کرم نوازنده

بندگاں را بخواجگی شب و روز | خواجگی بخش بندگی آموز

بکرّم رخت خواجگیم بسوز | بنده ام خوان و بندگی آموز

آمدم بر درت بے خود وار | باخودم دار بے خودم مگذار

دُور کن باد خسروی زسرم | پُر کن از خاک بندگی بصرم

بے نیازم کن از درِ همه کس | جز ز درگاهِ بے نیازی وبس

آپنخاں رہ بخویش کن بازم | کز تو با دیگرے نه پردازم

همه جا لطفِ خویش یارم دار | بر درِ خویش رستگارم دار

اندراں تلخے که در انجام | زاندهِ نزع تلخ گردد کام

اوّلم کن بشربتے سیراب | کآخرم تلخے نیارد خواب

در قیامت که حشر کار شود ق | عاصی از کرده شرمسار شود

چوں بصحرا نهی نهانِ همه | شرمسارم مکن میانِ همه

از گنه انچه در جهاں کردم | رحمتم داد دل - ازاں کردم

چوں ز رحمت شد ایں عمل یارم | هم برحمت حواله کن کارم

چوں رسد خواجهٔ نکوکاراں ق | در شفاعت گهِ گنه گاراں

لہ ریح = زبندگی لہ۲ اضافہ بموجب بسر لہ۳ بس = تلخیم لہ۴ میدان محشر لہ۵ دل داد یعنی دلیر ساخت لہ

زاں شفاعت رواج کارم بخش　　بشفیع بزرگوارم بخش

دَرُود روان سُوی روضۂ محمّدی کہ ہشت بہشت راگلِ خلود از گلابِ عرقِ او شگفت اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدؐ

سخن آں بہ کہ بعد حمد خدائے　　بود از نعت خواجۂ دوسرائے

احمد آں مرسل خلاصۂ کون　　پردہ پوشِ اُمم بدامن عون

میم احمد کہ در اَحد غرق ست　　کمر خدمت از پئے فرق ست

احمد اندر اَحد کمر بندست　　یعنی این بندہ واں خداوندست

عاصیاں را در آفتابؐ نشور　　ظلّ محمّدؐ و داد از منشور

نور اد آفتاب را مایہ　　سایۂ خلق و ابر بے سایہ

بہر تعظیم او ارادتِ پاک　　سایۂ او رہا نکردہ بخاک

پایۂ قدرش آسماں پیوند　　سایۂ نورش آفتابِ بلند

روشنائی دہِ چراغ یقیں　　نور پیشین و شمع بازپسیں

نور او کز سپہر صد چند ست　　مہ شگاف و سپہر پیوندست

انبیا پیشِ آں خجستہ چراغ　　طفلِ گہوارہ در مقامِ بلاغ

لہ ج = از لہ ب = برسول ؐ روز قیامت ۱۲ ؐ ظل یعنی سایہ ومدود یعنی دراز ومنشور یعنی فرمان شاہی و اینجا فرمان الٰہی ۱۲

کارپردازِ کارنامۂ غیب — خازنِ گنج خانۂ لاریب[۵۲]

اُمّی و حرف سبز تختۂ کُن — قلمش راست کارِ راست سخن

کاف و نون یک رقم زنامۂ او — لوحِ محفوظ زیرِ خانۂ او

بہترین نقطۂ رسل بشمار — آسماں دائرہ است او پرکار

در سرشتِ خود از دقیقۂ عون — ذاتِ پاکش خمیرمایۂ کون

نہ سپہر از وجود او شد چیز — بلکہ ہژدہ ہزار عالم نیز

زبدۂ ہر چہ بود و ہر چہ بود — دولتے زیں بزرگ تر چہ بود

درّۃ التاجِ کُن فکاں نسبش — قرۃ العینِ انس و جاں لقبش

ہستی از وے علم برآوردہ — او تفاخر بہ نیستی کردہ

گفت عیسیٰ خود از کتابِ اَحَد — یاتی من بعدے اسمہ احمد

ذاتِ او خلق را کلیدِ نجات — ہم حیاتِ جہاں ہم آبِ حیات

عیسیٰ از کیمیائے جانست بپوست — بیگماں کیمیائے عیسیٰ اوست

خاتمِ چرخ زادہ انگشتش — پدرِ او چکیدہ از پشتش

اوست جانے کہ قالبش پیغمبر — جانِ روح اللہ است و روحِ امیں

ختمِ پیغمبراں بارِ خدائے — گمرہاں را بصدق راہنمائے

منکرِ شرع را ز اصل و ز فرع — سرزدہ ہم بتازیانۂ شرع

لباب ۔ کارخانۂ ۵۲ مراد از قرآن پاک ست کہ در توصیفش عز اسمہ ذالک الکتاب لاریب فیہ فرمودہ ۱۲

بهدایت دلیلِ بے دینان — بشفاعت پناهِ مسکینان

چون بحجت زبهرِ دعویٰ خاست — حُجّتِ او درست و دعویٰ راست

در جهانگیری از زبر تا زیر — هم زبانش درست و هم شمشیر

بر سریرِ فلک بحجت[1] میر — لاے لولاک دُور باشِ[2] سریر

پنج[3] منشور از چه ظلمات — سوے نُه بامِ نردبانِ نجات

کنگرِ شین شرعش از همه راه — بر شدن را فگنده حبل الله

برده بر عرش خواجگی را تاج — عرشیانش به بندگی محتاج

اوج بر بُلبلانِ مازاغش — غلغل مرغِ سدره در باغش

آنکه او سنگ زد بدندانش — یافت گوهر[4] ز لعل خندانش

عذر خواهم به پردهٔ رازش — عذر او جرم سوز و مجرم ساز

وصفش از حدِّ عقل و جان برتر — بارگاهش ز لامکان برتر

آفریں باد بر چنان خاکے — که از و زاده شد چنیں پاکے

نور او از زمیں بروں داده — آسماں و زمیں از و زاده

---

[1] ریخت میر [2] دور باش بواؤ معروف نیزه باشد که سنان آن را دو شاخه سازند و چوب آنرا بزر و جواهر مرصع ساخته پیشا پیش سواری بادشاهان برند تا خلق از دور مشاهده نموده کیسو شوند و نیز اگر عدوے کمند بجانب بادشاه اندازد بدان دفع کنند. پس طلے (لا) ولاک را دور باش گفتن عجب استعارهٔ ملیح است و لله در فائله ۱۲ [3] در حدیث آمده است بنی الاسلام علی خمس اے بنیاد اسلام بر پنج چیز نهاده شده است کلمه شهادت، نماز، روزه، زکوٰة، حج پس از پنج منشور همین مراد باشد یا نماز پنجگانه و از چه ظلمات کفر و ضلالت ۱۲

[4] از گوهر مراد و عاد در حق کفار است ۱۲ شوکت

خاک و آبش بکار خانهٔ راز — گشته نه بام را عمارت ساز

چار یارش بچار سوئے زمیں — چار رکن و چهار صفهٔ دیں

آں بزرگاں که همنشین و یند — روشن از پرتوِ یقین و یند

اوّل آں اوّلیں خلیفهٔ کار — ثانی اثنین اذ هما فی الغار

دویم آں کز شکوهِ پایهٔ او — دیو بگریخته ز سایهٔ او

سوم آں جامعِ جریدهٔ پاک — چاشنی گیر خوانِ ارسلناک

چارم آں قصر وحی را دهلیز — درِ علم و کلیدِ خیبر نیز

دوستان دگر گزاں جمعند — صبح را نور و شام را شمعند

آنکه پاکند پاک کیشانند — رضی الله عنهم ایشانند

راهِ شاں را که نه فلک پس ست — توشهٔ خوشنودی خدائے بس ست

هر یکے سرِ سرمدی دارد — زانکه نورِ محمّدی دارد

همه را داد دولتش همه چیز — آفریں بروے و بر اشیاں نیز

ابدالله هر بار رضائے تمام — از خدا بادشاں درود و سلام

گرد آں انجمِ سپهر افروز — پرتو نورِ مصطفیٰ شب و روز

هر که از مصطفیٰ ندارد نور — سایه اش دور باد از مادور

نامِ پاکش که مردهٔ آنم — زنده باد ابیاد او جانم

لہ ج = زیاد

بندهٔ خسرو کہ در پناہش باد　　مردہ و زندہ خاکِ راہش باد

صفتِ معراج سیّد المرسلین خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

گر شود مردم آسماں ہا تاج　　جز محمدؐ کراست ایں معراج

فرخ آں شب کہ آں چراغِ دو کون　　زد بقندیلِ عرش پرتو عون

شب چو بر سر نہادہ چتر سیاہ　　چترِ اسریٰ کشید بر سرِ ماہ

دولتش زیں سرائے دامن گیر　　جلوہ گر شد بہ لاجورد سریر

شبِ او[۵۱] گشت زیورِ ماہش　　نور او گشت مشعلِ راہش

در دلِ شب ز پرتوِ آں نور　　حرف باریک غیب خواندہ ز دور

جبرئیل آورید شش از درگاہ　　راہوارے کہ وہم راز در راہ

برنشست و عنانش داد فراز　　تا شتاباں شود براہِ دراز

اوّل آں دم کہ کوسِ اسریٰ زد　　خیمہ در بارگاہِ[۵۲] اقصیٰ زد

رفت زانجا ہمہ نوا بخشید　　خستہ[۵۳] خویش را دوا بخشید

پس بہ پیشش عطارِ دنامی　　برد شعرِ یمانی و شامی

---

۵۱ مراد از شب گیسوے معنبر و از ماہ چہرہ انور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲

۵۲ مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس ۱۲　　۵۳ خستہ خویش باعتبار معجزہ شق القمر ماہ را قرار دادہ ۱۲

چون از آنجا جنیبه راند بپیش — زهره در رقص شد ز قبهٔ خویش
در رهش آفتاب روشن و پاک — پیش[1] ازان رونهاده بود بخاک
چون به پنجم سپهر کرد خرام — طرّ[2] قوا زد چو چاوشان بهرام
چون ششم خانه شد قرارگهش — مشتری از عمامه رفت رهش
زحل از سهمناکی کیشش — گشت غلطان چو هندوان پیشش
چون فلک اختر ثبات گذشت — زین تحرک در آن ثبات گذشت
هم ثوابت خجسته ذات شدند — هم بدرّ[3] یوزهٔ ثبات شدند
چون علم پیش برد زین پرکار — ماند بر جا زمانگی ـ هموار
عرش بردار جنیبه بارش را — پای گم شد جنیبه دارش را
رویش افگند ز آفتاب حضور — بر قنادیل عرش پرتو نور
چون برخ عرش را منور کرد — زان[4] مکان سر بلا مکان بر کرد
جلوه کرد از وراے کونینش — سر بدرگاه قاب قوسینش
برگرفت از میان حجاب خیال — تا درآمد بجلوه گاه جمال[5]
شد بجاے که جان نمی گنجد — خود هم اندر میان نمی گنجد
دیده را نور لایزالی داد — سینه را سرّ ذوالجلالی داد

---

[1] ب = بهراد [2] معنی طرّ قوا (که صیغهٔ امر حاضر ست) یکسو شوید و راه دهید و معنی چاوشان نقیبان ۱۲
[3] ج = بدویزه [4] ب = از [5] ب = وصال

چوں زعالم بروں نہاد قدم — جلوہ گر شد بہ پیشگاہِ قِدم
ہستی دیدہ کش زوال نبود — نیستی را درو مجال نبود
یافت درخود متاع موزوں را — دید بیشک خدائے بچوں را
نکتہ برخواند بے وکالت ہوش — قصہ بشنید بے میانجی گوش
گوش کی سرِ غیب را سنجد — بحر اندر صدف کجا گنجد
با ہزاراں ہزار نقد مُراد — در شبستانِ دولت آمد شاد
بہرہ داد از رہِ جوانمردی — رہ رواں را ازاں رہ آوردی
کرد چوں بخشش خواجگاں[۲] ہمہ چیز — داد بخشش گناہ گاراں نیز
ہر یکے را نوید احساں داد — یادگارے زیادِ یزداں باد
تا شدیم از چناں متاعِ امید — ماگدایاں تو نگرِ جاوید
بیں کہ چوں گنج خانۂ داریم — کہ چو ایماں خزانۂ داریم
چہ غم از ہست نقب زن بقفا — حَسْبُنَا اللّٰہُ وَحدَہٗ وَکفیٰ

مدح قدوۃ الخافقین نظام الحق فی الدنیا والآخرۃ رضوان ریاض ریاضت کہ گلہائے تازہ وجوہ یومئذ ناضرۃ و برگہائے ترالی بہا ناظرۃ در فردوس ارادتِ

لہ ح = پیش و ر = پیشتر لہ۲ جب = لقاے لہ۲ حس = خاصگان

او تواں یافت بلغہ اللہ فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر

چوں[لا] من از خوانِ نعمتِ خواجہ خویش — نعمتے تازہ یافتم در پیش
زلّہ[۵۲] کردم ازاں رفاقتی چند — تا کنم توشۂ[۵۳] ابد پیوند
گندمے بود زلّہ آدم را — خوانچہ نیز پورِ مریم را
زلّہ ام کز رسول والا بود — نہ کم از آدم و مسیحا بود
کنم اکنوں ازاں نعیم جلال — خوانچہ مدح شیخ مالا مال
غوثِ عالم نظامِ ملّت دیں — قطب ہفت آسمان و ہفت زمیں
رہبرِ پیش بیں محمد نام — زدہ پے بر پے محمدؐ گام
صوفیِ در شعارِ صوف سلیم — چرخِ اطلس نہفتہ[۵۴] زیرِ گلیم
در قدم راہش از ملایک پیش — پایش از بوسہ ملایک ریش
قدمش را کہ آسماں محل است — پایۂ خطوۂ[۵۵] تمین قد وصل است
از کرامت بر آسمانش جائے — وز ریاضت ہوا[۵۶]ش در تہ پائے
سعدی از سرنوشت خود مسعود — خطِ پیشانیش طراز سعود
مردم دیدۂ ستارہ و ماہ — گفت چرخش علیک عین اللہ

لا واجب = منکہ ۵۲ زلّہ بفتح را و تشدید لام انچہ از طعام بہر کسی نگاہ دارند و رفاق بضم اوّل نان تنک ۱۲
۵۳ توشہ موصوف ابد پیوند صفت ۱۲ لا ج = نہادہ ۵۵ مسافت میان ہر دو قدم ۱۲
۵۶ ہوا یعنی خواہش نفس را در تہ پا آوردہ و پامال ساختہ ۱۲

پاک روح الٰہی بدین قوی — زندہ دارِ شریعت نبوی
شہپرِ ہمتش ببازوے دیں — نسخۂ[1] از جناحِ روحِ امیں
شرفِ آدم از نکو خلقی — نائبِ مصطفےٰ بوحی خفی
ہُو مُعَلَّم براتِ حاصلِ او — کُنتُ کنزاً حدیثِ دلِ او
کاروانِ ممالکِ ملکوت — مشرفِ[2] کارخانۂ جبروت
پادشاہاں بہ بندگی شرفش — خواجگانِ زمانہ در کنفش
برزمیں جبرئیلِ نورانی — زادہ از بیضۂ مسلمانی
آفتابی ست زآدمی زادہ — وآسمانی ست ازمے زادہ
نے ز ابرار دیدہ کس عملش — نے ز ابدال یافتہ بدلش
سفرش زیں نہ آشیانہ بروں — روزہ از ماسوا للہش مدروں
ہر شبش زاوجِ عالمِ اسرار — صبحِ دولت دمیدہ از شبِ تار
پاکبازے فگندہ بر سرِ گنج — ہفت[3] و چارِ زمانہ درشش و پنج
آہِ او تیرِ چرخ گاہ کشاد — نفسش تیغِ تیز ہمچوں باد
زدہ دہلیزِ قدر بر درِ دیں — میخش اوتاد و رشتہ حبلِ متین

---

[1] نسخہ = لاس ۱۲ [2] نویسندہ کہ بالائے نویسندگان متعین شود تا از خیانت ایشاں خبردار بودہ باشد ۱۲
[3] جب = پادشاہے ۱۲ [4] از ہفت مراد ہفت آسمان و زمیں و از چار عناصر اربعہ کہ موالید ثلاثہ جماد و نبات و حیواں از ان بوجود آمدہ یا ربع مسکوں و از شش و پنج تحیر و عاجز یعنی چنداں گنج عرفاں دارد کہ ہمہ عالم را متحیر ساختہ ۱۲

خاک دہلیزش آسمان سلب ست — بوریای وی ارچہ از قصب[1] ست
در و اقفش ببوسش دیوار — خانہ کردہ فرشتگاں بسیار
دیوار سیلیش بدست صفا — ہم سیہ روے و ہم کبود قفا
سروران سلوک درکویش — مسح کردہ ز آب پاشویش
واں سواک[2] کش کہ عمدۂ دین ست — دُرج دُر را کلید چوبین ست
در دلِ عاشقاں بہ پردۂ راز — بانگِ نعلین[3] ارغنونِ نیاز
نور بخش درونہ عین عطاش — رہنماے امید وال دعاش
چون ز وجد آمدہ دلش در سوز — شمع را کردہ خاطرش پر سوز
چشم مہرش ز پرتو جاوید — سنگ را کردہ لعل چون خورشید
کیمیا سنج کورۂ مقصود — کردہ حل جملہ عقدہ ہاے وجود
دلش از عشق خون و دیدہ پر آب — اینست کبریتِ احمر آں سیماب
درد و درمانش در تتبّع[4] فرماں — گنج درد و خزینۂ درماں
پیش اُستاد دل بکوششِ چست — گشت سبق شکستگیش درست
واں مریدانِ رہروانِ یقیں — ہر یکے والیِ ولایتِ دیں
ہمہ شیطاں کُش و فرشتہ خدم[5] — در روش بر ہوا نہادہ قدم

---

[1] نے وہر چہ مانند نے باشد ۱۲ [2] سواک یعنی مسواک ۱۲ [3] ج ب نعلینش [4] ج ب = رہ
[5] ج ب = قدم

زندہ دارِ شب از دمِ تسبیح — غلغل افگندہ در رواقِ[۵۱] مسیح
بر سرِ شین شرع ساختہ تاج — دلِ[۵۲] شاں عرش و سجدہ شاں معراج
ملکِ وحدت بنامِ ایشان ست — بندہ خسرو غلامِ ایشان ست
نامِ من زاں ستودہ کیشاں باد — حشرِ من درمیانِ ایشاں باد

مدح سلطان خلد بزم سدہ علم طوبیٰ قلم علاء الدنیا والدین اعلاہ اللہ علی اعلی علیین

مشتری کوست کار دانِ[۵۳] سپہر — دوش سوئے من آمد از سرِ مہر
گفت کاے از ضمیر دریا کار — گشتہ بازارگانِ دریا بار
زاتشِ طبع یافتہ جاوید — روز بازارِ گرم چوں خورشید
آمدم تا ز درجِ دُرِّ ثمیں — سوئے گردوں برم متاعِ زمیں
گوہرے دہ[۵۴] کہ چرخ تاب[۵۵] بود — در خورِ گوشِ آفتاب بود
کاں گہرہا کہ آسماں تاب ست — کہنہ دخورد و زرد و بی آب ست
گفتمش کاں گہر کہ کردی یاد — دہمت گر بہا توانی داد
گفت گر نبودم بہا داری — ہست دیدار را یگاں باری

---

۵۱ رواق بالکسر و بالضم معنی خانہ و پردہ اینجا مراد فلک چہارم ۵۲ اشارہ بایں ہر دو حدیث شریف ست
(۱) قلب المومنین عرش اللہ (۲) الصلوٰۃ معراج المومنین ۱۲ ۵۳ دانندۂ کار اے قاضی فلک ۱۲
ن ۴ جب = را ۵۵ ترکیب مقلوب فاعلے اے تابندۂ چرخ ۱۲

من چو گیرائیش[۱] نظر کردم — حقّهٔ[۲] مهر بسته بر کردم[۳]
وانگهی ریختم بروں زنهاں — گوهرِ مدح بادشاهِ جهاں
جمِ ثانی علاء دنیا و دیں — آسماں تاج[۴] و آفتاب نگیں
بادشاهِ جهاں محمد شاه — سائبانِ جهاں ز چتر سیاه
مه سپهرِ منوّرش خوانده — دیں علاء مصوّرش خوانده
شاهِ دیهیم بخش و تاج ستاں — از عرب تا عجم خراج ستاں
علمش سر بر آسماں سوده[۵] — سایه بر آفتاب بگشوده
دور باش وی از صفِ منصور — شمع خورشید را زبانهٔ نور
او چو گردوں مظفر از شمشیر — ابلق روزگارش اندر زیر
آفتابی طلوع کرده ز شرق — غرب را بسته به تیغ چو برق
ظلِّ چترش پناهِ اهلِ زمان — بانگِ کوسش ندائے امن و اماں
تیغش ار بر کهِ سلیم[۶] شده — کوه چون آسیا دو نیم شده
زد بیک چاشنی تیغ چو آب — فتنه در خوابِ فت مست و خراب
مهرش از آسماں ربوده کلاه — پرچمِ او شده محاسنِ ماه

---

[۱] گیرائی معنی رغبت و خواهش ۱۲ [۲] ج = حقه را [۳] بر کردم اے برداشتم ۱۲
[۴] بحجر = خاتم [۵] بجح = برده [۶] سجحب = گسترده
[۶] سلیم صفت کوه است و ار بمعنی اگر ۱۲

تیغ در محشر که خصم را سود ند — ماءِ مسکوب[۵۱] و ظلّ ممدود اند
نوکِ پیکانش در مقام ہنر — بردہ داغِ کلف ز روے قمر
فتح با تیغِ ملک گیرش باد — جانِ دشمن شکارِ تیرش باد

در فشانیِ لبِ مادح بر نطعِ انبساطِ زمین بوس جنابِ رفعت سلطانی

اے جہاں در پناہِ دولتِ تو — آسماں بارگاہِ صولتِ تو
ہفت اختر کہ خاکِ راہِ تو اند — سایہ پرورد بارگاہِ تو اند
خاک پایت ز اوجِ کونینے — یافتہ قربِ[۵۲] قرۃ العینے
بر درت خسروان ز غرب و ز شرق — ہمہ اصلع[۵۳] شدہ ز سودنِ فرق
آستانت کز و ست انورِ چشم — گشت[۵۴] نور از سیاہیِ ہر چشم
بسکہ قصرت شدہ بگردوں تنگ — آمدہ پاے[۵۵] آسماں بر سنگ[۵۶]
آفتاب از جبینت[۵۷] شد مستور — گرچہ او گرد کرد چنداں نور
ابر با آں ہمہ ز بردستی — کردہ در پیشِ دستِ تو پستی
دادہ دریا کفِ تو در بہوش[۵۸] — کفِ دریا چہ داد مشتے خس

---

۵۱ ماءِ مسکوب آب جاری کردہ شدہ و ظلِّ ممدود سایہ کشیدہ اشارہ است بمضمون آیتہ کہ در صفت جنت بسورۂ واقعہ نازل شدہ پس تیغ ممدوح باعتبار آبداری از ماءِ مسکوب و چتر ش را از ظلِّ ممدود استعارہ آوردہ ۱۲ ۵۲ عجب = شغل
۵۳ اصلع (گنجہ) شوکت ۱۲ ۵۴ رح = بست ۵۵ پاے برسنگ آمدن عاجز شدن۔ شوکت ۱۲ ۵۶ رعجب = در
۵۷ عجب = رخت شدہ ۱۲ ۵۸ یک = ایں ۵۹ یعنی کف تو کہ دریاست اہل ہوس را در محسب ہوس خاں بخشیدہ ۱۲

آب باری توزاں کفِ چو سحاب — ابر بارد و لے سوارک[۵۱] آب
سایۂ مہرِ تو شکستہ[۵۲] پناہ — ذیلِ عفو تو پردہ پوشِ گناہ
مہد[۵۳] گردوں کہ ذوالامانت خواند — مہدیٔ آخرالزمانت خواند
عدل سرمایہ تاج و تختِ ترا — چرخ بازیچہ طفلِ بختِ ترا
شحنۂ عدلت از رعایت خویش — گرگ را دادہ آشتی بامیش
رزم و بزمِ تو بسکہ در کارست — دولتت مست[۵۴] و بختت بیدارست
چوں خدایت سریرِ شاہی داد — ملکت ازماہ تا بماہی داد
کوش کآسودہ داری از شاہی — عالمے را زماہ تا ماہی
برستمکش ز عدل کم نہ کنی — برستمگار جز ستم نہ کنی
خار بن را برافگنی ز گذر — خار کن را کنی نہال ز سر
چوں بہ پیلاں علف دہی حالی — از غمِ مور دل مکن خالی
عالم آسودہ کن ز نعمت وجود — تا تو خوش باشی و خدا[۵۵] خوشنود
چوں بخاصاں دہی نوالہ و جام — ق — کام شاں خوش کنی بنعمت و کام
یاد کن زاں گدائے بے توشہ — کہ شب افتد گرسنہ در گوشہ

---

۵۱ یعنی سواران آب ست کہ حباب و موجۂ آب باشد ۱۲ ۵۲ شکستہ پناہ اضافت مقلوب یعنی پناہ شکستگاں ۱۲ ۵۳ ح = مہر ۵۴ دولت تو مست اُفتادہ است پس از غایت مستی یارائے رفتن جائے دیگر ندارد و بخت تو ہشیار ست پس پاسبانی او می کند ۱۲
۵۵ ح = جہاں ۱۲

کت چو فردا شمارِ کار کنند | اوّل از مفلساں شمار کنند
بیغمی باید ت بعالمِ ملک | غمِ عالم خورد مخوز غمِ ملک
تا چو عزمی بود لوا سے ترا | عالمے غم خورد برا سے ترا
شہ جہانگیری از سوار[1] کند | شیرِ[2] بیدست و پا چہ کار کند
مردم از بہرِ آں شود ز سراں | کہ کند کار سازیِ دگراں
خدمت از بہرِ بخششِ کرم ست | ورنہ یک تن ز دیگرے[3] چہ کم ست
تا توانی بدین و داد گرا سے | کہ بود ملک زیں دو پایہ بپا سے
بندہ در خوں کند چو دامن چست | وئیت از پادشاہ باید جست
پیل چوں مور را تہِ[4] پا سود | پرسش از پیلبانش خواہد بود
گرچہ در سدِّ آہنی معصوم | مشو ایمن ز ناوکِ مظلوم
گرچہ بینی بگردِ خود صد دوست | زاں یکے دشمنت بود در پوست
ورچہ کس نیست دشمنِ تنِ تو | غفلتِ تو بس ست دشمنِ تو
آں چناں دار پاسِ جانِ عزیز | کہ تو خوش خسپی و ولایت نیز
ورچہ صد پاسباں بوند از پس | پاسِ تو بہ ز تو ندارد کس
برچنیں پایہ کا ستواریِ تست | پاسبانِ تو ہوشیاریِ تست

---

[1] سوار مقابل پیادہ و اینجا بمعنی لشکر آمدہ ۱۲
[2] ر س حجب = سرِ بے دست و پا
[3] حجب = دیگراں
[4] حجب = بہ پاے بسود

پاسبانی کہ بہر مزد بود — پاسباں نے کہ سیم دزد بود
چوں درآئی بصفِ تیغ زناں — از تزلزل کشیدہ دار عناں
لشکرے کز عدو فرار کند — چوں بسلطاں رسد قرار کند
لیکن ار شہ نعوذ باللہ تافت — کی فراہم شود صفے کہ شگافت
شاہ کوہے بود بسنگِ وقار — جنبش کہ قیامت آرد بار
گرچہ برنا[۵۲] بزرم کار گرست — کوششِ کار[۵۳] دیدگان دگرست
در صفِ رزم باجواناں پوے — لیک تدبیرِ آں بپیراں جوے
من کیم تا زنم[۵۴] ز پند نفس — دولت و بخت پند گوی تو بس
ہست بیدار کردنِ بیدار — ہمچو باراں بروے دریا بار
نسزد چرب کردنِ بادام — نے حلاوت بشیرہ دادنِ ام
لیکن آرد بحضرتِ شاہی — ہر کسے قدرِ خود ہوا خواہی
گر پذیری مرا خود احسان ست — ور گذاری خود از در آسان ست[۵۵]
نزد[۵۶] ایں تحفہ عرض پیشِ سریر — تو کریمی کرم کن و بپذیر
باش تا ہست چرخ زنگاری — در جہانگیری و جہانداری
زآرزو صد نوید در گوشت — وآرزو ہا ہمہ در آغوشت

---

[۵۲] برس = او [۵۳] بجربہ داں ۱۲ [۵۴] حجب = کت زنم
[۵۵] حجب = سزاے من آں ست [۵۶] نزد مخفف نیارزد ۱۲

دولتت را زکامرانی نور — گردِ ناکامی از جنابِ تو دور
بختِ نیکو همیشه یارِ تو باد — ایزدا از بدنگاه دارِ تو باد

در سببِ بنیاد نهادنِ هشت بهشت اصحابِ ہمیں

و روی نسیم مدام نوشیں وسقٰھم ربھم شرابًا طھورًا

شبے از روزِ بے غمی خوشتر — وقتے از نوبہار دلکش تر
ہفت[۵۱] و نہ کردہ ماہِ چاردہ روز — ماہتابی شدہ جہاں افروز
برگشادہ ہوای نورانی — آسماں را گرہ ز پیشانی
زحمت[۵۲] از باغ بردہ بادِ خزاں — بادِ نوروز نرم نرم وزاں
گل ز شبنم پر از نسیم شدہ — پردہ دارِ دُرِ یتیم شدہ
جنبشِ بادہائے مشک سرشت — باز کردہ دریچہائے بہشت
من در احرام کعبۂ دلِ خویش — نخل[۵۳] بر دست چاہِ زمزم پیش
نخلِ من چوں مسیح در گفتار — حاملِ بادگشتہ مریم وار
گشتہ کلکم کلیدِ سینۂ من — داد بیروں ہمہ خزینۂ من
در گریباں فرو درفتہ سرم — پُر گہر گشتہ دامنِ ہنرم

---

۵۱ ہفت و نہ کردن یعنی آرایش تمام کردن ست کہ ہندیاں آنرا سولہ سنگار گویند ۱۲

۵۲ یعنی موسم بہار بود ۱۲ ۵۳ یعنی قلم در دست داشتم و دوات در پیش ۱۲

فکرتم در گرفتہ پنہانے — گنج پاشے و گوہر افشانے
خاطرِ من بگوہر افشاندن — و آفرینش بآفرین خواندن
اوج پرگشتہ ببلانِ ضمیر — کردِ ستم زار غونِ صریر[۱]
ہر نوردی کہ می کشادم باز — می کشیدم ہزار نکتۂ راز
گشتہ زان نکتہا نے نورآگیں[۲] — روی کاغذ نگار خانۂ چیں
نفسِ روح پرورِ نغزم — بادِ نخوت دمید در مغزم
خامہ می گفت کز سوادِ ہنر — بعطارد فرو نیارم سر
دل متاعِ گزیدہ می فشاند — مشتری رازِ آسماں می خواند
من بدینساں بطبعِ گوہر زائے — بسخن نکتہ بند و عقدہ کشائے
کامدآں ہمنشینِ جانیِ من — ناقۂ سکۂ معانیِ من
ہم علی نام و ہم بہ بینائی — چوں علی در کشای دانائی
جبہہ از اختر خرد پُر نور — طرفہ روئے[۳] کہ چشمِ بد زو دُور
سینہ زاندیشہ چوں خزینۂ پُر — نکتہ بر نکتہ چوں علاقۂ دُر
آدمی صورت و فرشتہ خوے — صورتِ مردمیش روبا روے
چوں مرا باز[۴] یافت پیشانی — در گہر سنجی و زر افشانی

---

[۱] ر = صفیر [۲] ج = مشک [۳] سجب = نورے

[۴] سجب = یاریافت پنہانی [۵] ح = سخن

گفت کای جادوی طلسم انگیز — موشگاف از زبانِ خامۂ تیز
چوں شود خامۂ تو در تحریر — جاں برقص آید از نوای صریر
گاہِ فکرت چو خوی کند رویت — صد عطارد چکد ز ہر مُویت
از ہنرہائے بیش زاندازہ — در فسونگندی بعالم آوازہ
بردی اندیشہ را علم جائے — کہ نگنجد بوہمِ دانائے
زاں معانی کہ راہ در جاں یافت — بیش زاں یافتے کہ بتواں یافت
ہر یکے رقعہ را کہ کردی نشر — دوختی دامنش[1] بدامنِ حشر
ہر جریدہ کہ ساز کردۂ تست — دَرے از لطف باز کردۂ تست
سکّۂ معنی از چہار[2] رسواد — کردی آراستہ جوسیع[3] شداد
چوں بعنوان پنجم آمد حرف — تا چہ گنجینہ کرد خواہی صرف
دادی اوّل بگنبد دوّار — روشنائی ز مطلع الانوار
کردی آں گاہ با نشاطِ تمام — شہد خسرو و شیریں اندر جام
باز در عالم خردمندی — شورِ مجنوں و لیلیٰ افگندی
پس وہاں پُر دریدہ دَرے کردی — شرحِ رازِ سکندری کردی
وین زماں کز جواہرِ انجم — می نگاری صحیفۂ پنجم

---

[1] ۱۰ جب = جیب او
[2] یعنی چہار کتاب ۱۲
[3] ہفت آسمان محکم ۱۲

کوش کیں خطّ[۱] چنان نگاری چست — کہ فزوں آید از چہار نخست
کاوّلین[۲] نکتہ[۳] گرچہ چست بود — آخریں بہتر از نخست بود
مرد ہر پیشہ را کہ بیش کند — زاں نکوتر بود کہ پیش کند
حرفِ طفلانِ زیرک از کہ و مہ — پنجشنبہ بہ آمد از شنبہ
گرسیِ کشِ درد و گرسازد — ہرچہ پستر لطیف تر سازد
من کزو کردم ایں فسانہ بگوش — آمد از غیب[۴] تم درونہ بجوش
دل نہادم بہمّتِ والا — کآرم از سینہ بولوی لالا
برکشادم خزینہ خانۂ راز — گشتم از نوکِ خامہ گنج انداز
پاسے از شب ز خاطرِ چو چراغ — کردم اندر دلِ عطارد داغ
از سخنہاے چوں دُرِ ناسفت — آں قدر گفتہ شد کہ نتواں گفت
پس ازیں با دلِ ہمہ پیشہ — من و مغبچۂ[۵] واندیشہ
ایں ورق را چناں کنم تحریر — کہ نیا بیش در زمانہ نظیر
وز طریقِ سخن سرائے کہن[۶] — ہرچہ دیدم دقیقہ ہاے سخن
کنم اوّل بحرف[۷] ہاے غریب — نکتہ ہاے کتاب را ترتیب
دلِ پاک منش[۸] مبستورے — ساخت دستورِ من[۹] مبستورے

---

[۱] ذہب = را [۲] ر = اوّلین [۳] س = نسخہ [۴] ج = غیر تم
[۵] بروزن قبیلہ گوشہ وخلوت ۱۲ [۶] مراد از نظامی رح ۱۲ [۷] ج = واوم [۸] ج = طرحہاے
[۹] ضمیر شین راجع بسوے مثنوی ہفت پیکر ۱۲

حقّہ بگشادم و شکر دیدم — چاشنی[۵۱] را نمونہ برچیدم

جرعۂ را کہ عقل چید از وے — ہمہ ریزم دریں خرابۂ مے

آں مؤدارِ ہفت پیکرِ او — دیں برآئینِ ہفت زیورِ او

داں بہر گنبدے بہ مجلس و جام — عیشِ خوبان و عشرتِ بہرام

یک بیک را نمونہ برسازم — زدِ نو بر بساطِ نو بازم

نمطِ رنگ ہائے گنبد نیز[۲] — سازِ دیگر برآرم از تمتیز[۳]

رنگے آرم کہ بوی ہم باشد — وانچناں رنگ و بوی کم باشد

ہر مثالے بعنبر افشانے — صندلے و بنفشہ و ریحانے

وآنکہ زرد ست و زعفرانی فام — کمنش رنگِ زعفرانی نام

آنکہ باشد سیاہ رنگیں نیز — خوانش عنبریں و مشکیں نیز

وانکہ سرخ و سپید پنداری — ایں ست کافوریٔ آں ست گلناری

گویم افسانہائے طبع افزائے — از لبِ لعبتِ فسانہ سرائے

ہر فسانہ صراحیِ ز شراب — دَور مستی و بلکہ دار و خواب

ہر یکے را بہشت نام کنم — حور و کوثر در و تمام کنم

ہفت باشد بہشت و گوہر ہفت — ہشتم آں کاندرو بود ہر ہفت

پس نویسم ز کلکِ مشک سرشت — نام ایں ہشت خانہ ہشت بہشت

---

۵۱ یعنی چاشنی کلام نظامی را نمونہ خود کردم ۱۲ ۲ سن = پور ۳ سن = شانِ ۴ سن = تنبور

تا کسے کاندر و گذر یابد — بے قیامت بہشت دریابد
خود برآں دل کہ خازنِ ہنرست — ہر بہشتے قیامتِ دگرست
گر بود نافذِ خزانۂ راز — داند اندیشۂ مرا پرواز
ورز دانش نباشدش پیوند — ہم بافسانہ شود خرسند
چوں من از خاطرِ سخن پرداز — کردم آغاز ایں صحیفۂ راز
زیورش کز من آید آں پرداخت — سازمش آنچناں کہ باید ساخت
واں دگر زیورے کہ نتواں داد — آں خدائی بود خداش دہاد

نصیحت فرزند بہشتی ثمرۃ الفواد عفیفہ دام عفافہا

اے ز عفت فگندہ برقعِ نور — ہم عفیفہ بنام و ہم مستور
سالت از ہفت بر نرفتہ ہنوز — روشنی ہمچو ماہِ چاردہ روز
کاشکش ماہِ تو ہم بچہ بودی — در رحم طفلِ ہشت مہ بودی
لیک چوں دادۂ خدائی راست — با خداداد گاں ستیزہ خطاست
من پذیرفتم انچہ یزداں داد — کانچہ او داد باز نتواں داد
شکر گویم ہر انچہ از در اوست — کاں دہد بندہ را کہ در خور اوست

لا جب = ہفت — لا ح = کراست — ۵۳ باز نتواں داد یعنی رد نتواں کرد
لا د جب = بہرچہ — لا ۵ دس جب = خدائے

هر چه او داد بس پسندیده است — هم در اوّل صلاحِ آن دیده است
پدرم هم ز مادر است آخر — مادرم نیز دختر است آخر
گر نه بر دُرِ صدف نقاب شدی — قطرهٔ آب باز آب شدی
دانه بے کشت کے ببار آید — آسمان بے زمیں چه کار آید
بے پدر ممکن ست شد معلوم — چوں مسیحا ز مریمِ معصوم
لیک بے مادرِ خجسته وجود — ولدے را نگفت کس مولود
اے تنت را بجانِ من پیوند — کہ همم[1] مادرے و هم فرزند
تو بدیں پایه کز قضا داری — گر نهی پا بدیده جا داری
سر بر آر از مبارک اخترِ خویش — کہ مبارک تری ز جوهرِ خویش
انچه نفسِ تو با صلاحِ تن ست — چوں تو خونِ منی صلاحِ من ست
گرچه خُردی کنوں و بے تمیز[2] — روزے آخر بزرگ گردی نیز
تا بود در بزرگیت دستور — خورده[3] چند گویمت مستور
از عروسی شوی چو در خورِ تخت — عصمتت خواهم[4] اوّل آنگه بخت
از منت آنکه اوّلیں پند ست — جهد بر طاعتِ خداوند ست
تا توانی خدا پرستی کن — وز نیاز خدائے مستی کن

---

[1] ر = توهم
[2] نافهم ۱۲
[3] نکتهٔ باریک ۱۲
[4] جب = نکتهٔ
[5] جب = بیش خواهم

بایدت ہمچو دیدہ عزت و تاب | باش چوں[۵۱] چشم خویش در محراب
نیکنامی طلب کنی در پوست | پارسا باش پارسائی دوست
گیرمت سلک گوہری نہ بود | بہ ز تسبیح زیورے نہ بود
پاک تن باش ہمچو آبِ سپہر | بلکہ پاکیزہ تر ز چشمۂ مہر
تا شوی[۵۲] ہمچو مہر در ہر سوے | از پس چار پردہ روشن روے
کوش کز کشتنِ جوانیِ خویش | مردہ باشی بزندگانیِ خویش
تا من از زندگانیِ تو بہ را ز | از پسِ[۵۳] مرگ زندہ گردم باز
زن[۵۴] چناں بہ کہ مرد روے بود | تا زناں را بہ پردہ شوے بود
زن اگر مرد مرد تدبیر ست | سوزن و دوک[۵۵] نیزہ و تیر ست
گرچہ[۵۶] زر باشدش فراخ نہ تنگ | تا نداری ز دوک و سوزن ننگ
دوک و سوزن گذاشتن نہ فن ست | کآلتِ پردہ پوشیِ بدن ست
پا بدامانِ عافیت در کن | رو بدیوار و پشت بر در کن

---

[۵۱] یعنی چنانکہ چشم بمحراب ابروست تو خود را بمحراب عبادت بدار ۱۲

[۵۲] حجب ۔ بوے

[۵۳] اے نام من بسبب اوصاف حمیدۂ تو دوبارہ زندہ گردد ۱۲

[۵۴] اے آن زن بہترین زناں ست کہ در جوہر انسانیت بہر نوع کامل بود تا دیگر زناں را کہ از وے فرو تر باشند معلم اندرون خانہ باشد چنانکہ زوج از روے تمیز و ہنرمندی معلم زوجہ باشد ۱۲

[۵۵] دوک آہنِ دراز کہ آں را بہندی تکلہ نامند ۱۲ [۵۶] سجب ۔ گرچہ زر باشدت فراخ بچنگ

راهِ درکم کن ازدرونِ سرائے — درمثلِ خضر درزند مکشائے

تاسرت ازشرف بماه شود — مقنعت افسر وکلاه شود

زن که ازشرم خوکند بسرا — ستر[۵۱] هائی ستارها قمرا

گوشه گیران ستوده نام بوند — کوچه گردان فراخ گام بوند

زن که درکوچه ها بتنگ باشد — زن نباشد که ماده سگ باشد

کم دود ماده شیرِ خون آشام — گربه باشد جهنده بام ببام

کبکِ پنهان خرام را بوطن — حجره باید چو بیضه بے روزن

زن که در رفتنش شتاب بود — برفتد گرچه آفتاب بود

روزن ار خود چو چشمِ سوزنِ تست — داں که راهِ بروں شدِ تنِ تست[۵۲]

در تماشای روزنت هوس ست — روزنت چشمِ سوزنِ تو بس ست

پُرگهر بایدت خزانهٔ خویش — باش با ننگِ[۵۳] خود بخانهٔ خویش

گرچه گوهر ز سنگ نیک ترست — سنگِ مردم نکوتر از گهرست

نفسِ مردم چو یاوه گرد بود — نیک زن بهر ز نیک مرد بود

مرد کردارِ خوب را سبب ست — خوب کرداری ز زناں عجب ست

لا اسجب = برسرت کلاه شود ۵۱ یعنی در پرده پوشیده شدنِ او همچو ماه پسندیده است ۱۲

۵۲ شدِ تن تست اے شدن تن تست ومعنی بیت اینکه روزن خانه اگرچه مانند روزن سوزن باشد تاهم آن روزن را کمتر قیاس کنن آنقدر هم راه بروں شدن تنِ تست اے رسوا شدن ترا بس است ۱۲

۵۳ با ننگ خود شدن باوقار خود ماندن ۱۲ ۵۴ شدنِ رونش

تلخ گوید ارچہ نوش لبان — تا نگیری ترنّم جلبان[۵۱]
با دپیچ[۵۲] و دنے[۵۳] کہ لعبِ زن ست — بروے ایں چنیں ست آں سن ست
دفِ شاں بے ہرا ہنِ دشمن و دوست — فتنہ را بانگ می کند در پوست
آنکہ اوّل سرود سادہ بود — در نہایت صلاے بادہ بود
ذاتِ بے جفت بایدت بہ نفت — با ہمہ طاق باش جز با جفت
بوفا با حلال یاری کُن — نعمتش را حلال خواری کُن
از عروساں خزینہ داری بہ — راست گوئی و راستکاری بہ
خازنے کو بدزدی آرد روے — دزد گویش خزینہ دار مگوے
مرد اگر یک قراضہ[۵۴] کار کند — زن بکد بانوی ہزار کند
چوں زشوخرج زن فزوں باشد — حالِ سامانِ خانہ چوں باشد
ہر زنے کز سخاوتش فردی ست — ناجواں مردیش جواں مردی ست
دلِ نگہبانِ زخت باید داشت — گرہِ خویش سخت باید داشت
در زن آرد دو فتنہ رسوائی — سیم پاشی و پیکر آرائی
گرہِ نقد را چو داری سُست — دست از آبرو بباید شُست
بس عروساں کہ فتنہ جوی شدند — از سفیدہ[۵۵] سیاہ روے شدند

---

۵۱ ترنّم بمعنی سرائیدن۔ سرود بمعنی جلبان زن بدکار ۱۲ ۵۲ جھولا ۱۲
۵۳ س = دار سیخ و دنے کہ گرد۔ ۵۴ قراضہ بمعنی ریزۂ زر و سیم مستعمل ۱۲
۵۵ غازہ یعنی پوڈر ۱۲

سرخیِ بدزرو بباید شست — سُرخیِ روت سرخروئی تست
چوں شدی بہر ہفت و نہ در بیخ — نقد عصمت فتاد در شش و پنج
خال شبرنگ کز فنا دکشی ست — ہمچو خالِ سفید بر حبشی ست
خال چوں نقطۂ گیاہ شود — ہم بیک نقطہ روسیاہ شود
خالِ بد بر رخ ست داغِ ہلاک — خال بر جبہہ نہ ز سجدۂ پاک
اگر آئینہ بایدت در پیش — پیش نہ آئینہ ز زانوئے خویش
وگرت شانہ باید اندر مشت — شانہ مشت کن ز شانۂ پشت
ایں ہمہ فتنہا کہ ہست وبال — بارضائے حلال ہست حلال
ور حلالِ تو ہست بے پرہیز — در حرم خانۂ خدائے گریز
در ہمہ کار و بار در ہمہ جائے — مُشرفِ حالِ خود شناس خدائے
گر خدایت کند بعصمت شاد — بدعائے کُنی ز خر ویاد
آنچہ من دیدمت صلاح در آں — کردمت پردہ پوشیِ پدراں
وانچہ موقوفِ جہد کردنِ تست — تو کن آنرا کہ آنْ بگردنِ تست
یار بت رہ سوئے رہائی باد — بارہا بندہ آشنائی باد

لہ ب = سرخ روئیت ۔ ۵۲ مراد از آرایش تمام باشد کہ آنرا ہندی سولہ سنگار نامند ۱۲
لہ ب = نہادہ ۔ لہ جب = کار
لہ جب بہم

صفتِ دلارام کہ سرشتہ گیسوی مشکین و تعلق بہ چنیں دا
دوست بازی بہرام با آں کمندِ صید گیر در شکار و نخچیر کردنِ
گوراں و گرما گرم داغ بر رانِ ایشاں نہادن

گنج پیمایِ ایں خزانۂ پُر — از خزانہ چنیں کشاید دُر
کآفتابِ جمالِ بہرامی — چوں شد از نور در جہاں نامی
پدرش رخت زندگانی بست — او بجایِ پدر تخت نشست
خسروی رانشانِ کار گرفت — کارِ عالم بدو قرار گرفت
سرکشاں را ز تیغ مالش داد — سرِ شاں را بخاک بالش داد
مخلصاں را ز مہربانیِ خویش — کرد سرمستِ دوستگانیِ خویش
شرق و غربِ جہاں نماند کسے — کز خلافِ رضاش زد نفسے
وانکہ رُو در خلافِ رایش کرد — سرِ خود را نثارِ پایش کرد
بر رعیت فگندہ سایۂ جود — کز جہاں کس نماند ناخشنود
زاں منوارِ عدل در ہمہ چیز — شہری آسودہ روستائی نیز
آنچناں ضبط شد ممالکِ خاک — کز ستم گشت روی گیتی پاک

لہ نجب = برو۔ لہ ۲ حر = بتیغ لہ ۳ پیالہ نوبت خویش کہ از راہ محبت و اخلاص
بدیگرے دہند و در سراج اللغات نوشتہ پیالہ پُر از شراب کہ دوستاں بدوستاں دہند کہ بیاد فلاں بخور ۱۲
لہ ۴ س = در۔

گشت زانگونہ کارِ عدل بزرگ — کایمنی یافت گوسپند از گرگ
سرِ موی کجی ز دہر نخاست — چوں سری کو بشانہ گردد راست
چوں بدیں گونہ ضبط گشت جہاں — رفت در خاک بادِ کج کلہاں
شہ طلب کرد استواراں را — نیک رایان و راستکاراں را
ہر کرا دید در خرد بیشی — داد با شغلِ دولتش خویشی
کار دلے[۱] نشد بروے زمیں — جز خردمند راستکار و امیں
عہدہ ملک چوں بدیناں[۲] ست — خود بفارغ دلی بیادہ نشست
عیش میکرد و کامِ دل میراند — بادہ می خورد و گنج می افشاند
چوں بیادہ صلای عام زدے — خلق بر زرِ پختہ گام زدے
مجلس آراستی زناموراں — صف زدندی ز ہر کرانہ سراں[۵۳]
گہ بقولِ ندیم دادی ہوش — گاہ پندِ حکیم کردی گوش
جستی از مطربانِ چابک دست — آنچہ بی می تواں شد از وی مست[۵۴]
چوں دل اندر ترانۂ دادے — بسرودے خزانۂ دادے
روز تا شب دریں خجستہ شمار — جز زر افشانیش نبودے کار
در بخلوت نشاط فرمودے — خرّم[۵۵] آنکس کہ محرمش بودے

---

[۱] جب = کاردانش ن = کاردارش [۲] ج بجن = برایشاں [۵۳] بمعنی سرداران
[۵۴] مراد از نغمۂ ترکہ بوجد آرد ۱۲ [۵۵] نسمد = فرخ

حاضرِ خدمتش غلامے چند — گشتہ ہمتاش[۱] در کمان و کمند
در خور[۲] مجلس و مصاف ہمہ — ناوک انداز و موشگاف ہمہ
کس نیارست در گہہ و بیگاہ — دُور بودن دمے ز خدمتِ شاہ
خاصہ ترزاں ہمہ کنیزے بود — آفتے[۳] در تہ سپہرِ کبود
اصلش از چین و رُخ چو صورتِ[۴] چین — گیسواش چوں سوادِ چینِ شکین
بسکہ کردے بہر دلے آرام — بدلارمیش برآمد نام
دیدنش کز صلاحِ دوری داد — سینہ را داغِ ناصبوری داد
رنگ و بویش بکار طنّازی — ایں بدل دزدی واں بغمّازی
قامتے در خوشی چو عمرِ دراز — ہوس انگیز تر ز عشقِ مجاز
بر چو نارنجِ نو بشاخ درخت — سخت رُستہ ز صحبتِ دلِ سخت
روی گلرنگ دادہ گل را رنگ — دہنش تنگ با شکر ہم تنگ
سر در آوردہ ابروانش بکار — چوں مقامر[۵] بکعبتین قمار
ہر طرف کا بروی بہ خم کردے — آرزو بیش و ہوش کم کردے
چوں بدنبالِ چشم کردہ نگاہ — بردہ صد رہ روندہ را از راہ
طرّہ را سر زدی بخوں خواری — چشمہاے دژم ز بیمارے

---

[۱] ہمسر ۱۲ [۲] خور یعنی لائق ۱۲ [۳] سرن = آفتابے بزیر چرخ
[۴] صورت یعنی تصویر ۱۲ [۵] مقامر قمار باز و کعبتین پانسہ ۱۲

نرگسش دورباش و غمزہ خدنگ — لعل در آشتی و عشوہ بجنگ
نیم دزدیدہ خندہ زیرلبش — کردہ تعلیم دزدیِ عجبش
سخنِ تلخ در لبش چو نبات — مرگ را دادہ چاشنی ز حیات
لعلِ او کرد بر شکر میرے — شہد را دادہ چاشنی گیرے
خالِ او گو ہزار پردہ درید — عالمے را بکنجدے نخرید
گیسوے پیچ پیچش از سرِ ناز — داد بر دستِ فتنہ رشتہ دراز
تنے از نازکی درونہ فریب — پاے تا سر ہمہ لطافت و زیب
رگ نمودہ برون ز لطفِ بدن — ہمچو رشتہ درونِ دُرِّ عدن
خونش در پوست از تنک سلبی[۱] — ہمچو می در زجاجۂ حلبی
در تماشاش روز و شب بہرام — ہمچو جمشید در نظارۂ جام
رہ سوی صیدگاہ و بیگاہش — آہوئے شیر گیر ہمراہش
داشت میلے تمام در نخچیر — گورِ صد شیر کندہ بود بہ تیر
بود در کارِ تیر پُر ہنرے — کہ نبود از ہنر چناں دگرے
آہنِ تیر چوں محک کردے — خطِ گوراں ز پشت حک کردے
ور ز آہو بُدے نشانۂ او — موئے بشگافتے ز شانۂ او
ور شدے بر نشانہ سخت انداز — رخنہ در کوہِ قاف[۲] کردی باز

---

[۱] جب = سبک [۲] لباس ۱۲ [۳] عجب = نافِ آ

زانش باران تیر محکم بود — که کمانش کمان رستم بود
بیشتر در شکار خوردے مے — خانهٔ زین نشاط خانهٔ وے
بادہ جز با کبابِ شور نخورد — ہیچ خوردے چوران گور نخورد
رغبتش جز بصیدِ گور نبود — باد گر وحشیانش شور نبود
گور چندان فگندے از سرِ شور — کہ شدی پشتہا چو گنبد گور
گرچہ بود[1] از براقِ[2] کوہ گذار — ق صد طویلہ بہر طویلہ ہزار
لیک بود اشقرے[3] گزیدهٔ شاہ — چیرہ تر زابلق سپید[4] و سیاہ
باد پاے کہ چوں بگام شدے — تگ زدن بر صبا حرام شدے
در برآہنگِ تگ بروں جستے — وہم را دست و پاے بربستے
مرغ بود ار چہ پر نبود در و — ماندگی را گذر نبود درو
شاہ خوش کردہ در تہ رانش — دادہ سیّاحیِ[5] بیابانش
چوں بصحراش گرم کردی پشت — گوشِ گوراں گرفتے اندر مشت
بسکہ بد اعتماد بر خویشش — کہ نشد ہیچ وحشی از پیشش
گور گو چند بود نیرو مند — یا بدستش گرفتے یا بکمند

---

[1] ا: عجب = بودش [2] معنی بیت آنکہ از چناں اسپاں سریع السیر کہ کوہ را ہمچو برق گذار میداشتند صد طویلہ میبا بود و در ہر طویلہ ہزار ہزار اسپ ۱۲ [3] ہر شے سرخ کہ رنگش بزردی و سیاہی زند و اسپ سُرنگ را نیز گویند و گاہے بمعنی مطلق اسپ ہم می آید ۱۲
[4] ابلق سپید و سیاہ شب و روز یعنی از ابلق ایام ہم غالب و تیز تر بود ۱۲ [5] ا: با = سبّاحی د = مسّاحی

چون زکشتن ستوه شد رایش ق دل چنان گشت کارفرمایش
که ازان پس به بیشهٔ دُهاموں زاں دہاں بستگاں نریزد خوں
گلهٔ گور کآیدش بنظر ندہد ناوکش خراشِ جگر
زندہ گیرد بزور و بازوی خویش کُندش وزن در ترازوی خویش
بخشد آنگاه زیور نامی ران او را ز داغ بهرامی
چون به توقیعِ خویش کردش خاص دہدش از کمند خویش[۱] خلاص
دل زآزار بے زباناں شست ویں نیت کرد در درون نه درست
بعد ازاں چوں بروں شد از بیشه کم رسیدے رمیده را آزار
بیشتر گورِ خورد سال و جواں ق که رواتر بُدی زبادِ[۲] رواں
در کمندش بحکم بر بستے باز گشتی و شاد بنشستے
گرم بر رانش داغ فرمودے خطّ آزادیش ہماں بودے
گور بر جستے و براه شدے بندهٔ داغدارِ شاه شدے
چرخ زاں گور گیری بهرام گورخانِ زمانه کردش نام
از بسے گورکاں نشانے یافت[۳] عالمے داغِ گورخانی یافت[۴]
تا دریں کهنه گورخانه بست گورخاں هم ز داغ گور نرست

---

[۱] جب = فتنه [۲] ج = غصه [۳] جب = آبِ
[۴] جب = داشت

گیتی راندنِ بہرامِ شیر گیر با دل آرام در پرخیر و ہنرمون

بہرام بر آہو بہ تیر و جہاں گرفتن بہرام و غزالہ خود را آہو گرفتن و در بیاباں گذاشتن

بامداداں کہ ایں غزالۂ[۵۱] نور — مشکِ شب را نہفت در کافور
شاہِ بہرام ہم بعادت خویش — تو سنانِ شکار جست بہ پیش
اشقرے خاص زیر ران آورد — لرزہ در بادِ مہرگاں آورد
نازنیں را بہم رکیبی خویش — کرد ہمرہ زناشکیبی خویش
شاہِ بہرام ترکِ بہرامی — کرد صیدش بصید دلآرامی
ہر دو پویہ زناں براہ شدند — صید جویاں بصید گاہ شدند
تگ زناں میشدند گشت بگشت — آہواں میزدند دشت بدشت
شاہ برزہ نہاد تیر بوزن[۵۲] — می کشانید شیر راز گوزن
زیں میاں ناگہ از کرانۂ دشت — آہوے چند پیشِ شاہ گذشت
گفت با شہ غزال شیر انداز — کاہو آمد بسوے شیر فراز
ہر یکے راز تو چناں جویم — کآنچناں افگنے کہ من گویم
گرچہ تیرت بحکم پُر ہنرست — آنکہ حکمی ست حکمِ آں دگرست

---

۵۱ مراد از آفتاب ۱۲ ۵۲ تیر بوزن نہادن نشانہ سنجیدن ۱۲

زاں دلیری کہ کرد ماہ تمام ق گفت با او بزیر کی بہرام
کہ لبِ شیر چوں بخندد دیر کے کند آہو آزمایش شیر
لیک چوں پیشۂ من آمد تیر مرد را کے بود ز پیشہ گزیر
باز گوتا زنم بدانائی ہر یکے را چنانکہ فرمائی
سیم برہم برخصت شاہی ق گفت کایں خواہش از زمن خواہی
ناوکے زن برآہوے سادہ کہ شود مادہ نر نرش مادہ
شاہ دریافت خوردہ دانی او تاخت مرکب بہم عنانی او
بخدنگے دو شاخِ آہوی نر بر دو زانگونہ کو نداشت خبر
ضربت بر فرق او بدانساں راند کہ ازاں تا بمادہ فرق نماند
کارِ نر چوں بمادگی انداخت سوے مادہ کہ نر کند درتاخت
دو یک انداز را بہم پیوست پس برآہو روانہ کرد نخست
ہر دو در سر خناں نشاندش غرق کہ دو شاخش پدید کرد بفرق
زاں دو شرطِ ہنر کہ درخور کرد کرد نر مادہ۔ مادہ را نر کرد
کرد چوں خواہش صنم تمہ راست ازوی انصافِ آں ہنر درخواست
پاسخش داد ماہِ نوش لباں ق کای کمانِ تو عقد بند زباں

لا جب = تیرگی لا ح = طیرگی لا رح = چوبہ لا یک انداز آنرا گویند کہ دو تیر از یک کمان یکبارگی زند ۱۲
لا جب = گشت لا جب = را لا ح = کمال
لا کمان تو عقد بند زبان ست یعنی زبان صفتِ کمانِ تو کردن نمی تواند ۱۲

ایں ہنر قدرتِ خداوندی — جادوے بود نی ہنرمندی
کلکِ تیرت براستی آں کرد — کہ باندیشہ راست نتواں کرد
لیک آنجا کہ راست اندیشی ست — دستہا راز دستہا بیشی ست
بیں کہ تا نفگنی ز بینش بیش — بینشِ خویش را ز بینش خویش
کانچہ زیں کردہات نغز نمود — نیز زاں نغز تر تواند بود
شاہ را تیرہ کرد گفتارش — زعفراں گشت رنگِ گلنارش
جوشِ صفراش تلخ[1] کرد دروں — ریخت تلخی بزہر خند بروں
سرکۂ ابرواش زبس تُندی — داد دندانِ لطف را کندی
گفت کای درخور جفا بدی — ایں چہ گستاخی ست و بیخردی
شیر گیری ببیں[2] کہ در نخچیر — گشتی از شیر شرزہ آہو گیر
منکہ کارم ہمہ منونہ بود — دیگرے بہ ز من چگونہ بود
ور بہ نزدت بہ از من ست کسے — نزدِ او رو کہ چوں من ست بسے
ایں سخن گفت و پے بکیں افشرد — او فگندش ز زین و مرکب برد
شہ شد و نازنیں برنج بماند — اژدہا برگذشت و گنج بماند
پادشہاں ہرچہ بر خلافِ رضاست — نتواں گفت گرچہ پادشہ راست
ہرکہ شد راست گو بدادِ رخویش — زد بہ تیغ زبانِ خود سرِ خویش

---

[1] ن = تیرہ [2] راجب = نگر [3] اس = کمن

ماند بے خویشتن صنم تا دیر — تشنہ و غرقِ آب و از جاں سیر

پس بصد خستگی ز جا برخاست — راہِ صحرا گرفت و میشد راست

بسکہ منزل بدشت و ریواں داشت — سایۂ خویش دیو می پنداشت

بسکہ رہبر سنانِ تیزش بود — موزہ غربالِ خاک[۵۳] بیزش بود

از کفِ پای خارہا سے چو تیر — میگذشتش چو سوزنے ز حریر

پاکہ از برگِ گل نگار بود — چوں شود چوں بروی خار شود

کس نہ ہمراہ و رہنمایش مگر — سایہ در زیر و آفتاب زبر

می نمود اندر آں پریشانی — گفتہ و کردہ را پشیمانی

زاں بساط و دوانِ[۵۴] آہو خای — کردہ بیم و دانش آہو پای

بیم بودش کہ پا شود بطواف — چوں سُمِ آہو از میانہ شگاف

قدرے چوں بریں نمط بشتافت — گذرا اندر سواد دیہے یافت

خانۂ چند و کشت زارے دید — تازہ شد کانچناں بہارے دید

آں دہے بود بر کرانۂ دشت — کآدمی ہیچ زاں طرف نگذشت

مردمانِ چو وحشِ صحرائی — خو گرفتہ در و بہ تنہائی

بے خبر از فسانہاے سپہر — بے گماں از بہانۂ مہ و مہر

لہ رجب = غولاں لہ۲ حجب = غربیل ۵۳ از بسکہ راہ دل آرام بر سر خار و خارا بود
موزۂ پاے او مثل غربال سوراخ سوراخ گشتہ خاک بیزی میکرد ۱۲
۵۴ دواں یعنی درندگاں ۱۲

آمد آں مہ در آں خرابہ بشتاب | ہمچو مہتاب[۵۱] کو فتد بجزاب
در شد اندر کریچ[۵۲] دہقانے | در سفالِ شکستہ ریحانے
بود دہقاں جوانِ آزادہ | ہم ہنرمند و ہم ملک زادہ
کردہ علمِ سہ گانہ[۵۳] را تعلیم | تا یگانہ شدہ بہفت اقلیم
سبقِ حکمت بروم کردہ درست | کز سپہر و زمیں چہ زادہ چہ رست
فیلسوفِ الٰہی از تمیز | در طبیعی و در ریاضی نیز
طرفہ بربط زنی گزیدہ سرود | دستِ او[۵۴] شد چو ابر بر برق برود
باز دانستہ پردہ[۵۵] ہا را راز | مضحک و مبکی و منوم ساز
گوشہ گیرِ جہاں فرشتہ سرشت | مرغ قانع شدہ بدانہ کشت
واقعاتِ زمانہ دیدہ بسے | گرم و سردِ فلک چشیدہ بسے
بسیاحت بسے زمیں دیدہ | دامن از کارِ دہر بر چیدہ
یک بیک زیرِ دستِ خود کردہ | چار ساز و دوازدہ پردہ
بربطش چوں نوا برآوردی | جاں ز تن بردی و در آوردی
چوں نگہ کرد سروِ سیمیں را | روئے گلرنگ و زلفِ مشکیں را

---

۵۱ ایں جا مراد ضیاء مہ یعنی چاندنی باشد ۱۲ ۵۲ کریچ = بہ کسر اوّل یعنی خانہ کہ دہقانان از کاہ و نے سازند بہندی جھونپڑا ۱۲ ۵۳ الٰہی ریاضی طبیعی ہر سہ اقسام حکمت نظریہ ۱۲
۵۴ عجب دست چوں ابر و برق بر سر رود ۵۵ پردہ ہائے موسیقی دوازدہ اند ہر کہ در آنہا کمال دارد سامعین را می تواند کہ خنداند و گریاند و خسپاند ۱۲

ماند[1] حیران که این چه جانور ست — واندریں دشت از کجا گذر ست
این پری از کجا پدید این جا — و پری نیست چون رسید این جا
خاست از جای همچو بادِ رواں — رفت در پیش سرو[2] آزاد جواں
گفت کای چشمِ بد ز روی تو دور — کیستی تو بدین لطافت و نور
ملکی یا پری و یا مردم — خبرے ده که باخبر گردم
صنمِ تنگ دل ز تنگدلی — داد بیروں دمے بصد خجلی
گفت یک یک ز جانِ بی آرام — قصهٔ خویش و غصهٔ بهرام
چوں خردمند یافت آگاهی — کاں درست از خزانهٔ شاهی
گفت آنجا که کارنامه ست — شرفِ من ز نامه ست
چوں تو شائستهٔ خداوندی — من پذیرفتمت بفرزندی
گر قناعت کنی بخشک ترے — حاضر خدمتم بما حضرے
ور دلت راست جانبے پرواز — دل دلِ ست من ندانم[3] باز
صنمش گفت چند گه بارے — خواهم افگند بر درت بارے
چوں بفرزندیت شوم پیوند — پرورش واجب ست بر فرزند
گرچه مهمانِ تو گراں جان ست — نتواں راند نش که مهمان ست
من هم از حق شناسیِ که مراست — عذر حق هائے تو توانم خواست

---

[1] ج = گشت [2] از سرو آزاد مراد دلآرام باشد ۱۲ [3] ج = ندارم

چون بسے دُر زدرج نوش کشاد — شب چراغ دگر ز گوش کشاد
داد بر دست مرد گوہر سنج — گوہرے قیمتش فراواں[1] گنج
خواجہ زاں اخترِ فلک پایہ — بر زمیں در فتاد[2] چوں سایہ
گرچہ بود از شکوہ محترمے — گشت شرمندۂ چنیں کرمے
غرفہ[3] داشت ساخت منزلِ وے — کرد ترتیبِ نقل و میوہ و مے
چوں مزاجش بزیرکی دریافت — در سرش ریخت ہرچہ در سر یافت
ہر ہنر[4] ہا کہ بود حاصلِ او — از دلِ خویش ریخت در دلِ او
کردش اُستادِ کار در ہمہ کار — خاصہ در پردۂ بریشم تار
چند گہ جادوی شد اندر ساز — کہ بکشتے و زندہ کردی باز
چوں نمود آزمونِ کردۂ خویش — خواست[5] بیروں فتد ز پردۂ خویش
حجت از سوی شاہ سست کند — دعوی خویش را درست کند
چوں شدی بادِ صبح نافہ کشای — بر نشستی بر خشِ آہو پاے
بر گلِ تر نقاب بر بستی — سایہ بر آفتاب بر بستی
لالہ را در قبا کشیدی تنگ — سرو را خانہ ساختی ز خدنگ
تیرِ ترکی[6] و کیشِ تاتاری — راست کردی ز بہر خونخواری

---

[1] جب = ہزاراں [2] ح = بوسہ داد [3] یعنی بالاخانہ ۱۲ [4] ح = وز
[5] جب = تاکہ [6] بعد آموختن ہنرہا دلارام خواست کہ خود را ظاہر گرداند و مشہور اطراف واکناف عالم گردد ۱۲ [7] ب = ز

در همه جای گاه و بیگاهش — بر ربطِ عاشقانه همراهش
کشتے آهوی دشت را به ستیز — گه به پیکان و گه بزخمه تیز
همچو[۱] پیکانش[۵۲] زخمه[۵۳] درخون بود — چوبِ او از پلارک[۵۴] افزون بود
زان دهان[۵۵] بستگان بفرمانش — دل ربودی زبانِ پیکانش
ور از انجاے برگرفتی گام — بنوازش گریش کردی رام
برکشیدی نخست نالهٔ زار — تا ربودی ز وحش دشت قرار
همه در پای بوسِ سرِ جوان — آمدندی بپای خویش دوان
سو بسو صف زدندی از کم و بیش — غائب از خویش و حاضر اندر پیش
همه را چون بهم درآوردی — زخمه بر بربط ترآوردی
پس منوّم[۵۶] چنان زدی بصواب — که شدی چشم آهوان در خواب
چون شدندی ز خواب خوش بهوش — باز شان زخمهٔ[۵۷] زدی در گوش
که ازان جسته[۵۸] باز جستندے — رشته[۵۹] بر رشته باز بستندے
این خبر شهره گشت در آفاق — کز جهان جادوی برآمد طاق
کآهو از دشت سوی خود خواند — کشته را باز زنده گرداند

---

۱ ب = همه ۵۲ یعنی پیکان و زخمه دلارام هر دو در خون ریختن برابر بودند ۱۲
۵۳ زخمه هر چیز که بآن سازها نوازند و پلارک بفتح اوّل و چهارم شمشیر و جوهر تیغ و نوعی از فولاد ۱۲
۵۴ مراد از وحشیان صحرائی ۱۲ ۵۵ یعنی نغمهٔ خواب آور ۱۲ ۵۶ ح = جسته
۵۷ یعنی قطار بر قطار ۱۲ ۵۸ ح = رسته نا رسته باز رستندے

دخترے سر بمہرِ دہقان ست — خاتمش در خورِ سلیمان ست
گفتگوی بہر کراں اُفتاد — غلغلے در ہمہ جہاں اُفتاد
ایں عجب کایں بگوشِ گیہاں[۵۱] ماند — ہر کہ در گوش کرد حیراں ماند
از پژوہندگانِ[۵۲] درگاہے — یافت دارای[۵۳] دولت آگاہے
زاں ہوسہا کہ بود در بہرام — زیں خبر در دلش نماند آرام
با مدادان عنان بصحرا داد — سرور[۵۴] را باد و باد را پا داد
چوں تمنای آں تماشا داشت — رفت جای کہ آں تمنا داشت
پیش ازاں رفتہ بود جادوئی مست — چشمِ آہو بجادوی می بست
گفت بہرام کآرزو دارم — کہ ہنرہات پیشِ چشم آرم
ہر متاعے کہ ہست دربارت — عرض کن چوں منم خریدارت
نازنیں را کہ ایں ہمہ دد و دام — بود بہرِ شکنجۂ بہرام
زاں تمنای شہ کہ در خور یافت — جای جولانِ خویشتن دریافت
گشت ہمراہِ شیر گیری شاہ — تازند راہِ آہواں زاں راہ
چوں زد آہو بسے و گور انداخت — لحن آہو نواز را بنواخت
آہوانِ رمیدہ با دلِ[۵۵] خویش — پای کوباں درآمدند بہ پیش

---

۵۱ یعنی دنیا ۱۲ ۵۲ یعنی جاسوسان ۱۲
۵۳ مراد از بہرام گور ۱۲ ۵۴ سرور مراد از قند و باد عبارت از اسپ تیز رو اے براسپ سوار شد و باد را پاداد اے جولان کرد ۱۲ ۵۵ ح = با دل ریش

چوں سوی خویش خواند شاں بسرود — پردهٔ خواب ساز کرد برود
در زماں کآں نفس فرو بردند — همه خفتند گو نیا مردند
چوں دمے دیدها فرو بستند[۱] — ساخت آں زخمهٔ که بر جستند[۲]
زاں نمونه که شرح نتواں داد — زنده را کشت و کشته را جاں داد
دید چوں[۳] شاه سحر مندیِ او — بست[۴] چشمے ز زخم بندیِ او
لیکن آورد هم چو طرّاراں — بر گهر طعنهٔ خریداراں
کایں چنیں ها بسے ست اندر دهر — هر کسے دارد از طلسمے بهر
کاردانی بکشوری نبود — که ازو کاردان تری نبود
در شکر خنده شد بتِ شیریں — گفت آری از آنِ ماهمه ایں
زیرکاں در همه هنر بودند تمام — لیک بهتر زمانه از بهرام
شاه کز ماده نر تواند کرد — به ازاں هیچکس نداند کرد
دانکه از مرده زنده گرداند — آنچناں هر که هست نتواند[۵]
عدل و انصاف ده[۶] اگر دیں ست — هم خود انصاف ده که عدل ایں ست
جوهری[۷] کو گهر فراواں سفت — راست گفت[۸] آنکه راست[۹] نتواں گفت[۱۰]

---

۱ حجب = بهم ۲ حجب = پرده ۳ در = جسته ۴ حر = شه نیز
۵ اے بدل پسندید ۱۲ ۶ بر = بچشم ۷ حجب = بتواند ۸ حجب = اگر ره
۹ مراد از جوهری حکمای باکمال و از گهر سفتن کلمات حکیمانه گفتن ۱۲ ۱۰ ج = است
۱۱ از جمله کلمات حکیمانه یکے این ست که راست نتواں گفت چرا که الحق مرّ و لوکان وُرّا ۱۲
۱۲ ح = بتواں

شاہ آواز آشنا بشناخت — ناوکش را نشانہ از جاں ساخت

دست زد برقع از رخش بربود — رفت گرد از مہ غبار آلود

داد منزل بجانِ مشتاقش — در برآورد چوں بغلطاقش[۵۲]

زد ز عذرِ گناہِ خود نفسے — عذرہاے گذشتہ خواست بسے

پس بصد شادی و دلآرامے — باز بردش بتختِ بہرامے

دل کز آں پیشِ مہرباں بودش — بیش زاں شد کہ پیش زاں بودش

زاں ہنر کز دو سوئے پیدا گشت — ہر کہ در گوش کرد شیدا گشت

زاں عجائب کہ داستانے بود — داستانے بہر زبانے بود

شاہ فرمود کاں دو صورتِ[۵۳] حال — آید اندر منوّنہ بمثال

نقشبنداں بخامۂ تصویر — در خورنق[۵۴] نگاشتند سریر

گفتار در آراستہ شدنِ حور و قصورِ ایں فردوسِ پُر حور بے قصور و بہشتی گشتنِ بہرام در آں

نقش پردازِ ایں کہن[۵۵] پرکار — نقشہا را چنیں کند بر کار[۵۶]

---

۱ جب = رخ ۵۲ غلطاق قبا یا پیراہن و بغل بند ۱۲ ۵۳ یعنی سرگذشت بہرام و دلآرام ۱۲

۵۴ خورنق بروزن شکراب نام ایوان بہرام گور و حاصل بیت آنکہ از حکم بہرام نقاشان تصویر بہرام و دلآرام و شکارگاہ و صورت اظہار ہنرمندی ہر دو در محل و تخت نقش کردند ۱۲

۵۵ ح = گہر ۵۶ س = بہ نگار

که چو بهرام گور در پئ گور — پئ به پئ داد گور پا[۵۱] را زور
آن هوس شاه را بسر می بود — روز تا روز بیشتری می بود
تا بران گونه نشد که خسرو عصر — هفته بر هفته نآمدی سوی قصر
مهتران نے که در گه و بے گاه — خاصه بودند بهر خدمت شاه
زان دویدن بدشت و بیشه و کوه — مانده گشتند و آمدند ستوه
هیچکس را نبود زهره[۵۲] شیر — که دمے برکشد ز سینه دلیر
کارداران شهر و لشکر نیز — آگهی[۵۳] شان ز عهده همه چیز
از برائے حضور منعم خویش — مانده بودند سر فگنده بپیش
هریکے را تا تلے بضمیر — ق کز طریق کفایت و تدبیر
چه بود چاره کز نشیب و فراز — اژدها سوی گنج گردد باز
زین نمط گفت و گوی میکردند — چاره را جستجوے میکردند
پور منذر که بود نعمان نام — در سبق هم جریده بهرام
پیش منذر رموز غیب نمائے — خوانده بودند هر دو در یکجائے
رای نعمان ز کوشش شب و روز — گشته بود اختر سپهر افروز
دیده از بینش اولوالابصار — در همه کارها نهایت کار

---

[۵۱] گور پا مراد از اسپ شکاری بهرام ۱۲

[۵۲] یعنی جرأت نبود ۱۲

[۵۳] حرجب = آن که شان بود

حل کنِ مشکلاتِ دانایاں — کسب همچوں عطاش[۵۱] بی پایاں
صنعت و حرفتِ هنرمنداں — زانکه نتواں شمرد صد چنداں
شه زبس دانش و معانیِ او — وز بزرگی و کاردانیِ او
در همه ملک اشارتش داده — دستگاهِ وزارتش داده
زاں اشارت بچار ارکانش — هفت کشور مطیعِ فرمانش
با دشاهانِ شرق و غربِ جهاں — بندهٔ حکمش آشکار و نهاں
هر که زابروش یک اشارت دید — پیشِ چوگانِ او چو گوی دوید
ور کسی درکشید ز سرِ خویش — سرِ او پیش از دوید به پیش
چوں ز صحرا نوردیِ بهرام — مصلحت را گسسته دید زمام
با خود اندیشهٔ نمود شگرف[۵۲] — خواند لوحِ صواب حرف بحرف
وانگهی گفت با سرانِ سریر — که شما بگذرید زیں تدبیر
چند گاهے دریں کفایت و فن — مصلحت را رها کنید بمن
تا بهر دانشے که من دانم — عزمِ شه را عناں بگردانم
همه گفتند گفتهٔ تست — قیمتے گوهرے که سفتهٔ تست
چوں پذیرفت مردِ کاراندیش — سرِ اندیشه را نهاد[۵۳] به پیش
تا چه سازد که آورد از راه — ماهِ گردنده را سوی خرگاه

---

۵۱ یعنی علوم اکتسابیهٔ او همچوں سخاوتش بے پایاں بود ۱۲ ۵۲ نادر ۱۲ ۵۳ جب = نگند

کرد اندیشه یک شبے بتمام — هفته بر هفته عشرتِ بهرام

با مداداں که شد جهاں پر نور — کامراں گشت همّتِ دستور[۵۱]

جست دانای کار مردی چند — تجربه یافته ز چرخِ بلند

بود در پیش خسروان بسیار — هم سخن گوے و هم پیام گذار

داد شاں یادگار[۵۲]ها ے گراں — در خورِ پیشگاهِ تاجوراں

چوں متاعے که بود شد تسلیم — کرد شاں نامزد بهفت اقلیم

کاورند از برای جلوهٔ بخت — هفت دختر ز هفت صاحبِ تخت

شاں[۵۳] بروں آمدند از همه ساز — هر یکے بر شهے شدند فراز

پیش بردند تحفهٔ نامی — باز جستند کامِ بهرامی

با دشاهاں بجاں رضا دادند — دختراں را بپادشا دادند

رہ رواں بعد هفت ماه خرام — آوریدند هفت ماه تمام

بانواں را بپرده ها بردند — بوکیلانِ پرده بسپردند

چوں قوی شد بنای پردهٔ راز — کرد نغماں بنای دیگر ساز

بر لب جوے مرغزاری جست — کز بهشتش نمونه بود درست

جاے[۵۴] از خرّمی نشاط افزای — دلکش و جاں نواز[۵۵] و دیده کشای

---

۵۱ وزیر و مشیر ۱۲ ۵۲ بمعنی تحفها ۱۲ ۵۳ جب = تا ۵۴ جب = با

۵۵ دجب = خاکی ۵۶ رج = خاکش ۵۷ جب = فزاے

جائگاہے کز اعتدالِ ہوا — یافت رنجورِ چند سالہ دوا

پیرِ فرتوت را جوانی داد — مردہ را آبِ زندگانی داد

چوں براں گونہ روضۂ دریافت — تازہ کردآں نیت کہ در سر یافت

ہر چہ سرمایۂ عمارت بود — ہمہ ترتیب کرد و داد زود

پس طلب کرد روزی از درِ کار[1] — فرخ از دور اختراں بشمار

خواند معمارِ کارداں را پیش — باز گفتش خیالِ خاطرِ خویش

کانچناں باید م کز استادی — کار سنجے بسخت بنیادی

زیں اساسی نہی فراخ نہ تنگ — زر زنی در عمارتِ گل و سنگ

از زمیں تا فرازِ گنبد مہر — ہفت گنبد برآوری چو سپہر

آں عمارت کنی کہ در ہمہ ساز — چرخ زو خویش را[2] نداند باز

بانی[3] بود کارداں مردے — کز زمیں آسماں بنا کردے

شیدہ نامی کہ ہر چہ پیدا کرد — خلق رازاں نمونہ شیدا کرد

منظر از خاک تا فلک بستی — فرشِ سنگیں بر آب بربستی

شد بفرماں وفق نعمانی — مردِ دانندہ در عمل رانی

بردہ بنیادِ ہر نمونہ[4] بر آب — تا نگردد دگر ز آب خراب

---

[1] جب = سرکار

[2] اے آں گنبد ہا را چناں فراخ و بلند بنا کنی کہ فلک در میان خود و گنبد ہا فرق نداند کہ من کدام ہستم و گنبد بہرام کدام ۱۲

[3] جب = بود بنا سے

[4] بیان عمق و استحکام بنیاد ست ۱۲

وانکه از هفت گونه سنگِ لطیف — کرد ترتیبِ هفت اساسِ شریف
تا برآراست از پسِ سالے — بر زمیں از سپهر تمثالے
هفت گنبد چو خرگهِ زربفت — کرده چوں هفت آسمان هر هفت
صفّه[۱] خشت و گل چو کرد تمام — نوبت آمد بزیب[۲] جامه و جام
داده نعمانِ آسمان[۳] فرهنگ — زیوری هر یکے بدیگر رنگ
آنکه نوشد ز شنبه آئینش — چوں زحل بست رنگ مشکینش
وانکه یک شنبهش رساند نوید — زعفرانیش کرد چوں خورشید
وانکه بود اندر دوشنبه راه — کرد[۴] ریحانیش بگونهٔ ماه
وانکه نوشتش از سه شنبه نام — کرد گلنار گونش چوں بهرام
وانکه بسبت بچار شنبه داشت — رنگِ تیرش[۵] برنگ[۶] تیر نگاشت
وانکه از بهرِ پنجشنبه بود — کرد چوں مشتریش صندل سود
وانکه زآدینه داشت معموری — رنگ دادش چو زهره کافوری
هفت گنبد جو رنگ و بوی گرفت — جادرو هفت ماهروی گرفت
هر یکے هم برنگ مسکنِ خویش — جامه را رنگ داده بر تنِ خویش
چوں شد اسبابِ هفت خانه تمام — باز گفتند قصّه با بهرام

---

[۱] درجب = صنعت [۲] یعنی نوبت آرایش و تزئین مکانها آمد ۱۲ [۳] رجب = ساخت
[۴] تیر اول یعنی چوب راست سقف که آنرا بهندی شهتیر و کڑی نامند و تیر ثانی یعنی عطارد که رنگش مائل به سیاهی ست ۱۲ [۵] جب = نقش تیره [۶] بلند عقل ۱۲

انچه نعمانِ کارداں آراست — زآدمی زادگاں نیاید راست
آفریدہ[۵] درو چہ کار کنند — در کنند آفریدگار کنند
از صدا ہفت گنبدِ تازہ — ہفت گنبد کند پُر آوازہ
ہفت[۱] ہر یک چو چرخِ نور سرشت — نسخے[۲] روشن از سوادِ بہشت
گشت ہر ہفت قبۂ جمشید — مطلع ماہ و منزلِ خورشید
ہر بتے دلنگار خانۂ ناز[۳] — گہ غزل گوی و گہ سرود و نواز
دم کہ در عاشقِ خراب دمند — بفسانہ فسونِ خواب دمند
بسخن درد و دیدہ خواب آرند — خواب نیراز دو دیدہ بردارند
ساقیانے بصد دلآرامے — در خورِ بزم گاہِ بہرامے
خانہ پُر زآہوانِ شیر شکار — شاہ را با شکارِ دشت چہ کار
گر یکے زاں شکار یابد شاہ — بشکارِ دگر نجوید راہ
شاہ کیں مژدۂ نشاط شنود — میلِ طبعش عنان ز دست ربود
ترکِ پوئیدن شکار گرفت — بر سکونت دلش قرار گرفت
تافت از دشت سوی خانہ عنان — در صنم خانہ رفت گشت کناں
چوں رسید اندر آں خجستہ سواد — گشت بر لالہ کرد و بر شمشاد
بوی گلہاش مغز پر گشت — مغزش از بوی گل معطر گشت

---

[۵] یعنی بشر ۱۲ [۱] د جب = ہست [۲] س = نسخہ [۳] جب = راز

بیشتر شد ببوستانِ فراخ — میوه بر میوه دید شاخ بشاخ
چوں درآمد بکارخانهٔ نو — دیده هر سو نگارخانهٔ نو
جنتے پر ز حورِ زیبا دید — جاں ز نظارهٔ ناشکیبا دید
نیکواں[۵۱] آمدند با صد ناز — خاک روباں بگیسوانِ دراز
هر یک آشوبِ عالمے ز جمال — صد جگر داغ کرده از یک خال
پست کردند بر زمیں رُخِ خوب — چوں مه و آفتاب گاهِ غروب
جبهه را چوں ز خاک بر کردند — جبهه شاه را نظر کردند
در فشاندند[۵۲] بر زمیں چنداں — که زمیں شد چو آسماں خنداں
ملک آمد ز با دپائے به زیر — شد بمهمانیِ گوزناں شیر
هر یکے را بپوزشِ تازه — پرسشے کرد بیش ز اندازه
رفت و نشست بر سریرِ بلند — هم نشینش هماں عروسے چند
مجلسے یافت پر ز نعمت و کام — با حریفانِ نو نشست بجام
آنچناں شد بروی خوباں شاد — کش ز عیش گذشته نامد یاد
خواند نعمانِ کارواں زهیش — بخششے کرد از نهایت بیش
آفریں کرد بر چناں رائے — که برآراست آنچناں جائے
وانگه از اخت[۵۳] بارِ طالع و روز — شد بهر گنبدے نشاط اندوز[۵۴]

---

۵۱ مراد از هماں نازنینان و نیکو صورتاں ۱۲ ۵۲ مراد از دو ها و کلمات استقبالیه با ادبِ شاهانه ۱۲
۵۳ بمعنی خبر گرفتن ۱۲ ۵۴ جب = افروز

نافه کشادنِ خلق بهرام روز شنبه در بهشت دوم در گنبدِ مشکیں با غزالهٔ هندی وطلبِ افسانه کردن

روز شنبه که باد مشک انگیز — شد بدامانِ صبح غالیه بیز
شه بگنبد سرائے مشکیں شد — خانه زو هم چو نافهٔ چیں شد
جامه را هم برنگ کیوانے — داد ترتیبِ عنبر افشانے
ماهِ هندی نژاد رومی چهر — خاست از خوابگاهِ ناز بمهر
خدمتِ خاص رامیاں بربست — کمرِ بندگی بجاں در بست
کرد چوں ساقیاں برعنائی — نقل ریزی و مجلس آرائی
نازنیں گشت همنشیں باشاه — تازه کرده فسانِ زهره و ماه
زاولِ بامداد تا گهِ شام — عشرت و عیش بود باده و جام
شب چو برسم شد بعالمِ نور — گردِ عنبر فشاند بر کافور
شه ز مستی نمود رغبتِ خواب — هم ز گل مست بود و هم ز گلاب
جانش از ذوقِ بوسه مفتوں بود — مستیِ نقلش از مے افزوں بود
زاں پری پیکرِ بهشتی وش — خواست کافسانه سراید خوش
خاک بوسیده ماهِ سیمیں ساق — ق گفت کای بادشاهِ روم و عراق
تا جهاں ست شهریاری کن — تخت گیری و تاجداری کن

آسماں مُفرشِ سرائے تو باد — ہر چہ جز ستت خاکپای تو باد
من کیم ہندوی شکستہ زباں — ق — کیں دلیری کنم چو بے ادباں
لیک فرمانِ شہ چو بر جان ست — گویم از جاں ہر انچہ فرمان ست
ایں سخن گفت ولب کشاد زبند — دو انگبیں ریخت از دہن چوں قند

افسانہ گفتن آہوی مشک دم و مشک بی پوست باز کردہ از بطانہ بیروں دادن

گفت وقتے بروزگار نخست — بود شاہے بشہریاری چست
در سراندیپ[۵۱] پایۂ تختش — قدمِ آدم افسرِ بختش
عبرہ[۵۲] تا غزنیش مہیا بود — عبرۂ دیگرش ز دریا بود
ہوسے بود ش از دل افروزی — در چہ درکار دانش آموزی
داشت پیوستہ چوں نکو رایاں — میل بر زیرکاں و دانایاں
در دلِ ہر کہ دید دانش بیش — خاص کردش بہنشینی خویش
سہ پسر داشت ہوشمند و جواں — ہم تو نگر بعلم و ہم بتواں
بعلم گشتہ باعطار دجفت — کارِ شمشیر خود چہ باید گفت

---

[۵۱] مزار مقدس حضرت آدم و حوا علیہما السلام ہمیں جا گویند ۱۲ [۵۲] عبرہ بالکسر محصولات کہ از کشتی نشیناں و جہاز نشیناں گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک ہم آید پس عبرہ اوّل بمعنی مجازست و عبرہ ثانی در مصرعہ ثانیہ بمعنی حقیقی یعنی سلطان بحر و بر بود ہ ۱۲

نافہ کشادنِ خلق بہرام روز شنبہ در بہشت دوم در گنبدِ مشکیں با غزالۂ ہندی وطلبِ افسانہ کردن

روز شنبہ کہ باد مشک انگیز — شد بدامانِ صبح غالیہ بیز
شہ بگنبد سرائے مشکیں شد — خانہ زو ہم چو نافۂ چیں شد
جامہ را ہم برنگ کیوانے — داد ترتیبِ عنبر افشانے
ماہِ ہندی نژاد رومی چہر — خاست از خوابگاہِ ناز بہر
خدمتِ خاص رامیاں بربست — کمرِ بندگی بجاں در بست
کرد چوں ساقیاں برعنائی — نقل ریزی ومجلس آرائی
نازنیں گشت ہمنشیں باشاہ — تازہ کردہ فسانِ زہرہ وماہ
زاوّلِ بامداد تا گہِ شام — عشرت وعیش بود بادہ وجام
شب چو بر رسم شد بعالمِ نور — گردِ عنبر فشاند بر کافور
شہ ز مستی نمود رغبتِ خواب — ہم ز گل مست بود وہم ز گلاب
جانش از ذوقِ بوسہ مفتوں بود — مستیِ نقلش از مے افزوں بود
زاں پری پیکرِ بہشتی وش — خواست کافسانہ سراید خوش
خاک بوسیدہ ماہِ سیمیں ساق — ق گفت کای بادشاہِ روم وعراق
تاجہاں ست شہریاری کن — تخت گیری وتاجداری کن

آسماں مُفرشِ سرائے تو باد — ہر چہ جز ستت خاکپای تو باد
من کیم ہندوی شکستہ زباں — ق — کیں دلیری کنم چو بے ادباں
لیک فرمانِ شہ چو بر جان ست — گویم از جاں ہر انچہ فرمان ست
ایں سخن گفت ولب کشاد زبند — و انگبیں ریخت از دہن چوں قند

افسانہ گفتن آہوی مشک دم و مشک بی پوست باز کردہ از بطانہ بیروں آدن

گفت وقتے بروزگار نخست — بود شاہے بشہریاری چست
در سراندیپ[1] پایۂ تختش — قدمِ آدم افسرِ بختش
عبرہ[2] تا غزنیش مہیا بود — عبرۂ دیگرش ز دریا بود
ہوسے بودش از دل افروزی — در چہ در کارِ دانش آموزی
داشت پیوستہ چوں نکو رایاں — میل بر زیرکاں و دانایاں
در دلِ ہر کہ دید دانش بیش — خاص کردش بہنشینی خویش
سہ پسر داشت ہوشمند و جواں — ہم تو نگر بعلم و ہم بتواں
بعلم گشتہ با عطار دجفت — کارِ شمشیر خود چہ باید گفت

---

[1] مزار مقدس حضرت آدم و حوا علیہما السلام ہمیں جا گویند ۱۲ [2] عبرہ بالکسر محصولات کہ از کشتی نشیناں و جہاز نشیناں گیرند و مجازاً بمعنی خراج ملک ہم آید پس عبرہ اول بمعنی مجازست و عبرہ ثانی در مصرعہ ثانیہ بمعنی حقیقی یعنی سلطان بحر و بر بود ۱۲

هر همسر کاندر و گمان نرسد ق ور رسد در گمانش بآن نرسد

کرده بود اوستادِ شان تعلیم هر یکے گشته فیلسوف و حکیم

عقده زیشان چناں کشاد براز که ملک را بکس نماند نیاز

خواند روزے نہانی از اغیار هر یکے را جدا بپرسشِ کار

کآزمونش کند بکارِ سریر کیں تصوّر کرا بود بضمیر

گفت اوّل باوّلیں فرزند که مرا شد بنفشه[۵۲] سر بلند

بعد ازیں نیست کارِ مشتی خاک جز نیایش گری بحضرت پاک

قرعه بر ستت بادشاهی را رونقِ ماه تا بماهے را

آں بنا نو کنی بداد و بجود که جہاں خوش بود خدا خوشنود

ناتواں را برفق پیش آئی با توانا کنے توانائی

بشبانے رمه[۵۳] نگهداری گوسپنداں بگرگ نگذاری

پورِ دانا بخاک سود کلاه گفت جاوید باد دولت شاه

کے روا باشد از هوا[۱] خواهی که زنم پیشِ شه دم شاهی

تا توئی ملک بر کسے نه نرست بے تو خود زیستن برای چرا ست

تخت ما دارے چوں منی نبود جاے تو جاے چوں منی نبود

مور با آنکه بر سریر بود کے سلیمان و تخت گیر بود

---

۱ ابن = کمال آں ۵۲ از پیری خمیده شدم ۱۲ ۵۳ گله گوسپند ۱۲ ۱ ح = نکو

شه در آں آزمایشِ کارش — چوں پسندیده دید گفتارش
در دلش صد هزار تحسین خواند — وآشکارش بخشم بیروں راند
خواند فرزندِ دیمی را پیش — خاص کردش بآزمایش خویش
با فسوں گر سخن با فسوں خواند — ماجرائے گذشته بیروں راند[۱]
پسرِ زیرک از خردمندی — کرد پرسنده را زباں بندی[۲]
گفت ما را بجان و بینائی — ق کردنی شد هر انچه فرمائی
لیک پیشت حدیثِ تاج و سریر — عیب باشد ز بنده عیب مگیر
دیں زماں تو که تا توئی برجای — دیگری کے نهد بسند پای
واں زماں کیں زمانه گذراں — با تو نیز آں کند که با دگراں
گر بود در سرت که افسرِ خویش — خود مزین کنی بگوهرِ خویش
مهترے هست آخر از منِ خورد — بارِ سر جز بدوش نتواں برد
بر بزرگاں رواست ایں معراج — لولوی خرد نیست در خورِ تاج
شاه زد هم گره برابر و کرد — وز حضورِ خودش بکیسو کرد
روی در خوردِ کار داں آورد — خورده را باز در میاں آورد
داد پاسخ جوانِ کار شناس — که ز خوردان نکو نیاید پاس
شاه چوں دید کاں سه گوهرِ پاک — می شناسند گوهر از خاشاک

---

[۱] دجمب = زباں بافسوں داد [۲] سجمب = داد [۳] اے جواب کانی دشانی داد ۱۲

شادماں شد زبختِ فرخِ خویش — سود بر خاکِ بندگیِ رخِ خویش

بہرِ ملک دو روز بے سر و بُن — ایمن انداز فریبِ چرخِ کہُن

لیکن از پیش بینی بے کوز[۵۳] — با جگر گوشگاں شد اندر سوز

داد فرماں کہ ہر سہ بد بمنیز — پیش گیرند رہ ز پیشِ سریر

تا حدِ ملکِ شہریار بود — ہر کہ ماند گناہ گار بود

زیں سخن ہر سہ تن ز جای شدند — توشہ بستند و رہ گرای شدند

گہہ در آباد بوم و گہہ بخراب — شہر بر شہری شدند شتاب

رہ نوشتند بے شکیب و سکوں — تا شدند از دیارِ شاہ بروں

در رسیدند تا باقلیمی — کہ ازاں بود ملکِ[۵۴] شاں نیمی

در بیاباں و راہ و منزل و جای — نہادند بے تجارب پای

روزی از گردشِ ستارہ و ماہ — می نوشتند سوی شہری راہ

ناگہہ از پیشِ زنگیٔ چوں قیر[۵۵] — تگ زناں سوی شاں گذشتہ چو تیر

گفت کای رہروانِ زیبا روی — شتری دید کس روانِ ریسوی

زاں سہ برنایکی زباں بکشاد — نقشِ نادیدہ را نشانے داد

---

۵۱ حجب = کور ۵۲ لاسن = غور و گور ۵۳ کوز بواو معروف در فارسی بمعنی پیچیدہ و خمیدہ یعنی چناں پیش بینی راست کہ در وکجی و پیچیدگی نبود ۱۲ ۵۴ دسجب = شور ۵۵ یعنی مقابل وسعت آن اقلیم ملک پدر ایشاں نصف بود ۱۲ ۵۶ قیر بالکسر بروزن میر روغنے سیاہ کہ بر شتراں و درزہاے کشتی مالند بہندی تارکول ۱۲

گفت کاں گم شدہ کہ رفت زدست — یک طرف کوہ ست گفتا ہست
دومی گفت چوں خردمنداں — کز دہانش کم ست یک دنداں
سومیں ہوشمندِ با تمیز — گفت یک پائے لنگ دارد نیز
زاں نشانہا کہ بود روشن و راست — شبہہ از پیشِ ساربان برخاست
گفت چوں راست شد نشانی داد — بایدم رہ بہم عنانے داد
باز گفتند ہر یکیش جواب — کہ ہمیں راہ گیر و رو بشتاب
مردِ پوینده راہ پیش گرفت — رفت و دنبالِ کارِ خویش گرفت
آں جواناں براہ گام بگام — می نمودند نرم نرم خرام
تا زمانے کہ گرم گشت سپہر — موجِ آتش فشاند چشمۂ مہر
زیرِ عالی درختے انبہ شاخ — کش دو پرتاب بود سایہ فراخ
در رسیدند بر خ دیدۂ راہ — میل کردند سوی آب و گیاہ
چشمہ دیدند و دست و پا شستند — بر گل و سبزہ خوابگہہ بستند
چوں زبادِ خوش و درونہ نواز — نرگسِ مستِ شاں شدند نماز
ساربان باز در رسید چو باد — بازبانے چو خنجرِ فولاد
گفت زیں سوی تا بیک فرسنگ — پایم از تاختن نداشت درنگ
در نوشتم بسے گریوہ و کوہ — وز تگ و پو بہ آمدم بستوہ

---

۵۱ انبہ مخفف انبوہ اے زیر درختے بزرگ کہ شاخہاے انبوہ بود ۱۲ ۵۲ میدان ۱۲

دیده گردی ازاں رمیده ندید — گرد چه بلکه آفریده ندید
گفت زایشاں یکے که بشنو گفت — هرچه دیدیم چوں توانش نهفت
هست بارش سبو دو رو[۵۱] بارے — روغن ایں سوی و انگبیں زاں سوے
دوئیمیں کرد روے کار برو — هست گفتا زنے سوار برو
سوئیمیں گفت زن گراں[۵۲] بارست — وز گرانیش کار دشوارست
ساربانِ زاں همه نشانِ درست — گردِ شک راز روی خاطر شست
آگهی چوں نداشت از فنِ شاں — چنگ در زد سبک بدامنِ شاں
نغره برداشت کیں سه طرّارند — که بتاراجِ خلق درکارند
هر زماں سو بسو زمیں بزمیں — بهرِ کالا همی کنند کمیں
تا کجا باشد اشتری وخری ق یا متاعے ز نقره و زرّی
بفریب و فسوں و چاره گرے — ببرند از مقیم و ره گذرے
زاں نفیر و فغاں کزو برخاست — گرد گشتند خلق از چپ و راست
گرد شاں شد ز مردم انجمنے — هر یکے گفت بیش و کم سخنے
تا نهایت برآں قرار افتاد — که بباید شدن چو کار افتاد
ملکِ عهد را خبر کردند — راهِ انصاف را نظر کردند
کارِ رکاں[۵۳] بسته گشت نکشاید — کارِ فرماتمام فرماید

---

۵۱ مقابل ۱۲ ۵۲ یعنی حاملہ ۱۲ ۵۳ جب = کارچوں بسته گشت بکشاید

ہم برآں اتفاق جملہ بہم — حکم جویاں شدند سوی حکم
سار باں ماجرائے حال کہ بود — ق — واں ہمہ پاسخ و سوال کہ بود
گفت باشہ یگاں یگاں بدرست — شاہ زاں ہر سہ نیز پاسخ جست
آنکہ زایشاں کیاست افزوں داشت — ق — در ہر افسانہ صد افسوں داشت
گفت اوّل دعای دولتِ شاہ — کہ بماں تا بود سفید و سیاہ
چشمہا راز خاکپائے تو نور — دیدۂ بد ز آستانِ تو دور
ما سہ برنا مسافریم و غریب — در تگ و پویہ زآب[۵۱] و خورد نصیب
سالہا شد کہ گردِ عالمِ خاک — می نوردیم دشت و کوہ و مغاک
نیست زیں تاختن بہرجائے — بہرۂ ما بجز تماشائے
در دیارے کہ راہ بنوشتیم — چوں بدیدیم جملہ بگذشتیم[۵۲]
زیں دویدن بزیرِ چرخِ کبود — روزے ایں سوی نیز راہ نمود
می بریدیم رہ ز گردشِ دہر — تا رسیدیم بر درِ ایں شہر
اوّل ایں زنگیِ سیاہ وجود — ق — کہ دواں سوی ما رسید چو دود
اشترے جست و ما بلابہ[۵۳] و لاغ — تازہ کردیم نقشِ او را داغ
ما گنہگارِ ایں قدر ہستیم — کہ در و نعے بروئے او بستیم

---

۵۱ از آب و دانہ مقسوم در سیر و سیاحت می باشیم ۱۲ ۵۲ جب = برگشتیم
۵۳ لابہ بمعنی تملق و عجز و بمعنی اخلاص مجازست و لاغ بمعنی ظرافت و خوش طبعی ۱۲

شد ملک گرم زین حکایت وگفت — کانچه پیداست چون توانش نهفت
بس دروغے که گوئیش بیخ[1] است — اتفاقاً مقابل اُفتد راست
چون خود از دل برون فگندی راز — تیر کز شست رفت ناید باز
ز اتفاق از[2] دروغِ نافرجام — راست از ده یکے بود نه تمام
برده را بازده بهانه مکن — خویشتن را ببدنشانه[3] مکن
این سخن گفت چون ستمگاران — بندِ شاں کرد چون[4] گنهگاراں
چون بشام آفتابِ نورانی — گشت در زیرِ خاک زندانی
آں جوانانِ نغز با فرهنگ — سوی زنداں شدند با دلِ تنگ
همه شب رفت شاں بجز و نی — در صفِ دزد و رهزن و خونی
شب چو بر ناقه بست محملِ خویش — مه بخورشید داد منزلِ خویش
شتر یاوه[5] گشت با همه ساز — بر درِ ساربان رسید فراز
مردے آمد که در فلاں کهسار — بر درختیش مانده بود مهار
من بداں سو شدم بخار کشی — دیدم و کردمش مهار کشی
زن که بالاش بود داد نشاں — تا من آوردمش مهار کشاں
ساربان دادش آنچه واجب بود — پس بسوی ملک رواں شد زود
گفت باشه که من بدولتِ شاه — یافتم هر چه یاوه گشت براه

---

[1] ب = بے کاست [2] ح = ار [3] د = فسانه [4] ب = با [5] آوارہ شدہ و راہ گم کردہ

شتر و هر چه بود بار برد — وآں عروسے کہ بُد سوار برد
شہ نظر سوے عدل فرماید — بندیاں را ز بند بکشاید
شہ ز آزارِ بے گناہے چند — از جگر بر کشید آہے چند
خواند شاں با ہزار خجلت و شرم — نرم دل کرد شاں بپوزشِ گرم
وانگہے داد شاں ز بند خلاص — خلعتے داد ہر یکے را خاص
پس بپرسید شاں کہ قصۂ خویش — باز باید نمود از کم و بیش
کانچہ مردم ندید پیکرِ او — چوں نشانے دہد ز جوہرِ او
ماجرا گر درست باشد و راست — خواستہ[۵۱] بیگراں دہم بیخواست
در کم و بیش در میاں آید — سر ز شمشیر در زیاں آید
رمز داناں بشرطِ خدمتِ خاص — تازہ کردند سجدۂ اخلاص
پس یکے زاں سہ تن زباں بکشاد — گفت باشی ہمیشہ خوّرم و شاد
من کہ کوریش را نشاں گفتم — بینشم[۵۲] وا نمود زاں گفتم
ہمہ یکسوے دیدم اندر راہ — خوردنش از درخت و خار و گیاہ
نقش بستم کہ یکطرف کورست — کش بیک سوی در چرا زورست
دوئمی گفت کز رہِ فرہنگ — من بیک پاے زانش گفتم لنگ
کانچناں دیدمش براہ نشاں — کہ ز یک پاے رفتہ بود کشاں

---

[۵۱] خواستہ یعنی مال اے مال بیگراں بے طلب بشمار بدہم ۱۲ [۵۲] اے عقل من ۱۲ [۱] رجب = رہ

سیومیں گفت چوں خردمنداں ق منکہ کم گفتمش یکے دنداں
برگ و شاخے کہ خوردہ کردہ او دیدم افتادہ نیم خوردۂ او
ہرچہ ناخوردہ میسزود درو برگ یک یک درست بود درو
روشنم شد زعقل چندانے کز دہانش کم ست دندانے
شاہ گفتا کہ آں سہ چیز نخست ہرچہ گفتید راست بود و درست
واں سہ دیگر بدانش و تمیز روشن و راست گفت باید نیز
باز یک تن زبانِ راز کشاد وآنچہ در پردہ بود باز کشاد
گفت کاوّل دمے کہ از من رفت ماجرا از نگبیں و روغن رفت
آنچناں شد کہ در خس و خاشاک دیدم آلایشے چکیدہ بخاک
مگس افتادہ بود یک سو شور سوی دیگر قطارِ لشکرِ مور
ہرچہ در وے دوید مور بجہد ق حکم کردم کہ روغن ست نہ شہد
وانکہ سویش مگس نمود ہجوم بفراست شد انگبیں معلوم
شخص دوّمیں زباں کشاد کہ من آنکہ بروے سوار گشتم زن
آنچناں دیدہ شد کہ گشت یقیں اثر زانوے شتر بزمیں
گشت پیدا ز پہلوِ زانو نقش نعلین ہائے کد بانو
تریِ[۱] نیز دیدم از یکسوی برگرفتم ز خاکِ آنجا بوی

---

[۱] باب دوم [۲] یائے قلت اے اندک تری ۱۲

نفس زاں بوے در گداز آمد | جوشِ شہوت دراہتزاز[1] آمد
کردم اندیشہ راز خاطر فرد | کہ سوار شتر زن ست نہ مرد
گفت سیومیں کہ رای من نہفت | زاں سبب حامل و گرانش گفت
کاندراں جای کاں جمازہ[2] نشیں | برجمازہ سوار شد ززمیں
دیدم آنجا کہ نقشِ پاش نشست | گشت پیدا نخاک نقشِ دو دست
گفتم ایں حامل گراں بار ست | کز زمیں خاستنش دشوار ست
آنکہ در خاک دست سای شدہ است | از پئے خاست چار پای شدہ است
شاہ کز ہر سہ تن شنید جواب | بندہ شد زاں فراستِ بصواب
ہر یکے را بصد نوا بنواخت | ساخت برگے چنانکہ باید ساخت
زاں نمودارِ دو رہینِ شاں | کرد رغبت ہمنشینیِ شاں
منزلے دادشاں درونِ سرائے | تا بود نزدِ شاں بخلوت جائے
دل چو فارغ شد ایش از ہمہ کار | تازہ کردی نشاط را بازار
با حریفانِ نو بہ تنہائی | بادہ خوردی بمجلس آرائی
گوش کردی بدمے نہانیِ شاں | بہرہ جستی بکار دانیِ[3] شاں
مغز معنی کہ دیدی اندر پوست | نقش کردی بجانِ[4] معنی دوست

---

[1] بمعنی جنبش ۱۲ [2] جمازہ صیغہ مبالغہ بہ تشدید میم ست ولیکن در فارسی بتخفیف ہم مستعمل میباشد بمعنی شتر تیز رفتار ۱۲ [3] بکاردانی ۱۲ [4] جان موصوف معنی دوست صفت اے جانیکہ معنی را دوست میداشت ۱۲

شه فرستاد نزدِ شاں یک روز — بُرہ[۵۱] و بادۂ دَرد و نوشِ فروز
همه باهم نشاط پیوستند — شاد و خنداں بیادہ بنشستند
چوں دمے چند کرد هر یک نوش — وآمد از مے درونها در جوش
باز میگرد[۵۲] هر یک از کم و بیش — داستانے بقدرِ دانشِ خویش
آنکه مه بود چابک اندیشه — ق — باز گفت از دل خرد پیشه
کیں مُی کآدمی گم ست درد — گوئیا خونِ مردم ست درد
دومیں کاردانِ رازشناس — ق — گفت زاندیشهٔ درست قیاس
کیں بره گوئیا نه پاک رگ ست — پرورش یافته زشیرِ سگ ست
سیومیں نقش بند عقده کشای — ق — باز گفت انچه روی داد زرای
کیں ملک نے زشاهِ آزاد ست — دانم از پشت مطبخی زاد ست
ملک اندر کمینِ دیوارے — گوش میداشت سوی گفتارے
تا هر آں خورده[۵۳] کآید از سه حکیم — کشدش در جریدهٔ تعلیم
زاں سه نکته که گوش گیر شدش — دلِ نازک گماں پذیر شدش
بسکه جوشش درونش ابتر کرد — سر بخلوت سرائے شاں در کرد
هر سه تن تیردار بر جستند — با ملک چوں نشست بنشستند
شاه فرمود کیں زماں نه نفت — هر چه گفتید باز باید گفت

---

۵۱ بره بمعنی حلوان ۱۲ ۵۲ سرج = می گفت ۵۳ نکته ۱۲

گشت تحقیق در بطانهٔ[۱] شاں — کہ شنیدست شہ فسانهٔ شاں
گرچہ آں گفتہ دلپذیر نبود — باز گفتند چوں گزیر نبود
شاہ یک یک شنید و گشت خموش — بادہ می خورد با دل پُرجوش
کردہ بود آزموں کز نشاں کس — نزند ہرگز از گزاف نفس
صبح چوں رازِ چرخ روشن کرد — صحنِ گردوں چو سبز گلشن کرد
شاہ دریا جراے بادہ دوش — باز جست آگہی ز بادہ فروش
مردِ خمّار گفت کیں انگور — بردہ ام از رزِ[۲] فلاں دستور
اوّل آں باغ بود گورستاں — گور افگندہ ساختش بستاں
چوں یکے باز خواند روشن و راست — از دو دیگر تفاوتش برخاست
از شباں باز جست رازِ بره — زد شباں قلب چوں نبود سره
گفت کیں برّه بود پہلوِ میش — شیر پرورد مہر مادرِ خویش
بانگ برزد برو بہ تندی شاہ — کیں زمانت سر افگنم چو گیاہ
زیں سیاست نباید آساں رست — جز با قرارِ راست نتواں رست
کرد روشن شبانِ برّه فروش — کاو فتاد از گناہِ اد سر پوش
دل ز تیمارِ جان و تن برداشت — پردہ از رازِ خویشتن برداشت
گفت کیں برّه بود در رمه خرد — کز رمه گرگ مادرش را برد

---

[۱] دل ۱۲ [۲] درخت یا ثمر انگور ۱۲

ماده سگ داشتم دونده چو تیر — بچهٔ چند بودش اندر شیر
رام کردم چناں بدستانش — کہ بره سخت شد بہ پستانش
چوں چناں شد ز شیر مستی نغز — استخوانش بپوست شد همه مغز
آوریدم بسوے مطبخ خاص — زیں گنه خواه تیغ خواه خلاص
شه چو رمزِ دو خرده دید درست — گشت پاس از خیالِ سویم سست
چار و ناچار سوے مادر راند — رازِ دل را نهفته بروے خواند
در گریبانش چنگ در زد سخت — ق گفت خواهم ز تو جهاں پرداخت
ورنه برگو براستی خبرم — تا که بودست در جهاں پدرم
از کہ آوردهٔ چو من پسرے — پدرم شاه بود یا دگرے
مادر از خشم در خروش آمد — خونش اندر جگر بجوش آمد
گفت کاندیشه نیستت ز وبال — کہ نهی تهمتم بہ پیراں سال
کہ تواند هبز آفتابِ بلند — کافگند بر سر سیاه پرند
غیرِ دارا کرا بود یارا — کہ در آید بپردهٔ دارا
باز بر فرقِ شاه برشد دود — رو بمادر نهاد خشم آلود
گفت گر صد بهانه پیش آری — نرهی جز براست گفتاری
بزه[۵] را کہ کردهٔ بشمار — تا نگردم بہ کشتنت بزه کار

---

[۵] بزه یعنی گناه ۱۲

مادرش کز درونش دود[۱] نداشت — عذرہا گفت ہیچ سود نداشت
آگہی داشت کاں غبار انگیز[۲] — ہست گاہِ قصاص بے پرہیز
از رہِ[۳] راستی بلرزہ و بیم — کرد خود را بدستِ خوں تسلیم
گفت رازے کہ داشتم بہنفت — بشنو اکنوں اگرچہ نتواں گفت
روزے از روزہائے فصلِ بہار — شہ بروں رفتہ بود سوی شکار
من جواں بودم و زخوباں طاق — خفتہ تنہا در اندرونِ رواق
خواب[۴] چوں رختِ خود[۵] گراں آورد — مطبخی در رسید و خواں آورد
من از آنجا کہ ہست میلِ زناں — آرزویم ز دست برد عناں
در روی آویختم چو مردمِ مست — جوشِ دل مہرِ عصمتم بشکست
ہر چہ در سر نوشت بود مرا — نفسِ بد عاقبت نمود مرا
نم[۶] چو در شاخِ نو بہار آمد — میوہ چوں تو ام ببار آمد
شہ چو بشنید راز مادرِ خویش — سر فگند از خجالت اندر پیش
رفت در خود فرو دحیراں گشت — از چناں پرسشے پشیماں گشت
رفت[۷] بیروں ز کاخ شرمندہ — وز تحیر نہ مردہ نے زندہ
شد بخلوت سرائے مہماناں — بی زباں گشتہ زاں زباں داناں

---

[۱] دود داشتن یعنی زہرہ و دلیری داشتن ۱۲ [۲] از غبار انگیز مراد پسر یعنی شاہ ۱۲
[۳] رہ = سر [۴] اے خواب رفت و بیدار شدم ۱۲ [۵] رختِ خود = برگراں
[۶] مراد از نم نطفہ و از شاخ نو بہار رحم زن ۱۲ [۷] رفت = جست

چوں[۱] گذشت از شراب دورے چند — راز را برگرفت مهر[۲] ز بند
گفت کآنچه از شما شنیدم راز — همچناں یافتم چو جستم باز
روشن و راست بود چوں هر چیز — روشن و راست گفت باید نیز
کیں همه کارها[۳] که پنهاں بود — از چه[۴] دانسته شد که زمیناں بود
گفت یک تن که من چو خوردم می — دیدم افزایشِ غم اندر وے
از مے افزایشِ طرب باشد — چوں غم افزوں کند عجب باشد
باز جستم ز دیگراں احوال — بود هم زیں نمط جواب و سوال
روشنم گشت کاں شراب چو نوش — دارد از خونِ خاکیاں[۵] سر جوش
گفت دومیں که من به بزه مست — چوں برآهنگِ خر ربرد دم دست
دل بیک لقمه شد بسوزش و تاب — وز دهانم روانه گشت لعاب
بوی خونِ پشت[۶] در گ داشت — پهلوی همچو پهلوی سگ داشت
گفتم ایں نے بره سگیست چو گرگ — یا خود از شیرِ سگ شدست بزرگ
سیومیں گفت من حقیقتِ کار — گویم ار باشدم بجاں زنهار
بزباں راند شه بسے سوگند — که نباشد بجانش هیچ گزند

---

[۱] ب = تا [۲] ب = سجب = مستی بند [۳] ب = رازها [۴] رس = بچه
[۵] مراد از خاکیاں مردگان و معنی سر جوش شور باد شل آں که در اول جوش از سر دیگ بردارند یا شراب و گلاب و شل آں که با ول جوش بگیرند ۱۲
[۶] پس و پشت کرمهاے که بر پشت سگ و شتر وغیره پیدا میشود و نیز در جاها و سر مرداں هم از کثافت پیدا میشود بهندی پچڑی یا جوں بگویند ۱۲

پس جواں باز گفت قصہ کہ من — تا رسیدم بہ پیشِ شاہِ زمن
ہر چہ دیدم ز تو بدانائی — میزدم بر محکِ بینائی
طلبِ راز شاہ میکردم — بجا لبّت نگاہ میکردم
از نشانہائے تاجِ تاجوراں — ق کآدمی را تواں شناخت دراں
باز جستم یکے از آنت نبود — جز دمِ شور و بانوانت نبود
نامدت ہیچ رہ سخن بزباں — کہ نبود اندراں حکایتِ ناں
این نشانہا کہ عکسِ شاہی داشت[۵۴] — بر منودارِ بدگواہی داشت[۵۵]
کرد روشن ضمیر راستم بہ ضمیر — کہ[۵۶] ترا نیست نسبتے بسریر
شہ فرو شد ز حیرت اندر خویش — سخن از وے بروں نیامد پیش
گفت[۵۷] کز داد نیست شاہاں را — ق ریختن خونِ بے گناہاں را
غضبم تا عناں نبردہ زدست — رختِ مہماں بناقہ باید بست
انگہے گفت جملہ را خنداں — کآفریں بر شما خردمنداں
از شما دوستانِ بامتیز — یافتم بہرہ مندی از ہمہ چیز
با شما عیش موجبِ ہنرست — ہر چہ بیش ست سود بیشترست
لیک گردندۂ[۵۸] جہاں پیمائے — نتواں بند کرد در یک جائے

---

۵۱ رس = بتجارب ۵۲ س = کہ شاں ۵۳ ج = بود ۵۴ ح = شہ
۵۵ رجب = کہ خمیرے ست نسبتت نہ سریر ۵۶ بادشاہ بدل خود گفت ۱۲
۵۷ گردندہ موصوف جہاں پیمائے صفت یعنی مسافر سیاح ۱۲

زیں نمط خواست عذرہا بسیار — پس بہر یک سپرد صد دینار

ہر یک از بختِ شادمانۂ خویش — رہ گرفتند سوے خانۂ خویش

سوی ملک پدر فراز شدند — چوں[۱] بدربار سرفراز شدند

پدرِ پیر شادمانی یافت — بارِ دیگر ز سر جوانی یافت

بسکہ از خوشدلی تبسم گشت — موی کافور گونش مشکیں گشت

کرد روشن بہترین پسراں — بالشِ مشک فامِ تاجوراں

چترِ مشکینش داد با ہمہ چیز — دیگراں را لوائے مشکیں نیز

رنگِ مشکیں شعارِ عباسی ست — زیور آرائے چرخِ شماسی[۲] ست

ظلمتِ شب کہ مشک فام بود — بہرِ آسایشِ تمام بود

خونِ تر در میانِ نافۂ خشک — تا نگردد سیہ نگردد مشک

خط و خالے کہ دلستاں دارد — مشک رنگ ست زیب ازاں دارد

شاہ کز نازنینِ مشکیں موے — ایں فسانہ شنید روی بروے

خفت در خوابگاہِ حورالعین — گل در آغوش و مشک در بالین

۱: حجب = ہر سہ ۲: س = با پدر باز

۲ بالفتح و تشدید میم شخصیت کہ بر دین شماس باشد و شماس نام شخصے ست کہ دین آتش پرست ایجاد کردہ اوست و چرخ ازانجا کہ حرارت آفتاب ہر دم با خود دارد بشماسی موصوف گشت ۱۲

۱: سرج = بر

کوثر کشیدنِ بہرام روزِ یکشنبہ در بہشتِ سوم و بگنبدِ زعفرانی شکر خندہ طرب نمودن و بآفتابِ نیمروزی خانہ گرم کردن

روزِ یک شنبہ آں ستارہ روز[۵۱] — شد در ایوانِ زرد بزم افروز
چوں زر افشاند آفتاب بدشت — دامنِ کوہسار پر زر گشت
رغبتِ برجِ زعفرانے کرد — خانہ را حلۂ جاودانی کرد
جامہ را نیز کرد خنداں[۵۲] خند — زعفرانی چو آفتابِ بلند
گفت خورشیدِ نیمروزی را — رخ کشا ید جہاں فروزی را
ہر کرشمہ کہ او نمود بپوست — ناوکے بود در درونۂ دوست
شہ بہ نظارۂ چناں مستور[۵۳] — ماند حیراں چو ہندواں در نور
بادہ بر روی سرخ گل می خورد — تا فرو رفت ز آسماں گلِ زرد
شب چو نوکرد پردہ داریٔ خویش — گوہر آمود در عماری خویش
سر بہ بالینِ خواب گاہ نہاد[۵۴] — باز آں سرجہ رانِ ماہ نہاد
داد فرماں کہ ماہِ شکر خائے — گوید افسانۂ نشاط افزائے

---

۵۱ مراد از بہرام ۱۲ ۵۲ الف برائے اتصال ست چوں رنگارنگ ۱۲
۵۳ رنجب = منظور
۵۴ سرجب = باز اندر سرانِ ماہ نہاد

نازنیں برزیں نہاد جبیں ق گفت کای شہریار روی زمیں
بختِ ہموارہم عنانِ تو باد سرِ بدخواہ برسنانِ تو باد
ہر مرادی کہ بشمری زانگشت یک بیک جملہ بادت اندرمشت
شرم دارم کہ پیشِ درِ دُرّے[۵۱] گہر بارا کشم بجلوہ گرے
لیک چوں شہ اشارتم فرمود ہرچہ دارم بروں فشانم زود
ریخت چوں ایں نمط لآلی چند گفت زیں پیشتر بسالی چند

افسانہ گفتن زعفرانی پوش نیمروزی

زرگرے بود درخراساں طاق شہرہ درشہرہائے روم وعراق
حسنش نام وبرہنر مندال بود چوں نامِ خویشتن خنداں
ہرچہ بتواں زسیم وزر پرداخت ساختی آنچناں کہ باید ساخت
روزے[۵۲] ازدستکاری دلجوی ساخت پیلے گراں زصد من روی[۵۳]
تاروانی بود بہرجایش چارگردش[۵۴] نہاد درپایش
چوں بپرداختش بنقش ونگار ق ازنکوئی چوصورتِ دیوار
پیشِ فرمانروائے شہرش برد بوکیلانِ درگہش بسپرد

---

۵۱ بالضم وتشدید را وبکسور لفظ عربی است بمعنی ستارہ روشن کہ بزرگ باشد اینجا بضرورت شعر تشدید را حذف کردند ۱۲ ۵۲ رجب = وقتے ۵۳ بمعنی کاس ۱۲
۵۴ یعنی پیہ ۱۲

پیش بردند شاه کرد نظر — ماند حیران در آں کمالِ ہنر
پس اشارت نمود ہم بشتاب — تا دہندش ہزار من زرِ ناب
گفت خواہم زچوں تو اُستادی — کہ نہی زیں نمونہ بنیادی
پیل کز روی کردہ پرداخت — سازی از زر چنانکہ باید ساخت
زر بروں برد مردِ چابک دست — رفت و در کارگاہِ خویش نشست
نقد را سکّہ در عیار آورد — دمہ[1] دکورہ را بکار آورد
روز و شب کوششِ ہنر میکرد — وز ہنر کارِ خود چو زر میکرد
تا برآراست از پسِ ماہے — زندہ پیلے فراخورِ شاہے
چوں شد آں پیکرِ شگرف تمام — در زماں کرد پیشِ شاہ خرام
کارِ خود کز ہنر نداشت قیاس — برد در پیشِ شاہِ کارشناس
شہ چو دید آں نمونۂ کارش — متحیر شد از نمودارش
کرمش کرد دو چار من زر داد — مزدِ دستش چہار دیگر داد
پس بہ پشتش برآمد از پے گشت — طرفے گشت و جانبے بگذشت
زاں تماشا کہ بود طرفۂ دہر — گفت و گوئے در اوفتاد بشہر
ہر کجا زیرکی و دانائی — نقشبندے و پیکر آرائی
چوں بدیدند در آں ہنرمندی — خیرہ شد زاں ہنر خردمندی

---

[1] دمہ بہندی دہونکنی دکورہ بھٹی ۱۲

حاسداں را حسد بکار آمد — دلِ ہر یک بخار خار آمد
کار دانے دگر ز غیرتِ کار — گرد آں سکّہ شد بوزن و عیار
کرد روشن کہ آں خیالِ شگرف — انچہ شد داد کمتر ست بصرف
مایہ[1] زر اگر ہزار من ست — نہ بجای ست رکمی[2] سخن ست
شد برآں تا چہ[3] باز داز سرِ دست — کہ درآرد بہ پیل[4] بند شکست
گفت اگر پیشِ شہ کشایم راز — پیل را شہ نیفگند بگداز
ور شوم سکّہ را بوزن دلیل — در ترازو چگونہ گنجد پیل
ور زباں از سخن کنم کوتاہ — قلب کاری برد خزانۂ شاہ
چارہ آں شد کہ ہم ز خانۂ او — آگہی جویم از فسانۂ او
پس باندیشہ گشت چارہ سگال — تا بروں آورد ز پردہ خیال
جست رائی بکوششِ دفنِ خویش — کآشنا کرد بازنش زنِ خویش
ہر دم از تحفہ ہاے رنگ آمیز — کرد بازارِ دوستی را تیز
آنچناں گرم شد میانِ دو حضرت — کہ بتقریر باز نتواں گفت
شرطِ اخلاص را بہانہ نماند — راز را پردہ در میانہ نماند
مردِ شیریں زبان و خوش[5] آشام — ق زہر در جیب و انگبیں در جام[6]

---

[1] رس = مایۂ کارگر [2] رس = یکے [3] اے کدام حیلہ انگیزد ۱۲
[4] از پیل بند مراد زرگر حسن در بازی شطرنج چوں پیل را بہ پیادہ قوت دہند پیل بندی نامند ۱۲
[5] جب = دُرد [6] رس = کام

دید چوں بچۂ کارسازی خویش
ریخت بیروں ز پردہ بازی خویش

گفت باز زن کہ چوں بہ پنہانی
سوے کد بانوی حسن رانی

فرصتے[1] بینی و مزاجش نغز
گرم در پوست در رویش چو مغز

آری از ہر درے بگفتارش
گوئی آں گاہ بیغرض وارش

کانچہ جفتِ تو نقشِ پیل کشید
ناقداں[2] را بدیدہ میل کشید

مثلِ آں زیرِ سقفِ مینائی
در نیاید ہیچ بینائی

ایں شگفت ارچہ سر بسر ہنرست
لیک زنش ازاں شگفت ترست

گر کسے خواہدش کہ بر سنجد
در ترازو درست چوں گنجد

زو بپرس ار بداند ایں ہنجار
نیست ہمتای او بہیچ دیار

راز زنیانش آشکارہ نہفت
باز گوئی چنانکہ دانی گفت

زنِ زیرک مزاج دور اندیش
زیرکانہ نہاد پاے بہ پیش

تحفۂ برگرفت و رہ برداشت
رفت جائی کہ کار در سر داشت

تحفہ را برد پیشِ کد بانو
چوں دگر باز گشت ہم زانو

گہ بافسانہ و گہے بفسوں
از دلش خوردہ می کشید بروں

تا وے از کاردانِ خود بدلیل
پرسد آئینِ برکشیدنِ پیل

ہر نمط وصف کرد کالا را
پیل و آں گنج پیل بالا را

---

[1] حجب = فرصتے [2] ر = حاسداں

زیر و بالا نمود چند انش[۵۱] — کز سخن موم کرد سندانش
کرد[۵۲] این سکّه در مزاج درست — کز حسن وزنِ سکّه باید جست
شب چو شد پیل بندِ جو زار است — چرخ زرّ انجم بساطِ سبز آرامت
حسن از کارِ گه بخانه رسید — مرغِ زیرک در آشیانه رسید
چون دل از کار خوردنی پرداخت — از پئے خواب سوی بستر تاخت
صنمِ خانه شد بخدمت[۵۳] شوے — در کنارش خزید روباروے
خواجه را دل در اهتزاز آمد — نازنیں در نشاطِ ناز آمد
هر دو بر نسبت زنا شوئی[۵۴] — تازه کردند رسمِ دلجوئی
خواجه میگفت و رهنماں باجفت — انچه با او بپرده باید گفت
سیمبر نیز پیشِ محرمِ خویش — بازمی گفت شادی و غمِ خویش
چون ز هر گفتگوی واپرداخت — سخن از پیل و وزنِ پیل انداخت
گفت کاے در همه هنرها طاق — فیلسوفے بزیرسبز رواق[ق]
از هنرهاے بیکرانهٔ تو — رفت گردِ جهاں فسانهٔ تو
من ز تو هر چه قصه پیش کنم — ناز بر همسرانِ خویش کنم
پیلِ زریں که ساز کرده تست — درے از سحر باز کرده تست

---

۵۱ صفت گوناگوں کردن ۱۲ ۵۲ رس = کردش ۵۳ س = بخلوت
۵۴ الف در زنا شوئی بجاے واو عطف آمده چنانکه در لفظ سراپا ۱۲
ق رجب = در هنر بعالم طاق

هرچه از پاے دیدمش تا سر — هست جایش زجاے زیباتر
لیک یک مشکل آیدم بخیال — پرسم ار پاسخم دهی بسوال
مرد گفتا که آنچه میدانم — از همه پوشم از تو نتوانم
باز پرس آنچه گردد بضمیر — تا کینمت یگان یگان تقریر
زن بدو گفت کآن خیالِ شگرف — که در و زر هزار من شد صرف
صنعتش گرچه از حد افزون ست — صنعتِ وزن کردنش چون ست
گر ترا باشدت تصوّرِ چیست ق — که تواں برکشیدنش بدرست
آگهی ده که باخبر گردم — شادیم هست شادتر گردم
مرد گفتا که هست در مشتم — صد هنر ملک در هر انگشتم
لیک دلرا[1] خود نهفته دارم راز — کز کس انصافِ خود نیابم باز
گر نمایم هنر بهشیاران — نه برم جان زدستِ همکاران
نغز گفت آن حکیمِ دوراندیش — که هنر هرچه بیش دشمن بیش
زن بدو گفت کآنچه از دلِ خویش ق — بازپوشی زخلق حاصل خویش
جای آن باشدت که اندر پوست ۲ — نیست خالی کسی[2] زدشمن و دوست
لیک احوالِ خود بنا موشی ۳ — باکه گوئی اگر زمن پوشی
خواجه گفتا که راست ست و درست ق — که مرا محرمے دگر نه چو تست

---

[1] ب = با　　[2] رنجب = جهاں

لیک آخر زنی و هیچ زنے — نتواں داشت محرمِ سخنے
زن کہ در عقل بے کمال بود — راز پوشیدنش محال بود
زن بدو گفت کای ز دانش دور — زن بود شوی خویش را دستور
ہرچہ باشد ز مردماں بہفت — جز بجفتِ عزیز نتواں گفت
من کہ بودم ہمیشہ محرمِ تو — باکہ گفتم ز شادی و غمِ تو
تا چنیں مُہر بر زباں داری — از من اسرارِ خود نہاں داری
مرد گفت ایں سزای گفتن نیست — قصّہ جز از تو در نہفتن نیست
گر بروں ریزم از دل ایں فنِ خویش — خونِ خود خود کنم بگردنِ خویش
ق
زن کہ بر مرد کامگاری داشت — دل بکارِ ستیزہ کاری داشت
کوشش و جہد در میاں آورد — عصمتِ شوی در زیاں آورد
خواجہ کو رازِ بوقلمونِ[۱] فرماں بود — راز پوشیدنش نہ شایاں[۲] بود
گفت گر بایدت کہ بے کم و کاست — ہرچہ پرسی ز من بگویم راست
عہد و سوگند در میاں آید[۳] — کیں حزینہ ز بند نکشاید
زن وثیقت نمود و پیماں بست — کہ نیاید[۴] بہ فیل بند شکست
ق
اژدہے خواجہ برکشاد زباں — گفت با آفتابِ نوش لباں
کآنچہ پرسیدہ شد ز من بدلیل — شکل و ہنجارِ برکشیدنِ پیل

---

[۱] ا: اے غالب وسلط بود ۱۲ [۲] ا: اے مطیع او بود ۱۲ [۳] ر: سجح = نہ سامان [۴] س = باید
[۵] ر: سجح = کہ نیاید بقفل راز شکست

آنچناں باشدش طریقِ صواب | که درآرند کشتی اندر آب
درمیانش نهند پیلِ شگرف | درمقاسے که رود باشد ژرف[1]
پس ببینند درمیانه رود | چه قدر میرود سفینه فرود
چون حد آب را کنند نشاں | پیل بیروں کشند پیل کشاں
از گل و سنگ هم بداں مقدار | تخته تخته[2] کنند کشتی بار
تا خطِ آب برقرار رسد | واں تری برنشانِ کار رسد
آنقدر من که تا نشاں باشد | وزن و مقدار او هماں باشد
وانکه وزنش کم ست نامفهوم | بیش و کم اندراں شود معلوم
زن ازاں گونه حکمتے که شنید | درعجب ماند و پشتِ دست گزید
آفریں کرد[3] بر هنرمندیش | شد بجاں بندهٔ خداوندیش
هر دو با هم بعیشِ جاں افروز | خواب کردند شاد و خوش تا روز
زرگرِ صبح چون زکورهٔ خاک | موجِ آتش دمید بر افلاک
خواجه زرگر بسوی دکاں تاخت | با نوی خانه برگِ مهماں ساخت
آمد آں خواهرِ زبانی باز | بزبانِ فریب ناک دراز
چاپلوسی زحد فزوں می کرد | در هر افسانه صد فسوں می کرد
تا چناں کردش از فریب و غرور | کز دلش گشت بدگمانی دور

---

[1] ا ے عمیق ۱۲ [2] ح = سخته سخته [3] سخته سخته یا تخته تخته یعنی بسنجید و بسنجیده و موزن کرده ۱۲
[3] ح = گفت

خانہ را اعتماد بروے داشت — وز عزیزانِ صحبتش پنداشت
ہمہ پنہانِ خود کشادہ برد — مہرِ خویشانِ خود نہادہ برو[1]
پیشِ او ریخت ہرچہ در جان داشت — جز ہماں نکتہ را کہ پنہاں داشت
ہر دو با ہم درآمدند بکار — میزباں سادہ میہماں طرّار
ہر دم آں میہمانِ رنگ آمیز — شکلِ دیگر شدی طلسم انگیز
تا پس از مدتے بزرق و فسوں — آں سخن نیز زو کشید بروں
چوں کلیدِ حِنزانہ کرد بچنگ — قفل برداشت از درِ نیرنگ
رفت در پیشِ جفتِ فتنہ سگال — واگہی دادش از مجاری حال
مردِ پر غیرت و مخالف رائے — یافت انگیزشِ بلا را جائے
پیشِ شہ رفت و حال روشن کرد — دوستی را بکامِ دشمن کرد
گفت کاں پیلِ زرکہ دانا ساخت — زانچہ دادی کم ست در پرداخت
من چناں سنجشش درست کہ شاہ — از کم و بیشِ او شود آگاہ
شاہ گفت کہ آں ہنر بپویند — نہ بہ تنہا اساسِ کار فگند
ہیچ دانی کہ گاہ وزن و عیار — مشرفاں چند بودہ اند بکار
با تو زینساں ز غیرتے کہ فتاد — کنی او را بقلب کاری یاد
مرد گفتا کہ گاہِ سنجیدن — ہم تو دانی فزون و کم دیدن

---

[1] یعنی مثل فرہاد خویشان با دیگے محبت کردن گرفت ۱۲

گر کم آید ز دستان مال ‌ ‌ ‌ ورنه بادات خونِ بند حلال

گفت شه کاین چنین نگارشِ نغز ‌ ‌ ‌ چون دهم از شکستنش پالغز[۵۱]

در درستش بریز نمط مانیم ‌ ‌ ‌ وزنِ او ناشکسته چون دانیم

مردِ حیلت پژوه گفت که من ‌ ‌ ‌ سنجش ناشکسته هم بزنم[۵۲]

پس بهنجار وزن و کشتی وجوی ق ‌ ‌ ‌ کز زنِ کارداں رسید بشوی[۵۳ د۴]

همه یک یک بشرح باز نمود ‌ ‌ ‌ باورش داشت هر کسی که شنود

شه چو در گوش کرد گفتارش ‌ ‌ ‌ سهل بشمرد سکهٔ کارش

داد فرماں که بار چست کنید ‌ ‌ ‌ صدقِ آں ما جرا درست کنید

کاردانان روان شدند شتاب ‌ ‌ ‌ پیل بردند بر کرانهٔ آب

پیل سازنده را طلب کردند ‌ ‌ ‌ روز در چشم او چو شب کردند

بر طریقے که گفت چاره سگال ‌ ‌ ‌ یافت منزل بکشتی آں تمثال

تختهٔ کشتی از چناں بارے ‌ ‌ ‌ رفت در زیرِ آب مقدارے

تا بجاے که شد نشانِ تری ‌ ‌ ‌ نقش بستند در دلِ هنری[۵۵]

وانگهے پیل در بروں بردند ‌ ‌ ‌ سنگ در جاے او دروں کردند

سنگ سنجیده در ترازوی کار ‌ ‌ ‌ می فگندند من بمن مقدار[۵۶]

---

۵۱ نقصان ۱۲ ۵۲ اے ہمیں زماں ۱۲ ۵۳ ب = بروے ۵۴ ج = بدوے

۵۵ ہنرے بیاے نسبت مراد حسن زرگر اے حسن را معائنہ کنانیدند و گفتند کہ ایں نشان تری را ببیں و یاد دار ۱۲

۵۶ ر سنجب = بشمار

چوں بہ نہ صد منش شمار رسید — تریِ آب بر قرار رسید
زاں ہزارش[۱] کہ سکہ داشت اساس — صد منی بود کم بوزن و قیاس
مردِ صنّاع را بقلّابی[۵۲] — دست بستند بہرِ بے آبی[۵۳]
ہمچناں بستہ پیش بردندش — با مینانِ شہ سپردندش
شہ ازو باز جست قصّۂ حال — او نیامد کم از جوابِ سوال[۵۴]
گفت کاری نہ از رہِ دزدی ست — لیکن از رنگ و نام کم مزدی ست
صد منے بردم از ہزار منت — گر بخشی زکوٰۃِ جان و تنت
ورنہ اینک نہادہ ام بر جائے — بہرِ این روز در درونِ سرائے
تا بہ بینم کہ این نگارشِ چیست — کس تواند کہ بر کشد بہ درست
ہر کہ داند بوزنِ او ہنجار — من بشاگردیش کنم اقرار
وانکہ نتواندش کہ بر سنجد — سازِ آں در دلش کجا گنجد
داشتم چشمِ انتظار بسے — وزنِ آں سکہ در نیافت کسے
تا من آں دخلِ صد منے کم و بیش — مزدِ آں دانشِ آرمش در پیش
این نفس ہم زمن بروں افتاد — تا مخالف بآزموں افتاد
من چو زیں پردہ بر کشادم راز — پردہ پوشی چہ اکند غمّاز
من چو از گفتِ خود گنہ گارم — ہر چہ بر من رود سزاوارم

---

[۱] رس = ہزاریکہ
[۵۲] بسبب دغابازی ۱۲
[۵۳] بے آبروئی ۱۲
[۵۴] یعنی او ہم بہ دلیری جواب داد ۱۲

شاه فرمود تا زخانهٔ او — در خزانه رود خزانهٔ او
کارداران شتافتند چو باد — باز کردند خانه را بنیاد
آن زر و گنج دیگر از کم و بیش — همه بردند شاه را در پیش
شه فرستاد در خزانهٔ خاص — پس طلب کرد خواجه را بقصاص
بود میلی[1] ز شهر یک فرسنگ — از فرود شش[2] فراخ و بالا تنگ
صد گز از خاک بر کشید بلند — سر شش امین ز زر دبان و کمند
شه بر آنکس که خشمناک شدی — بردی آنجاش تا هلاک شدی
نرسیدش چو خورد و آشام — چند روزی شدیش کار تمام
بر حسن چون بخشم شد رایش — هم در آن میل ساخت ماوایش
داد فرمان که هم بر ین زبرش — برکشند و زنند قفل درش
بسته شد روزنی که هر جا بود — جز همان روزنی که بالا بود
او بروزن نشسته با دلِ ریش — چشمِ حیرت کشاده در پس و پیش
زیر و بالا نظاره میکرد — با خود اندوه و حسرتی میخورد
دید شخصی که میرسد از دور — همچو پروانه در زیارتِ نور
آمد آهسته بی رفیق و دلیل — گام بر گام تا بسایهٔ میل
چون نگه کرد خواجه یارش بود — زنِ نادانِ خام کارش بود

---

[1] میل یعنی منارهٔ بلند ۱۲ [2] یعنی از پائین پنا ور و از بالا تنگ ۱۲

آمد و نالہ بر کشید بلند — گریہ میکرد و روے و مو میکند

خواجہ گفتا کہ رفت چوں تقدیر — سود کے دارد ت فغان و نفیر

شاد[1] مذنا دانیت بدیں روزم — تا کشد روز بد بدیں سوزم

چوں بجاں او فتادہ کارم خاص — کوشم اکنوں بجاں برائے خلاص

آنکہ ہست ایں شکنجہ محکم ازو — ہست امید رہائیم ہم ازو

رنجہ کن سوے شہر گامے چند — سیرے ابریشم آر و سیرے قند

زن چو دانست کاں بلند مقام — نکند جست و جوے نا فرجام

رفت آں ہر دو را ہم اندر پے — بستد و باز شد بجانب وے

چوں نگہ کرد خواجہ از بالا — کہ زنش در رسید با کالا

دادش آواز و گفت بر سر تار — پارۂ قند کن بزودی بار

دہ بمورے کہ میرود بر میل — تا ببالاش می برد تعجیل

رشتہ را زود زودی کن باز — کز نشیبش کشد بسوے فراز

ہمچناں کرد زن کہ او فرمود — داد رشتہ بمور مور ربود

راند بالاے میل تا رکشاں — رسن فتنہ بر حصار کشاں

چوں بنزدیک رخنہ برد بزور — ریسماں[2] را کشید خواجہ زمور

گفت ہاں زود کن بیار شتاب — قدر صد گز طناب محکم تاب

---

[1] اے بشاند ۱۲ — [2] جب = رشتہ را در ربود

زنِ کار او فتاده باز بتفت[1] — زاں خرابہ بخانۂ خود رفت
رشتہ رازاں نمط کہ دانا بود — خود بخانہ درش مہیا بود
بستد از گنج خانہ پنہانے — راہ برداشت سوی ویرانے
چوں شتاباں بمیل باز رسید — سازِ[2] چارہ بچارہ ساز رسید
خواجہ تارے بریشم از بالا — ہشت چوں سلکِ لولوی لالا
گفت پیوستہ کن سرش بطناب — خم و پیچش کشادہ دار ز تاب
زن سرِ رشتہ زد گرہ برتار — او کشیدش بحیلہ و ہنجار
چوں سرِ رشتہ بر دبر سرِ میل — گشت مستورہ را بچارہ دلیل
گفت بر بند خویش را بر سن — تا برآئی سبک[3] ببام حسن
گفت زن چوں تو نائی اندر زیر — گشتی از جان و زندگانی سیر
منکہ ایں رنج از برائے تراست — بر زبر بردنم ز بہرِ چراست
خواجہ گفتا کہ تا شود معلوم — کہ چسانم دریں خرابہ شوم
زن برآں گفتہ استواری کرد — گریۂ با فغان و زاری کرد
در کمرگاہ چست کرد رسن — تا کشد خویش را بباغِ حسن
او ز بالا طلسمِ دیگر داشت — با عروس انتقام در سر داشت
حلقۂ بود آہنی در سنگ — محکم و سخت نے فراخ و نہ تنگ

---

[1] اے برگشت ۱۲ [2] ساز یعنی اسباب و چارہ یعنی علاج و از چارہ ساز مراد خواجہ حسن زرگر ۱۲
[3] عجب = دے [4] حس = ببلک

سرِ رشته در و کشید نخست — هم در آن رشته کرد خود را چست
لنگرے[۱] نیز کرد با خود بار — وانگہے شد معلق از دیوار
بار چوں سوئے او گرانی یافت — رسن از سوے زن روانی یافت
میہماں شد صنم بہ میلِ بلند — رفت در زیرِ میز باں بکمند
زاں طلسمی کہ کرد مردِ دلیر — مہ زبر شد عطارد[۲] آمد زیر
زن برآورد ز آسماں فریاد — گفت کز چیست بر من ایں بیداد
در زندانِ فتنہ بشکستی — خود ز زنداں شدی مرا بستی
گر بدانم کہ من گنہ گارم — گر کنی زیں بتر سزا دارم
ایں چہ بدمہری و ستمگاری ست — جورِ یاراں نہ از رہِ یاری ست
چہ خلاف از مزاجِ من دیدی — کیں ستم بر سرم پسندیدی
باز گو آمدار ز من کارے — تا شکایت ز خود کنم بارے
خواجہ گفتا کہ ہر چہ پیش آید — آدمی را ز فعلِ خویش آید
گر ندانی تو رنجِ پنہانم — منکہ خوں خوردم از تو میدانم
گر تو بیگانہ را بسنجشِ پیل — رہ نمونی نکردۂ بدلیل
وانچہ من ز ابلہی زدم نفسے — آشکارا نکردہ ام بکسے
من چرا در چنیں حزانہ شوم — کردمے نالہاے زار چو بوم

---

[۱] یعنی حسن اندکے بار ہم ہمراہ خود بآں رشتہ بست ۱۲ [۲] یعنی زوجہ حسن بالا رفت و حسن فرود آمد ۱۲

زن چو کرد آن فسانه را در گوش — گنه از خویش دید و گشت خموش
دل به تسلیم کردگار سپرد — ماند بیخود فتاده گوئی مرد
وان رسن تاب بو العجب پیشه — باز رست از طناب اندیشه
رفت و بنفت رخ بگوشهٔ شهر — تا چه پیدا شود ز گردشِ دهر
وان پری شب در آن نشیمنِ دیو — همچو دیوانه می نمود عزیو
روزِ دیگر ز بهرِ هیزم و کاه — مردمان رافتاد زان سو راه
کرد ناگاه زاری و فریاد — هر کسے سوے او دوید چو باد
زهره دیدند برج گیر شده — اخترے در وبال اسیر شده
ماند یوسف رخے بزندانے — نازنینے بحنتتانے
باز جستند ز و حکایتِ حال — او شد از راهِ خود فسانه سگال
قصهٔ حالِ خویش و حیلهٔ شوئے — وآنچه آمد ز روزگار بروے
وان بدشمن کشاده کردن راز — در فگندن رفیق را بگداز
وان رسن بازئے که کرد رفیق — حبسِ او در خلاصِ خود بطریق
هر که بشنید دست بر سر ماند — وز طریقِ خلاصِ او درماند
کس نیارست کز رواق بلند — بندئ شاه را کشاید بند
هر کسے چون بشهر رفت ز راه — زان حکایت خبر رسید بشاه
کان هنرور به بهترین رائے — کرد زان گونه زیر و بالائے

شاه زاں چارۂ خردمنداں — ماند لب را گرفتہ در دنداں
کرد اشارت زبہر پرسشِ کار — کآورید ند ماہ را زحصار
چوں بدرگاہِ شہ رسید عروس — از دروں برکشید نالہ چو کوس
وانچہ در زیرِ پردہ داشت نہاں — گفت در پیشِ شہریارِ جہاں
شہ غلامانِ خاص را فرمود — تا بجویند جفتِ او را زود
نقشِ[1] پنہاں بجست و جوی شدند — در کہ و دشت و شہر و کوی شدند
آگہی یافت خواجہ پنہانے — کہ بجاں آمد آفتِ جانے
دلش از بیمِ جاں شکست گرفت — کفن[2] و تیغ را بدست گرفت
پیشِ شہ رفت و کرد زاریِ خویش — شرمسار از گناہ گاریِ خویش
شاہ گفتا کہ باچنیں خردے — ق — کہ ندارد صناعتِ تو حدے
چیست کز حرصِ نفسِ فتنہ پرست — بخیانت دراز کردی دست
مردِ دانا نہاد سر بر خاک — ق — گفت کای دشمنِ تو باد ہلاک
تا جہاں ست در پناہِ تو باد — چرخ در سایۂ کلاہِ تو باد
من کہ اندیشۂ مرا بشمار — یک ہنر نے صدست بلکہ ہزار
ہر فنے کآں بہ است در ہمہ چیز — دارم از کسبے و عطائے نیز
لیک از بیمِ زرقِ بی ہنراں — ساختم خویش را ز بے خبراں

---

[1] مراد از جاسوسان عاقل کہ خط و خال را دیدہ نشان شخص یابند ۱۲
[2] یعنی آمادۂ مرگ گردید ۱۲

این نمودارِ زر که بنمودم — کیمیاے بس براند و دم
تا چو بیننده زر گرم داند — کیمیا کاریم نهان ماند
واں خیانت که کردم اندر مال — نه مرادم ذخیره بد نه منال
بود مقصودِ من بعقل و دلیل — آزمونِ کسان بسخبثِ پیل
چند گاهے نگاه می کردم — ق — چشمِ فکرت براه می کردم
که کسے دارد آں قدر فرهنگ — تا شود سرکشاے این نیرنگ
چارهٔ آں ز کس نگشت پدید — تا هم از من بروں فتاد کلید
شاه زانجا که رسمِ داد نمود — به هلاکم سپرد و برحق بود
هر کجا قلب کار دزد بود — گر سیاست کنند مزد بود
واں کهن از طریقهٔ رنداں — زنده خود را کشیدم از زنداں
واں زنِ بد که قفلِ راز شکست — خویشتن را کشادم او را بست
غرض آں بود کیں طلسمِ شگرف — ق — چوں رسد پیشِ شاه حرف بحرف
باز پرسد زمن نهانیِ من — گردد آگه ز کاردانیِ من
گر شهم برگنه قصاص کند — مملکت را بعدل خاص کند
ور گناهم ببخشد و جاں نیز — کرم و عفو بهتر از همه چیز
داشت شه نیز مهربانیِ او — از چه[1] ز افسون و کاردانیِ او

---

[1] از چه بطریقِ سوال واقع شده و از افسون و کاردانی او جواب یعنی از کدام سبب بادشاه خیال مهربانی میداشت بسبب دیدنِ افسون و کاردانیِ خواجه حسن زرگر ۱۲

گفت بارے بخشم این بارش — تا ببینم نہایتِ کارش
آنکہ کردارِ بد روا بیند — خود ز کردارِ خود سزا بیند
در بود در ہنر ستودہ اثر — برخورد ہم ز مال و ہم ز ہنر
شہ ز اندیشہ چنیں خورسند — بعد ازانش خلاص داد ز بند
در صفِ خدمت اختصاصش داد — شغلے از شغلہائے خاصش داد
چند گہ از کفایت و تدبیر — پایہ والاش گشت پیشِ سریر
از خرد کارش آں روائی یافت — کز ملک شغلِ کدخدائی یافت
تا بدانی کہ ہر کرا حسن دست — آرزوہاش در کنارِ خود ست
دانکہ زر سنجی از پئے دگراں — از زرِ خود نہاد گنجِ گراں
چوں بزر داشت نسبت از عامہ — رنگِ زر تازہ کرد بر جامہ
روز و شب با خود آں نشانی داشت — جامہ را رنگِ زعفرانی داشت
زر کہ اکسیرِ کامرانی یافت — عزت از رنگِ زعفرانی یافت
زعفرانی عجب تریں رنگ ست — گونۂ عاشقانِ بے سنگ ست
بے سنگر آں زر کہ زعفرانی نیست — در عیار آنچناں کہ دانی نیست
آفتابے کہ آسماں دارد — زینت از رنگِ زعفراں دارد
در مزعفر فزائشِ طرب ست — خندۂ زعفراں ازاں سبب ست
شاہ را چوں نگارِ شکر خاے — ق زعفراں وار شد نشاط افزاے

دربرآورد شاه زر قبائش زعفراں سایے گشت بر حلوائش

مجلس آراستن بہرام روز دوشنبہ در بہشتِ چہارم بہ گنبدِ ریحانی با ماہِ سبز رنگِ سقلابی[۳] ولباسِ خضر پوشیدن و سلسبیلِ حیات نوشیدن

در دوشنبہ کہ چرخِ ریحاں پوش داد گل را نشاط مرزنگوش[۱]

کرد خسرو چو سبز پوشی راے گشت رخشاں چو ماہِ سبز قبائے

راند با ہمنشینِ روحانی سوے گنبد سراے ریحانی

باز برگِ نشاط ساختہ شد بربطِ خوش دلی نواختہ شد[۲]

غمزہ زن گشت ماہِ سقلابی فتنہ را داد شغلِ بے خوابی

مجلسِ عیش و کامرانی بود تا بشب دورِ دوستگانی بود

چوں شبِ تیرہ گشت گوہر سنج در زمیں در شد آفتاب چو گنج

شاہ مست و حریف ہم سرمست رفت بیروں عنانِ ہر دو ز دست

گفت فرماندہ سریر بلند کہ شکر لب زپستہ ریزد قند

گوید افسانہ کزاں گفتن در شبِ تیرہ خوش تواں خفتن

---

[۱] مرزنگوش نوعے از ریحاں ست کہ خوشبو باشد ۱۲ [۲] س - خوش نوا

[۳] سقلاب بالفتح ولایتے ست از ترکستان منتہاے روم کہ مردمان آنجا بحسن صورت مشہور اند ۱۲

لعبتِ سیم با ہزار نشاط — سو درخ را بپائگاہِ بساط
گفت شاہا جہاں بکامِ تو باد — وز جہاں ہر چہ ہست رامِ تو باد
ہر کہ بد بیندت چو بد بیناں — دو زخی باد ہمچو بے دیناں
تحفۂ من کہ خاکِ راہ بود — کے سزاوارِ بزمِ شاہ بود
لیک زانساں کہ خسرواں دانند — بندگاں را بزرگ گردانند
من ہم آنچہ از فزون و کم دانم — چوں ملک مکرمست برخوانم
چوں بپوزش تمام کرد سخن — ق گفت وقتے بروزگار کہن

افسانہ گفتنِ سبز پوشِ سقلابی

بود فرماں دہے بہندوستاں — شہر و کشور ز عدلِ او بستاں
ہر چہ در خسروی بکار بود — ق کہ بداں ملک برقرار بود
داشت از مردی و جہانداری — خاصہ آئینِ میہماں داری
ساختہ میہماں سرائے خوب — یک[۵۳] بیک سازِ او ہمہ مرغوب
ہر غریبے[۵۴] کہ آمدی از راہ — در فرودیش ناز و نعمت و جاہ
باز جستی از و عجائبِ دہر — وز ہنرہائے او گرفتی بہر
تا رسید از قضا ش مہمانے — خوش جہاندیدۂ و ہنر دانے

۱؎ جب = در ۲؎ رسجب = ما ۵۳؎ یعنی تمام ۱۲ ۵۴؎ اجنبی و مسافر ۱۲

جادوئی کز دمِ فسوں پرداز — مردہ را جاں بہ تن کشیدی باز
شاہِ مہماں نواز خواندش پیش — دلنوازی نمودش از حد بیش
چوں بپرداخت[۵۱] زار حمندیِ او — جست بہرہ ز بہرہ مندیِ او
مردِ دانا ز شہ مساریِ جود — داد بیروں ہر آنچہ در دے بود
ز آنچہ میکرد شاہ را آگاہ — بیش ازاں گشتہ بود حاصلِ شاہ
تا دم از نکتہ ہائے[۵۲] جانی رفت — سخن از مرگ و زندگانی رفت
شاہ گفت آنچہ در جہاں ہنرست — ق — کآدمی زادہ را بر اں گذرست
از ہنر پروراں بخشش و برگ — کسب کردم مگر کہ چارۂ مرگ
چوں نبود ایں کلید بر مردم — بستہ ایں در بچار ہا کردم
زیں سخن رہ رو بیابانی — زیرِ لب خندہ کرد پنہانی
شاہ گفت اے خرد بجانِ تو حفت — سببِ خندہ باز باید گفت
شد مسافر بحیلہ عذر اندیش — کہ شود پردہ پوشِ خندۂ خویش
غنچہ[۵۳] گہ باز کرد و گہ پیوست — آنچہ بشگفتہ بود باز نہ بست[۵۴]
چوں دمِ عذر دلپذیر نبود — گفت چیزے کزاں گزیر نبود

---

۵۱ یعنی شاہ چوں از تعظیم و عزت دادن مہمان فارغ شد ۱۲ ۵۲ اے شدہ شدہ سخن در ذکر جاں افتاد ۲
۵۳ مراد از غنچہ دہن باشد یعنی لبہاے خویش را از خندہ باز کرد و بار دیگر فرو بست لیکن خندہ بر حالیکہ دلالت کردہ بود آں را منفتن نتوانست ۱۲
۵۴ حرس = باز بست

که مرا چون بجست و جوے ہنر ق شرق تا غرب گشتہ[۱] ہمہ یگر
ہر کجا در زمانہ نیرنگی ست کہ پژوہندہ را در و رنگی ست
اندک اندک بہر دہ و شہرے برگرفتم ز ہر یکے بہرے
تا رسیدم باوستادے چیست کہ دم از نقلِ روح زد بدرست
بفسوں جانِ خود[۲] بروں کردے در دگر کالبد دروں کردے
عمرے از خلق روپے چپیدم خدمتش را بجاں بسنجیدم
تا چناں شد ز شرمساریِ من کایں فسوں دادیا دگاریِ من
ہر چہ من زو گرفتہ ام تعلیم گر تو جوئی ترا کنم تسلیم
شاہ[۳] گفتا کہ بارے اوّلِ کار آزمونی ببایدم ناچار
مگسے را بکشت خواجہ بتفت[۵۴] از خود آمد بروں و دروی رفت
قالبِ مردہ بر زمیں افتاد در زماں آں پریدہ وایں افتاد
قدرے کرد سو بسو پرواز باز در قالبِ خود آمد باز
خفتہ برخاست از زمیں خنداں ماند بیندہ دست در دنداں
گفت اگر آگہی[۵] دہی زیں حرف یادگاریم باشد از تو شگرف
وآنچہ من دارم از جواہر و گنج ہمہ[۵۵] را پیشت آورم بے رنج[۵۶]

---

[۱] ج بر س = گشتہ شد کیسر [۲] س = زتن [۳] ح = گفتش
[۵۴] تفت بمعنی گرم و ایخا بمعنی شتاب وجلد ۱۲ [۵] رجب = آگہم کنی [۵۵] رجب = نیمہ
[۵۶] یعنی بید رنج ۱۲

گفت دانا کہ زر کدام خس ست ‌ ‌ ‌ ہنرِ من مرا خزینہ بس ست

آنکہ[۵۱] او کیمیائے جاں دارد ‌ ‌ ‌ زرچہ باشد کہ دل بداں[۵۲] دارد

عہد کردم کہ بے توقعِ خواست[۵۳] ‌ ‌ ‌ در تو آموزم ایں ہنر کہ مراست

کار فرما چو عہد محکم کرد ‌ ‌ ‌ کار دانش[۵۴] بکار محرم کرد

در وے آموخت آں فسوں سانی ‌ ‌ ‌ تاش بازی نمود و جاں بازی

پس زدانش بآزموں آمد ‌ ‌ ‌ جیفۂ جست و در فسوں آمد

بفسوں جانِ خویش در وی بست ‌ ‌ ‌ ایں زپا او فتاد و او بنشست

سخنے گفت و جانبے برگشت ‌ ‌ ‌ کآزمونش بصدق باور گشت

پس دُرِ خود بدرج[۵۵] باز نہاد ‌ ‌ ‌ دیدہ بر پائے سحر ساز نہاد

راہرو رفت و شاہِ دولتمند ‌ ‌ ‌ داشت پوشیدہ رازِ خود یک چند

پس باندیشہ گفت با دلِ خویش ‌ ‌ ‌ کہ چہ حاصل مرا ز حاصلِ خویش

چوں زمن بہرۂ بکس نرسد ‌ ‌ ‌ نَفَسے سوئے ہم نَفَس نرسد

شمع باشد ہنر کہ چوں افروخت ‌ ‌ ‌ زاں یکے صد چراغ بتواں سوخت

حیف باشد کہ ایں چنیں ہنرم ‌ ‌ ‌ کس نیاموزد و بخاک برم

تا بوقتے کہ دل نماند صبور ‌ ‌ ‌ راز بیروں فگند با دستور[۵۶]

چند گہہ ایں خیال می سنجید ‌ ‌ ‌ ویں ہنر در دلش نمی گنجید

---

۵۱ ر = ہر کہ ‌ ‌ ۵۲ حرس = برآں ‌ ‌ ۵۳ مراد از خواست مال باشد ۱۲ ‌ ‌ ۵۴ ضمیر شین راجع بسوے شاہ ۱۲ ‌ ‌ ۵۵ یعنی باز جان خود در جسد خود آورد ۱۲ ‌ ‌ ۵۶ وزیر ۱۲

دروے آموخت رمزِ جانی خویش — خاص کردش بر مزدانی خویش
روزی از قلبِ[1] گاہ دنجیر — دور ماندند با دشاہ و وزیر
شاہ صیدے بہ تیر کرد ہلاک — خواست بندد بگوشۂ فتراک
گفت دستورِ خارج اندیشہ — ق — کاے ہنر پرور خرد پیشہ
صید مردہ است و صید گہ خالی — سیمیائی نما بمن حالی
شہ ندانستہ بود کآں بدعہد — در نہاں بر خلاف دارد دہد
او[2] شد از قالبِ گرامی دور — گرم در شد بقالبش دستور
بر فرس جستہ راہ پیش گرفت — دامنِ اختیارِ خویش گرفت
لشکر از ہر طرف فراز آمد — شاد و خنداں بخانہ باز آمد
در حرم رفت و کامرانی کرد — با بتے چند ہر چہ دانی کرد
ہر صنم کاندراں شبستاں بود — خدمتش را چو زیر دستاں بود
جز یکے نازنینِ کار آگاہ — کآگہی داشت از حکایتِ شاہ
ساز کردی چو شہ عزیمتِ خویش — آں صنم[3] حاضر آمدی در پیش
رفت چوں سوی آں حرم دستور — ق — تا خورد آبِ کوثر از لبِ حور
بنشاطِ تمام با بانو — بر سرِ تخت گشت ہم زانو
بے ادب وار بر دسویش دست — صنم از جاے خویشتن برجست

---

[1] س = صیدگاہ [2] س = شہ [3] رنجب = پری

هم بهنجار کارِ او دریافت — کآں خزانہ متاعِ دیگر یافت

خواجہ چندانکہ بیش زاری کرد — دلِ با نوکم استواری کرد

گفت گر خوں فشانی از تنِ من — نرسد دستِ تو بدامنِ من

لیک چندے صبور باید بود — تا چہ پیدا کند سپہرِ کبود

گر بدانم کہ تو ہماں شاہی — با تو باشم چنانکہ می خواہی

ور تو افسونِ او بروبستی — دستِ خود باز کش ز ہمدستی

گر بنظّارہ می شوی خرسند — بس بود سایۂ ز سروِ بلند

ور برآہو زنی طپانچۂ شیر — جفتِ من آتش ست یا شمشیر

چوں نگہ کرد خواجہ کآں مہ روے — ہست صیّاد بحق گزاریِ شوے

آفریں صد ہزار بروے خواند — ہم بچشمے زد و رفتانغ ماند

وآں طرف آہوے بیاباں گرد — راند با آہوانِ دشت نورد

جست میزد بہر چہ خواری — در جگر سوز و در دل آزاری

گردِ ہر کوہ و دشت و ویرانی — ہیچ خوردش نہ جز پشیمانی

روزے اندر سوادِ صحرائے — پویہ میزد چو بے سر و پائے

دید افتادہ طوطئے بگذر — سبز تر در میانِ سبزۂ تر

گرم ز آہو نہاد بیروں پاے — ساخت اندر نہادِ طوطی جاے

لہ اے پادشاہ کہ در کالبد آہو بود ۱۲

جانِ شیریں بداں شکر خاداد — خضرے را دمِ مسیحا داد

در ہوا رفت و گشت در پرواز — تا شود سوے شہرِ خویش فراز

فوجے از طوطیانِ دشت گراے — گرد گشتند بر وے از ہر جاے

چوں بدانش بزرگ دیدندش — بر سرِ خویش برگزیدندش[۱]

صید سازے بر وضۂ چو بہشت — دامے افگندہ بود بر سرِ کشت

فوجِ طوطی بسبزہ شد ز ہوا — سبزہ[۲] بر سبزہ بر کشید نوا

آگہی شاں نبود تا صیّاد — رشتۂ دام را شکنجہ نہاد

بود صیّاد تشنہ در تفّ[۳] و تاب — آب جویاں بجوے رفت چو آب

داد مرغ مہیں بیاراں پند — کہ نمی بینم ایمنے زیں بند

زیں گزندی کہ راہ در جاں یافت — جز بمردن خلاص نتواں یافت

صید[۴] گر تا بخونِ صید نتاخت — خویش را زود مردہ باید ساخت

پیش ازاں باید اے چنیں مُردن — بو کہ زیں فتنہ جاں تواں بُردن

ہمہ گفتند کانچہ فرمائی — کردنی شد بجاں و بینائی

گفتِ تو حرزِ جانِ خویش کنیم — گر نمیریم چشم[۵] پیش کنیم

ہمہ خفتند و مرغِ کارگزار — ماند بر پاسِ کارِ خود بیدار

مردِ صیّاد چوں رسید فراز — تا سرِ دام را کشاید باز

---

[۱] یعنی افسر و بادشاہ خود کردند ۱۲ [۲] حرس = در [۳] حس = تب [۴] صیاد ۱۲

[۵] یعنی ہمچو مردگان چشم بند کنیم تا اثر حیات پیدا نگردد ۱۲

دید کز صد خضر که پنهان داشت | یک خضر بود کآبِ[۵۱] حیوان داشت
ماند حیران که این چه شاید بود | مگر از خود هراسِ شان بربود
دام را باز کرد و ریخت برون | طوطیان را بخاکِ طوطی گون
برپریدند مردگان. هوا | زنده[۵۲] از دام برکشید نوا
گفت صیاد را که دل خوش دار | زین زیان سینه نامشوش دار
هرچه حاصل شدی از ایشانت | من به تنها دهم دو چندانت
طوطیِ داں مرا بدانائی[۵۳] | که کنم[۵۴] در سخن شکرخائی
طوطیان گر شکر خورند و نبات | خضرم من که ریزم آبحیات
مرد چون گوش کرد گفتارش | خیره ماند از شگرفیِ کارش
دام بردوش کرد و راند بشهر | تا ز بختِ خودش چه باشد بهر
شد خراماں میانِ بازاری | تا کند تحفه را خریداری
دید کآمد میانهٔ بازار | شاهدے همچو صد هزار نگار
زلفِ مرغول[۵۵] عنبر آلوده | هندو[۵۶] آسا بگل درآموده
نرگسش از کرشمه شور انگیز | کشته عشاق را بغمزهٔ تیز
ناگهاں در رسید تیز آهنگ | پس بصراف زادهٔ ز دبچنگ

---

۵۱ آب حیوان داشتن زنده ماندن ۱۲ ۵۲ اے بادشاه که در قالب طوطی بود ۱۲
۵۳ رنجب = بگویائی ۵۴ حرس = کند ۵۵ مرغول بروزن مقبول بمعنی پیچ و تاب موے پیچیده ۱۲
۵۶ جب = همچو هندو

گفت دیدم من امشب اندر خواب — با تو خوش بوده ام بنقل و شراب
با من اندر نشاطِ جان افروز — همه شب کام راندهٔ تا روز
با چنین نیکوئی که من دارم — مزدِ شب شد هزار دینارم
گر بلطفم دهی کرم دانم — ورنه منّت خود بعنف بستانم
چون[۵۳] ازینسان بسے فسون آورد — پورِ صرّاف راز بوں[۵۴] آورد
در زر آن شوخ چنگ در دامن — خلق گرد آمده به پیرامن
باز میگفت هر یک از کم و بیش — سخنے بر قیاس و دانشِ خویش
حجتے کس چناں نداشت درست — که شود دعویِ مخالف سُست
ماندزاں گونه در عجب صیّاد — که زصید خود شش نیامد یاد
تیز[۵۵] شد طوطی هنر پرداز — داد صیادِ خویش را آواز
گفت کآں هر دو را بسوی من آر — تا بآسانی آید ایں دشوار
مردِ صیاد کآں حدیث شنود — هر دو را خواند پیشِ طوطی زود
در دویدند هر دو مشغله ساز — باز گفتند پیشِ طوطی راز
گفت کز هر دو سوی باشد عهد — که زانصاف نگذرند بجهد
ما جرا را چناں شوم دستور[۵۶] — کیں غبار از میانه گردد دور

---

۵۱ رجب = گوئی ۵۲ س = از تو بزور ۵۳ جب = زن کز مینساں ۵۴ لے عاجز و لاجواب کرد ۱۲ ۵۵ رجب = طیره ۵۶ دستور یعنی ضابطه و آئین یعنی انصاف ایں مقدمه چناں بآئیں کنم ۱۲

شرط و پیماں درست شد زدو سوے — کہ کس از گفتِ او نتابد روے

طوطی آورد روے در صرّاف — گفت ہاں بدرۂ درم بشگاف

بر شمار آں قدر کہ می گوید — تا چنانش دہم کہ می جوید

چار و نا چار مردِ سیم گذار — بدرہ را باز کرد بہرِ شمار

او درم ریخت از پئے تسلیم — سیمبر خواست تا رُباید سیم

گفت طوطی کہ ایں سخن نہ راست — باید آئینہ کہ گوید راست

کآنچہ من دارم اندریں سینہ — نیست اُستادِ من جز آئینہ

داشت آں رشکِ خانۂ جمشید[۵۲] — با خود آئینۂ بہ از خورشید

در زماں بہرِ آں معائنہ را — پیشِ طوطی نہاد آئینہ را

مرغ گفت آنچہ سیمبر درخواست — بر شمارید پیشِ آئینہ راست

چوں درم جملہ در شمار آمد — عکس در آئینہ بکار آمد

کرد اشارت بماہِ شکّر وش — کہ زر اینک در آئینہ است بکش

کآں عملِ کز خیال گشت درست — مزد نیز از خیال باید جست

زیں تحکم کہ کرد طوطی ساز — ماند حیراں نگارِ شعبدہ باز

در تماشاش خلق پشت[۵۳] بہ پشت — لب گزیدند گاہ گاہ انگشت

گشت منظارگی چناں بسیار — کز خریدار تنگ شد بازار

۱؎ حرس = قبلہ ۵۲؎ قبلہ جمشید کنایتہ از آتش و اینجا مراد ازاں زن شعلہ رو ۱۲

۵۳؎ انبوہ خلایق کہ صف بصف و پس و پیش ایستادہ باشند ۱۲

نازِ صیاد هرچه افسوں بود — نرخِ مرغ از قیاس بیروں بود
تا خبر شد بشهر کوے بکوے — زاں شکرخای مرغِ شیریں گوے
حرمِ شه که بود با دلِ ریش — در وفاداریِ مسافرِ خویش
میگذشتش بکنجِ تنهائی — روزگارے بناشکیبائی
غم همیخورد و غمگسار نداشت — مونسے جز خیالِ یار نداشت
چوں خبر یافت کز نوادرِ دهر — اینچنیں مرغ آمده است بشهر
کرد اشارت که خادمانِ حضور — زود نزدیکش آورند از دور
تا در آں بے دلی و بے[1] سنگی — مونسے باشدش بدل تنگی
پیشوایاں شتافتند چو باد — تا ستانند طوطی از صیاد
نقد قیمت بکف نهادندش — زانچه میخواست بیش دادندش
آوریدند بهرِ دستانے — طوطیِ را بشکرستانے
با نوش پرسشے نمود بگفت — او دُر افشاند و ایں گهری سفت
با شکر لب بصد دل انگیزی — کرد شیریں و شکر ریزی
قفسش ساخت با نوازشِ ناب — پس در آویختش بحجرهٔ خواب
چوں شدی زاندهِ فراق ملول — خویش را داشتی بدو مشغول
او بصد لابه در شدیش ببست — رفتی از وے غبارِ دوریِ دوست

---

[1] جب = شمار — [2] بے وفاری ۱۲

بامدادے ز سازگاریِ بخت — بود تنہا عروس بر سرِ تخت
ہمچو خورشید تافتہ رویش — سایۂ ہم نبود پہلویش
مرغِ زیرک چو دید جا خالی — کرد پیدا نہانِ خود حالی
آفتے کز سر یرکردش دور — قصۂ خویش و فتنۂ دستور
واں گرفتن بچرمِ آہو جاے — سبزہ بر سبزہ گشتن آہو پاے
واں پریدن بدشت پیمائی — در صفِ طوطیانِ صحرائی
واں گزیدن بدامِ صید گراں — بندِ خویش و رہائیِ دگراں
واں در آئینہ وانمودنِ کار — سیم را کردنی بعکس شمار
تا بدا ینجا کہ بختش آنجا برد — کہ دلش در سرِ تماشا[1] برد
نازنیں چوں شنید گفتارش — خوں چکید از مژہ بر رخسارش
خاست از پیشگاہِ تخت چو باد — بوسہ بر دست و پاے طوطی داد
گفت کاے ہمنشینِ دیرینہ — مرہمِ درد و راحتِ سینہ
ہیچ دانی کہ چند بزمِ[2] رنج — تا ز دیدت شدم سعادت سنج
وین زمانت[3] کہ با من ست نشست — نیز گوئی کہ نیستی در دست
جفتِ ہر یک بجنسِ[4] وے باشد — آدمی جفتِ مرغ کے باشد

---

[1] رس = تمنا [2] رس = دیدم [3] اے این وقت کہ با من نشستہ نیز گویا در دست من نیستی چرا کہ تو در صورت طائر و من بصورت انسان ہستم ازیں سبب اکنوں ہم ہماں جدائیست ۱۲
[4] رسجنس = ہر کس ز جنس

مرغ گفت آں درّے کہ دشمن بست | غم مخور کآں کلید نیزم ہست
چارہ آں شد کہ از دمِ تزویر | خویشتن را دہی برائے وزیر
گوئی او را کہ ہر چہ داری کام | بیکے شرط زآنِ تست تمام
آنکہ جانِ عزیز ہر زمنے | چوں ہمی ریزی از تنے بہ تنے
زیں فسوں دم دہی بدانسانش | کہ برآری زکالبد جانش
قالبِ مردہ پیشش اندازی | تا شود ہمدمش بدمسازی
او چو بیروں رود ز خانۂ خویش | من درآیم درآ آشیانۂ خویش
نازنیں کیں نوید جانی یافت | مردہ گوئی کہ زندگانی یافت
چوں درآمد بوقتِ خود دستور | تا کند ماہ را نظارہ زدور
خاست سرورِ روان ز گوشۂ تخت | جائے دادش بنزدِ خویش چو بخت
گفت دستور خیر ہست کہ دوست | با من امروز مغز گشت بپوست
بچہ خدمت چنیں بلند شدم | کہ بدرگاہت ارجمند شدم
کرد زیبا نگارِ حیلت جوئے | تبہ تکلف چو شرمساراں روئے
گفت بنود کنوں قرار مرا | کادبت کرد شرمسار مرا
باز دیدم بدانش آگاہی | روشنم شد کہ تو ہماں شاہی
لیک یک آزموں دگر دارم | تا زدل زنگِ شبہ بردارم

لہ: درس = درم لہ: جب = ہست بدست
لہ: حجب = بآشیانۂ
لہ کا ابت یعنی ادب تو ۱۲

آزموں آنکہ آں مسافرِ چست
داشت افسونِ نقلِ روح درست

بفسونے زخود بروں رفتی
در و گر کالبد دروں رفتی

آنچہ بایستی اندرو بودی
بازرہ سوئے خانہ پیمودی

گر ز تو بینم آں چناں ہنرے
تو شہی خاک بر سرِ دگرے

من ہماں بندہ ام بجانِ عزیز
خواہیم جفت ساز و خواہ کنیز

خواجہ کش در دل ایں تمنا بود
کآرزومندِ یک تماشا بود

چوں کلیدِ خزانہ نہ یافت بچنگ
از پئے گنجِ سیم شد بے سنگ

پاسخش داد کآنچہ فرمان ست
رضیم گرچہ حکم بر جان ست

چہ متاع ست جانِ خاک وشم
کز دل و دیدہ پیشِ تو نکشم

باتو کو را ہوائے دمسازی ست
بازیِ جانش کمتریں بازی ست

گو بیا رند زود جانورے
تا نمایم نظارۂ ہنرے

نازنیں چست خود دوید چو باد
مرغ آورد و پیشِ خواجہ نہاد

خواجہ کشتش ولے بہنجاری
کہ نیاید بقالب آزاری

وانگہہ آہستہ در فسوں آمد
بفسوں از جسد بروں آمد

رفت در مرغ و مرغ جست زجائے
تنِ بیجاں در او فتاد زپائے

چوں تہی دید شاہ قالبِ خویش
سبک آمد فرود زمرکبِ خویش

رفت در ہفت[1] منظرِ جانی
پنج نوبت زناں بسلطانی

[1] ہفت اندام ۱۲

در زمان مرغ را بخجر کشت — کشته را بیں که بارِ دیگر کشت

جفتِ خود را در آں وفاداری — کرد چوں مخلصاں ہَوا داری

بس گرامیش کرد مہر افزود — زاں گرامی ترش که اوّل بود

قدرِ او آنچه داشت افزوں کرد — دیگراں را ز خانه بیروں کرد

بعد ازاں زاں وفا که داشت بپوست — طوطیاں را گرفت در دل دوست

کرد حکمت بطوطیاں تعلیم — سکّهٔ طوطیاں نهاد بسیم

چند طوطی همیشه با خود داشت — خویشتن را زجنسِ شاں پنداشت

کرد چوں طوطیانِ بستانی — پائے تا سر لباسِ ریحانی

سبز ریحانی است رنگے نغز — داد بیننده را طراوتِ مغز

سبزه در باغ رنگِ ریحاں یافت — دیده از سبزه روشنی زاں یافت

شاخِ ریحاں طرازِ نسرین ست — باغ را زیور از ریاحین ست

گلعذارے که خار خار دل ست — خطِ ریحانیش بہارِ دل ست

چوں صنم مست کرد پنہانی — شاه را زاں شرابِ ریحانی

شه فرو خفت و یارِ زیبا هم — همچو ریحان و یاسمن با هم

گلگشتِ بہرام در سه شنبه سوی بہشتِ پنجم و گل افشاندن در گنبدِ گلناری با گلعذارانِ تاتاری و گلاب گل کرده از بلبله نوش کردن

در سه شنبه که صبح لعل دمید ق رنگ گلنار بست بر خورشید
شاهِ بهرامِ گور چون بهرام[۵۱] گشت گلنار گون بجامه و جام
عزمِ گنبد سرای گلگوں کرد وز دل اندوهِ دهر بیروں کرد
لعبتِ تنگ چشمِ تاتاری آمد از غمزه در جگر خواری
برمیاں بست کرد گیسوے تر موی[۵۲] راهم ز موی ساخت کمر
خدمتِ شه بآرزو میکرد شاه میدید و آرزو می خورد
همه روز آں طرب مهیا بود کشتیِ باده همچو دریا بود
شب چو پرویں نمای گشت سپهر ماه برخویش بست زیورِ مهر
داد فرماں خدایگانِ سریر کآید آں ماه روی در تقریر
بفسوں[۱] در فسانهٔ چو نبات مغزِ شه تر کند بآبِ حیات
سجدهٔ بندگی نمود عروس کرد طوطیِ لب چو خونِ[۲] خروس
گفت جاوید زی بدولت و بخت زیرِ پایت همیشه پایهٔ تخت
سر که گرد و زدستیِ تو پاک باد در پاے دوستانِ تو خاک
چه بضاعت مرا بود در بار که کشم پیشِ شاهِ گیتی دار
لیک چوں شاه داد دستوری دا کشایم دمے بمعذوری

---

۵۱ بهرام یعنی مریخ که سرخ بر فلک پنجم تابد ۱۲
وازنکر کر بند که بهندی آنرا پٹکا نامند ۱۲

۵۲ مراد، زموے اول کمر و از ثانی موے زلف

[۱] حجب - د [۲] ن = چشم

کرد چوں عذر خواہی از حد بیش ق گفت وقتے زو قتہا زیں پیش

غنچہ کشادنِ بہارِ گلرو از بادہای خوش و بلبل وار افسانۂ عاشقانہ گفتن

پنج یارِ ہنر شناس و جواں — از حد مولتاں شدند رواں
زاں یکے بود با دشت زادہ — از بزرگی بخوردی افتادہ
پورِ بازارگاں بدآں دگرے — مایہ بیش و قماش بیشترے
سیومیں بود نقب گیری چست — کآہنش پنجِ کوہ کردی سست
شخصِ[1] چارم درود گر استاد — موشگافے بہ تیشۂ فولاد
پنجمیں بود[2] باغبانِ شگرف — کہ بگل یافتے حکایت و حرف
پورِ بازارگاں بلطف و نواخت — گاہ بیگاہ برگِ شاں میساخت
ہمہ با ہم موافق و دمساز — در حدِ کامرو[3] شدند فراز
کارواں زاں زمینِ مشک سرشت — سوی شہرے گذشت ہمچو بہشت
در سوادے بتازگی چو بہار — خیمہ بر کرد کارواں سالار
وآں جوانانِ نغز نگام بگام — می نمودند گردِ شہر خرام
بتماشاے باغ و سبزہ و جوی — قدمے میزدند سوے بسوے

---

[1] ب = بود [2] ح = شخص [3] کامرو ولایتیست در اقصاے بنگالہ ۱۲

تا تماشا کنان درآں پرواز — سوی بتخانہ شدند فراز

منظرے بود برکشیدہ بلند — چشم بندِ ہزار صورت بند

نقشبندانِ بانوے فرہنگ — نقشِ مانی تراش کردہ ز[1] سنگ

ہر نگارے چناں بزیبائی — کہ در و خیرہ گشت بینائی

نقش بینان کزاں طرف راندند — در تماشاے او فرو ماندند

زانہمہ نقش ہاے جاں آویز — گشت در پیکرے نظرہا تیز

کہ بحسن از قیاس بیروں بود — وز دگرہا بصنعت افزوں بود

از نگارے نمونہ پیکرِ او — کامرانی[2] نوشتہ بر سرِ او

بت کزاں ماہ رو نشانی داشت — ماہ رو نام کامرانی داشت

در زبانہاے ہندواں بہ سخن — کام[3] عشق آمدہ است رانی زن

در تماشاے او[4] بہ زیبائی — خیرہ می گشت نورِ بینائی

چشمِ بینندگاں درآں پرکار — ماند حیراں چو صورتِ دیوار

بیخودی در دماغِ شاں رہ یافت — عاشقی دستِ صبر کوتہ یافت

ہیچ دل گرچہ بے غبار نہ بود — لیک شہزادہ را قرار نہ بود

زلفِ شب تا حجابِ نور نگشت — چشمِ او زاں نظارہ دور نگشت

---

[1] ب = بسنگ [2] بر سرآن بت سنگی لفظ کامرانی نوشتہ بود ۱۲

[3] یعنی بزبان ہندواں کام عشق را و رانی زن را می گویند ۱۲

[4] جب = ز

شب چو بتخانۂ سپہر کبود — صد ہزاراں[1] بت از ہوا بنمود
خواستند آں مسافرانِ ملول — کہ خراماں شوند سوئے نزول
ہمہ را دل بسوئے منزل بود — جز فلک زادہ را کہ بیدل بود
گفت ما را شد اختیار ز دست — وائے دستے کہ رفت کار ز دست
نقشِ ایں سنگ دل ز دستم برد — شد بریں سنگ شیشۂ من خرد
تا نیفتاد[2] جانِ من بہ زوال — جانِ من بعد ازیں وایں تمثال
یا دریں نقش گم شود نفسم — یا بپیر[3] کارِ اصل باز رسم
ہمداں زیں حدیثِ بی سر و پائے — بی سر و پا شدند ہم بر جائے
پند دادند و جائے پند نبود — ہر چہ گفتند سود مند نہ بود
عاشقی چوں ز دل برآرد جوش — در نگنجد نصیحت اندر گوش
ہمہ زاں داوری زبوں ماندند — واندراں بقعۂ شب دروں ماندند
واں گرفتارِ سنگ با دلِ تنگ — چشم بر ہم نزد چو لعبتِ سنگ
صبح چوں پردہ بر جہاں بدرید — جامہ بر خود چو عاشقاں بدرید
ماند عاشق ز خوردنی بے بہر — ہمنشیناں رواں شدند بشہر
تا بجویند کار دانے چیست — کیں گرہ را کلید داند جست
کوئی بر کوئی میشدند شتاب — سینہ پر آتش و دو دیدہ پر آب

---

[1] اجسامِ فلک ۱۲ [2] اے تا وقتیکہ جانِ من نیفتد یعنی مرگ نمی آید ۱۲
[3] حاصل بیت اینکہ یا بمیرم یا از وصل شاہزادی لذت گیرم ۱۲

آں چناں شہر چوں بہارستاں — نزدِ[۱] شاں می نمود خارستاں
از کساں باز جست[۲] می کردند — راز صورت درست می کردند
تا در آں جستجو کہن پیرے — دادشاں را کلیدِ تدبیرے
گفت کاں صورتِ چو گلشنِ تر — کہ چو لالہ ز سنگ بر زدہ سر
نسخۂ[۳] نازنینِ ایں شہرست — کز رخش چشمِ خلق بے بہرست
غرفۂ کردہ انداز یک[۴] چوب — ہم ز آسیب دور ہم ز آشوب
او در آں مہدِ آسماں پیوند — چوں ستارہ بر آسمانِ بلند
کس نہ پہلوی آں بہشتی روی — جز کنیزے دو نارسیدہ بشوی
چوں ملک فارغ آید از ہمہ کار — عیش را نزد باں نہد بحصار
قلعہ گیرد[۵] دبتِ حصارے را — گل چند باغِ نو بہارے را
بادہ نوشد نشاط فرماید — خسپد و خیزد و فرود آید
گل فروشے ست زیرِ منظرِ شاہ — کہ رود سوی آں چمن گہ گاہ
گل بر د پیشِ سرو بنشیند — گلِ دیگر ز باغ بر چیند
رازِ ایں پردہ را شکار و نہفت — داند اما بروں نیارد گفت
گر بود رہ بآشنائیِ او — او بر د رہ بروشنائیِ او

---

۱ ا حجب = پیش شاں ۲ تلاش و تفحص ۱۲ ۳ ایں: از نسخہ مراد نقل تصویر شاہ زادہ ۱۲
۴ ا حجب = بر ۵ اے تنگ در بغل می گیرد ۱۲

آں جواناں برہمنوئے پیر — باز جستند زخمۂ تدبیر
پُرس پُرساں برو فراز شدند — چارہ جویاں بچارہ ساز شدند
در نہاں باوے آشنا گشتند — پس بدنبالِ ماجرا گشتند
پورِ بازارگاں چنانکہ تواں — سیم میریخت ہمچو آبِ رواں
گل فروش از عطای رو در رو — برگ چوں گل نہادہ تو بر تو
چوں یقیں گشت شاں کہ پنہانی — بندہ شد زاں زراں زر افشانی
باغباں زادۂ ہنر پیوند — بنہ[۱] در باغِ گل فروش افگند
او ہمہ روز گل بگل بستی[۲] — ویں ز بہر نظارہ بنشستی
گل فروش آں بنازنیں بردی — گلشنے پیشِ یاسمیں بردی
آں ہنرگرچہ بود از حد بیش — راز بیروں نمادی از حدِ خویش
تا یکے روز فرصتی دریافت — از بسے گل نمونۂ بر[۳] یافت
ہر منطزاں نمونۂ زیبا — نقش[۴] در نقش بست چوں دیبا
داد کیں تحفۂ جہاں افروز — ببر آنجا کہ میبری[۵] ہر روز
گل فروش آں بسر وبستاں برد — گلستانے سوئے گلستاں بر د
چوں کہ آں نوبہارِ باغِ جناں — صنعتِ گل ندیدہ بود چناں

---

[۱] بنہ یعنی درخت و بیخ درخت ۱۲ — [۲] اے گل دستہ ساختے ۱۲
[۳] طیار نمود ۱۲ — [۴] حجب = بر — [۵] ح = می بری

در تماشاے آں زبر تا زیر
ماند انگشت در دہن تا دیر

پس بدو گفت کیں نگارش چیست
نیست زانہا کہ کردۂ بنخست

زانکہ زینگونہ دستکارِ عزیز
از تو ناید زہیچ مردم نیز

کیست کیں گل نگار کردۂ اوست
چیست رازی کہ آں بپردۂ اوست

پیرزن گفت کارِ من ست
دیں گلستاں ہم از بہارِ من ست

از گلے گلشنے کنم درخورد
بجز از من دگر کہ داند کرد

نازنین گفت اگر ز ست ایں ساز
تو بکن پیشیم آنچہ کردی باز

کارہا چوں بآزموں آمد
کار پرداز زاں زبوں آمد

گفت کز راستی چو نیست گزیر
راستی را بروں دہم ز ضمیر

میہمانِ من ست برنائے
بغریبے رسیدہ از جائے

ہنرش از شمار بیشتر ست
دیں کہ بینی فزوتریں ہنر ست

بمروّت نگارِ شکّر خند
ریخت در دامنش درستی چند[۱]

گفت چوں رہ بری بیاریِ او
ایں دہی مزدِ دستکاریِ او

پیرزن باز گشت خورّم و شاد
دستِ مزدِ ہنر جواں را داد

سینۂ باغباں چو گل بشگفت
رفت و ایں ماجرا بیاراں گفت

آں وفا پروراں با فرہنگ
چوں سرِ رشتہ یافتند بچنگ

---

[۱] درست بضمتین بمعنی اشرفی ۱۲

خلوتے ساختند و شب کردند — مادرِ پیر را طلب کردند
اوّل از زر دهانش بر بستند — بعد ازاں مہرِ راز بشکستند
بیش و کم ہر چہ بود در دلِ ریش — باز گفتند یک یک از کم و بیش
بتِ سنگین و عاشقِ بے ننگ — قصّۂ دردمندیِ دلِ تنگ
پیر زن کین حدیث کرد بگوش — آمد از بیمِ خویش اندر جوش
گفت لب زیں سخن بباید دوخت — دل بسودای خام نتواں سوخت
گنبدے کاندراں بتِ سنگ ست — غلغلش تا ہزار فرسنگ ست
کس دراں سنگ یکدمی نہ نشست — کہ نیاید بزیرِ سنگش دست
واں بتِ سیم[۵۲] کش ندید کسے — سنگدل ترازاں بت ست بسے
ریخت صد خونِ بیدلاں ہوس — کہ فسوسے نیامدش بر کس
ہر کہ گیرد درونِ شہرش نام — در زمانش زباں کشند ز کام
سخنے کز خطاست پیوندش — نیک بنود کشادن از بندش
آں جواناں دگر بصد زاری — تازہ کردند رسمِ دلداری
ریختندش خزانۂ بکنار — بیشتر زآنچہ بود اوّل بار
گل فروش از چناں نوازشِ گرم — سرنگوں ماند چوں بنفشہ ز شرم

---

۱۲ جب = بداں

۵۲ یعنی آں معشوقہ کہ ہنوز کسے او را ندیدہ از تصویرِ سنگیِ خویش سنگدل و سخت تر ست ۱۲

گفت من کز برای نیمی دانگ — گردِ هر کوی میزنم گلبانگ
لطفِ تان[۵۱] مایه داد چندانم — که عدد کردنش نمی دانم
چون نوازش زحد فزون آمد — شکرِ آن هم زحد برون آمد
بهرِ آن کار کیں عطا ستدم — جان فشانم که خوں بها ستدم
گر برآید وگر نیاید کار — من یکے از شما شدم ناچار
یا درآرم سرش بچنبرِ خویش — یا ز چنبر برون کنم سرِ خویش
باغبان گفت گر پذیری راست — از توام نیست بیش ازیں درخواست
کآنچه گل می بری بسروِ بلند — صنعتِ دستِ من بدو پیوند
تحفهٔ من بدو فراز رسان — هر چه گوید بیاؤ باز رسان
پیرزن گفت کیں حدیث که بود — تو چه فرمائیم که او فرمود
بامداداں که گل بباغ شکفت — غنچه بیدار[۵۲] گشت و نرگس خفت
گل طلب کرد مردِ گل پیرائے — شد ز گلدسته بند نافه کشائے
کرد از گل نمونهٔ پرُ کار[۵۳] — نقشِ آن بت که دیده بر دیوار
نامِ او نیز بر سرش بر بافت — نقش و عنواں بنامه در خور یافت
پس فسونے برو دمید چناں — که نسیمش ز دست برد عناں

---

[۵۱] تان بمعنی شما ۱۲ [۵۲] مراد از بیداری غنچه طلوع آفتاب و از خفتن نرگس غروب ماهتاب و ستارگان ۱۲ [۵۳] نغز و خوب ۱۲

تحفہ چوں شد بماہِ تحفہ شناس — حیرتش باز شد بروں زقیاس

نقشِ خود دید و نامِ خود برخواند — در خود و نامِ خویش حیراں ماند

دردِ ماغش چو راہ یافت نسیم — گشت جانش زعاشقی بدونیم

شورشے در دلش دروں اُفتاد — دلش از خویشتن بروں اُفتاد

گفت با گل فروشِ مہر آمیز — کاے ہمہ صنعتِ تو مہر انگیز

چہ گل ست ایں کہ دل زدستم برد — تیرِ اندیشہ را زشستم برد

آنکہ بست ایں نمونہ بر گلِ نو — کرد جانم بدستِ فتنہ گرو

یکرہ اینجا رساں بہنجارش — تا تماشا کنم بدیدارش

پیرزن گرم دید چوں بازار — مرہمے تازہ یافت بر آزار

با پری وش زباں بافسوں کرد — واں سخن را سخن دگرگوں کرد

گفت کاے آفتابِ دلخواہاں — ق آرزومندِ روی تو شاہاں

کے سزد چوں تو دلربائے را — کہ برد نامِ ہر گدائے را

نازنیں را کہ دل قرار نداشت — ایں سخن را جوے بکار نداشت

پیرزن ہر چہ می نمود گریز — روغنے میزدش بر آتشِ تیز

تا بداں شعلہاے دم پرورد — پختہ کرد آنچنانکہ باید کرد

پس بہ پیمان و عہدِ محکم و چست — گفت رازِ نہفتہ را بدرست

لہ حجب = وآزمون — لہ محب = کردش چنا

حالِ بے‌رنگیِ دو سه همدست — ماجرائے غریبِ سنگ پرست
کآتشے جست سو بسوزاں سنگ — کہ زدود دش بسوخت صد فرسنگ
شعلۂ زود رآں جواں افتاد — کہ شرارش دراین و آں افتاد
تو توانی بپاسخے چو نبات — کآتشے را کشی بآبِ[۱] حیات
پاسخش داد ماہِ سیم اندام — ق — کای چو من آہوے گرفتہ بدام
بس ہزبراں کہ شیر نخچیرند — بر درِ من چو سگ ہمی میرند
پیش ازاں کز دماغِ سودائی — پردہ[۲] بالا کنم بر سوائی
پردۂ ساز کن دریں مستی — بو کہ دستے زنم بہم دستی
پیر زن زیں نوائے سینہ نواز — پائے کوباں بجا نہ آمد باز
مژدۂ خوش دلی بیاراں داد — بر سرِ کشتِ خشک باراں داد
ہر یکے شادمانیِ نو یافت — پیر زن خود جوانیِ نو یافت
باز با ہم بچارہ پردازی — ساز[۳] کردند رسمِ دمسازی
ہمہ گفتند پیشِ مادرِ پیر — ق — آنچہ از گفتنش نبود گزیر
کز متاع و خزینہ و اسباب — ۲ — وز ہنر ہر چہ باید از ہمہ باب
ہمہ داریم تا بداں مقدار — ۳ — کز وے آساں شود ہمہ دشوار
لیکن ار دوست بارضا باشد — ۴ — واندریں کار یارِ ما باشد

---

[۱] اے آتشِ عشق را بآبِ وصال کشی ۱۲ — [۲] پردہ بالا کردن فاش نمودن ۱۲
[۳] نب = تازہ

نکند قصدِ ما بجیله گری ۰ پرده پوشی کند نه پرده دری
پیرزن باز شد ببانوزود گفتنی هرچه بود گفت و شنود
چون بناهای عهد محکم کرد وز دل آشوبِ فتنه را کم کرد
باز گشت و دل از سخن پرداخت گفت سازید هرچه باید ساخت
میهمانان ز مهربانیِ دوست برتنگفتند همچو گل در پوست
شب فراهم شدند روی برروی مشورت ساختند موی بموی
باز گفتند هریکی کم و بیش هنرِ خود بقدرِ دانشِ خویش
باغبان گفت کز دلِ دمساز هرچه میداشتم نمودم باز
وآنچه دیگر دهید فرمانم کنم آن هم چنانکه بتوانم
نقب زن گفت خاک را بنفت ق زیر زیر آنچنان توانم سُفت
کآن ستونی که سر کشیده بماه در تهِ آن ستون کشایم راه
تیشه زن رو بنقب گیر آورد شرح داد آنچه در ضمیر آورد
گفت اگر نقبِ تو رسد بستون درستون من روم بجیله درون
گفت بازارگانِ دریا دل ق که چو ما را یکی ست دل با دل
از شما رنج بردن اندر کار وز من افشادنِ زر و دینار
کم از بهرِ کار چست کنیم سکّهٔ دوستی درست کنیم
یا همه مال و جان دهیم بباد یا رسانیم دوست را بمراد

هم بدیں اتفاق در ای صواب — شب نهادند سر ببالیں خواب
چوں ز نقبِ زمیں بر آمد مهر — کرد بیروں سر از رواقِ سپهر
خاست بازارگاں بعزمِ درست — وز پئے کار کرد دامن چست
مدتے کارِ آب و گل پرداخت — واندراں کوی[۱] خانۂ نو ساخت
خاکش از بوی خوش[۲] عبیر سرشت — صحنش از خرّمی چو باغِ بهشت
گونه گوں صفه گونه گونه رواق — تا فلک بر کشیده طاق بطاق[۳]
حجره در حجره بیست[۴] اندر بیست — رازِ آں کس بروں نبرد که چیست
چوں عمارت بلند گشت تمام — کام جویاں شدند در پئے کام
در یکے حجره کاں دروں بود — راهِ او سوے رهنمونے[۵] بود
نقب زن بازوے هنر بکشاد — خانه را در ببست و سر بکشاد
کرد ره تا بجاے گاه رسید — زیر زیرِ زمیں بماه رسید
گل پولادمی شگافت چناں — که ز اندیشه میربود عناں
تا رسانید نقب را بدرست — در ستونے که دست گه می جست
داد نوبت بمردِ چوب تراش — تا کند چوب را درو نه خراش

---

[۱] اے در آں کوچه که قریب ستون ماهرو بود یک مکان تعمیر ساخت ۱۲ [۲] ج = گل
[۳] طاق بطاق اے متعدد و متواے ۱۲ [۴] گویند که بست در بست نقشی ست کیمیا اثر و از غامضان کامل الفن کسے اورا میداند و راز او سر مکتوم ست همچنیں حجرها در آں قصر نو قرار داده بود که ترکیب آں بفهم مردماں نمی آمد ۱۲
[۵] اے راه او سوے آں ستوں بوده که مطلوب شاں بود ۱۲

رفت در رخنہ تیشہ زن حالی — تا بصنعت ستوں کند خالی
آہنِ تیز را بکار آورد — چوب را دل بہ خار خار آورد
نقش در مغزِ چوب ز انساں بست — کہ برآں گونہ نقش نتواں بست
اوّل اندر ستوں کشاد درے — پس بہر تختہ کرد نو ہنرے
نردبانے دروں دروں تا بام — پایہ بر پایہ راست کرد تمام
چوں بداں پایہ شد ہنر پرداز — ق — کہ کشاید سقف روزنِ راز
باز گشت و ز حجرہ[1] بیروں راند — ماجرا پیشِ پیرزن برخواند
گفت رو پیشِ ماہِ سیمبراں — بیں کہ عہدی کہ کردہ ہست برآں
گر برآں گفتہ ہست ثابت رائے — گو ز نامحرماں تہی کن جائے
تا کشائیم روزنِ مقصود — ورنہ لب را بہ بند و باز آزود
پیرزن رفت و شد مزاج شناس — وقت خوش دید و در کرد ہراس
چوں بناہائے عہد محکم بود — ق — دانکہ در خانہ بود محرم بود
لگدے زد بر[2] دریچۂ روزن سخت — کہ کشاد از دروں دریچۂ بخت
نازنیں چوں نگاہ کرد ز بام — آمد از زیر تیشہ زن بسلام
پاسخش داد کای ز دانشِ خویش — ق — در خورِ صد ہزار تحسیں بیش
باچنیں دستکاریِ کہ تراست — عذرِ دستت چگونہ[3] دانم خواست

---

[1] حنب = حفرہ [2] حنب = فراز [3] نب = یارم

گر نہی دل بمہمانیٔ من — بہرہ یابی ز میز بانیٔ من
ور بہم صحبتاں گرائی باز — من خود آیم بوقتِ خویش فراز
پاسخش داد مردِ شیریں کار — ق — کاے سمن عارض و شکر گفتار
گرچہ تو زاں کرم کہ می دانی — ۲ — میہمانِ خودم ہمی خوانی
لیک برچیں ز دیگراں دامن — ۳ — کآشنائے تو دیگرست نہ من
چوں دو عاشق شوند باہم جفت — من دعائے زدور خواہم گفت
ایں سخن گفت و باز گشت بپیش — و آمد از رخنہ سوئے منزلِ خویش
نازنیں کرد رخنہ را سر سخت — برفراز ش نہاد جامۂ رخت
پس ز میلِ درو[1] نہ کرد رواں — پیرزن را بسوئے سروِ جواں
داد ش انگشتریِ خاص ز دست[2] — کیں سلامم[3] رساں بعاشقِ مست
گو من امشب در انتظارِ تو ام — دوست نا دیدہ - دوستدارِ تو ام
اگر آئی[4] چو خواجگاں بنشیز — بندہ ام پیشِ میہمانِ عزیز
گلفروش از خوشی چو گل شگفت — رفت و ایں قصہ[5] را بیاراں گفت

---

[1] در فارسی میل (بر وزن پیل) میخ آہنی یا سنگی کہ بر سر گنبد نصب کنند یا منار کہ بجہت علامت فرسنگ در راہ سازند الا درین شعر از میل درو نہ مراد آں راہ مخفی کہ در جوف ہمان ستون ساختہ بود ۱۲

[2] ج ب = بدست [3] ح = سلامے

[4] ج ب = گر بیائی ح = گر گرائی

[5] ج ب = ماجرا

سوئے عاشق دو دیدیارے زدو — بُردش از دو دست مژدۂ مقصود
چوں بگوشِ وے ایں سخن درشد — بے خبر بود بے خبر ترشد
ماند حیراں در آں حکایتِ نغز — جوشے از دل در او فتاد بمغز
خاست چوں بیدلانِ جاں دادہ[۱] — دلِ دیوانہ را عناں دادہ
پائے کوباں بوجد و حال آمد — در نہاں خانۂ[۲] وصال آمد
خانۂ دید چوں بہشتِ ارم — در و دہلیز و بارگاہ و حرم
اولش سوئے حجرۂ بردند — در نوا سازیش پے افشردند
غسل دادندش از گلاب و عبیر — تازہ کردند کسوتش زحریر
وانگہے ہر چہ بایدش از ہمہ باب — پیش بردند نان و نقل و شراب
وآنطرف رفت پیرزن بنہفت — گفت با بانو آنچہ باید گفت
پیش[۳] ازاں آں غزالِ مست[۴] دلیر — خواب خرگوش دادہ بود بشیر
کہ ہمی خواہم از طریقِ نیاز — در طاعت زنم بہ پردۂ راز
امشب آں بہ کہ باشی از من دور — در بوم دور داریم معذور
باورش داشت شاہِ سادہ ضمیر — رفت و بگذاشت سرورا بہ سریر
شب چو با آسماں قرینی کرد — ماہ باز ہرہ ہمنشینی کرد

---

[۱] اے عاشقان فدائی ۱۲ [۲] مراد از تعمیر و قصر نو ۱۲ [۳] ج ب = پیش آں خود غزالہ
[۴] مراد از غزال مست بانو و از شیر پادشاہ یعنی پیش از آمدن پیرزن ماہرو پادشاہ را از فریب جاے دیگر بخواب خوش غافل کردہ بود ۱۲

نازنیں بازکرد روزنِ خواب — تازروزن درآیدش مہتاب
نردباں دُور کرد و دُرّ بابست — درِ پوشیدہ راکشادنشست
پاسے ازشب چو برگذشت بہ پیر — درچراگاہِ آہو آمد شیر
دو[۵۲] مہ از پردہ روشنائی داد — دو دل از دوستی گوائی داد
آنکہ نادیدہ دل بہم بستند — ہر دو نادیدہ وار پیوستند
جانِ عاشق کہ روی جاناں دید — تشنہ گوئی کہ آبِ حیواں دید
درکنار آنچناں کشیدش تنگ — کہ طبرخوں[۵۳] شدش نہالِ خدنگ
چاشنی خواست اوّل ازمی[۵۴] شیر — پس جُدا کرد حلّہ را ز حریر
پستہ را بر شکر خراج نہاد — میل در سرمہ دانِ عاج نہاد
ہمہ شب تا بگاہِ بانگِ خروس — گردنِ شاہ بود و زلفِ عروس
صبح چوں برکشاد روزنِ نور — شد زہر روزنے سیاہی دور
ماند ماہِ چہاردہ درکاخ — اژدہا باز رفت در سوراخ
روزِ دیگر کہ خانہ شد خالی — عیشِ دوشینہ تازہ شد حالی
ہم برینساں بوقتِ فرصتِ کار — گرم بود آں دو[۵۵] فتنہ را بازار
گاہ شہ بر شدی بروزنِ ماہ — گہ مہ از روزن آمدی سوی شاہ[۵۶]

---

[۱] حجب = در بربست [۲] دو مہ یعنی ماہرو و شاہزادہ ۱۲ [۳] طبرخوں بید سرخ و درمدار
چو بیت سرخ رنگ تلخ مزہ و در مجموع اللغات و فردوس اللغات بمعنی صندل سرخ ۱۲ [۴] ازمے مراد
لب و از شیر پستاں حاصل بیت اینکہ بعد بوس و کنار از وصال بجو بہ لذت اندوزشد ۱۲ [۵] مراد از عاشق و معشوق ۱۲

چوں بدیں گونہ رفت روزے چند — گشت محکم دو دوست را پیوند
بادشاہ زادہ گفت با یاراں — کآفریں بر شما وفاداراں
کز رہ لطف ہر یکے آں کرد — کہ ہمہ عمر شرح نتواں کرد
پختہ کردید کارِ من چو تمام — باز کوشید تا نگردد خام
پیشتر زانکہ پردہ را بدریم — برویم و عروس را ببریم
گفت بازارگاں کہ دل خوشدار — جگرِ دشمناں برآتش دار
ما کہ بہرِ ترا بچندیں جہد — پردہ برماہ برزدیم زمہد
تا ندانی دریں خجستہ سواد — رخت بندیم بے متاعِ مراد
نسزد نیز رائے والا را — کہ بدزدی بریم کالا را
آنگہے برزما بمردی نام — کہ بمردانگی کنیم خرام
آشکارا نشاط گاہ کنیم — ماہ را میہمان شاہ کنیم
گنج را چوں بمار بنمائیم — مار ما[۱] نیم و گنج بربائیم
شب بدیں اتفاقِ خوش خفتند — روز را قصہ با صنم گفتند
نازنیں گفت آنچہ فرماں ست — کنم ار خود[۲] حدیث برجاں ست
ماجرا چوں درست شد با ماہ — رفت بازارگاں بحضرتِ شاہ
برد ہر جنسِ قیمتی چنداں — کہ شہ انگشت ماند در دنداں

---

[۱] اے بگذاریم ۱۲ — [۲] انچہ فرماں ست بجا خواہم آورد اگرچہ در وخطرۂ جاں باشد ۱۲

گفت چندیں متاعِ گوہر و گنج ق کہ نیاید بوہم گوہر سنج
پیشکش کردن از برای چراست خواست باید ہر آنچہ باید خواست
گفت بازارگاں کہ بختِ بلند باد زاکلیلِ شاہ دولتمند
من کہ بازارگانِ شہرِ خودم واندریں رہ رواں زبہرِ خودم
ہر کجا رہ گرفتم از پئے سود سودِ من صحبتِ بزرگاں بود
کشورے راکہ زیرِ پا کردم میرِ آں کشور آشنا کردم
دید چوں میہماں پرستی من گشت مہماں بزیرِ دستی من[۱۵]
ہم بداں بندگی ست میلم باز کہ شود رنجہ شاہِ بندہ نواز
شاہ چوں دید گرم خوئی او شرمش آمد زمہر جوئی او
گفت رو کن ہر آنچہ دانی ساز کہ من آیم گہے کہ خوانی باز
میزباں باز شد بخانۂ خویش کرد ترتیبِ آشیانۂ خویش
داشت در خانۂ نشاط سرشت ہفت منزل[۱۶] بسانِ ہشت بہشت
از یکے زاں خجستہ بزمے ساخت کہ دلِ زہرہ ز آسماں پرداخت
چوں شب آمد بمجلس آرائی جام برداشت چرخِ مینائی
رفت مردِ کشادہ پیشانی داد شہ را صلاے مہمانی
نقلِ دے یک بیک مہیا کرد خانہ از موجِ دُر چو دریا کرد

---

۱۵ اے باوجود زیردستی من میرآں کشور مہمانم گشت ۱۲ ۱۶ جب = منظر

شاه با یک دو خاصگانِ حضور — حاضرِ بزم گشت با دستور

شب فرو هشت پردهٔ ظلمات — باده در روی رواں چو آبِ حیات

بانگِ طنبور[۱] خرگهی در گوش — می ربود از دماغِ مستان هوش

چون شد از جوشِ باده سرها خوش — گشت هر دل کشاں بهر دل کش

ماهِ بالانشیں فرو خواندند — قصه در گوش او فرو راندند

راست کردند تا به نیم شبان[۲] — پیکرش چون خیال بوالعجبان[۳]

شاهدِ دلفروز دیده نواز — شد خراماں بصد کرشمه و ناز

هم بدانساں که در شب آید ماه — فرق تا پای در حریرِ سیاه

غمزه غارت کنِ خردمنداں — تشنهٔ خونِ آرزومنداں

روئے خوبش که بے نقابے بود — در شبِ تیره آفتابے بود

شد بگفتارِ آں طرب سازاں — ساقیِ بزمِ شاں خوش و نازاں

چوں درآمد پیاله بر کفِ دست — هر که دیدش خراب[۴] گشت نه مست

شاه را کآمد آں صنم در پیش — ق گم شد اوّل در و پس اندر خویش

---

[۱] طنبور خرگهی قسمے از طنبوره است که او را آهسته می نوازند و آواز بلند نمی دهد ۱۲

[۲] در شبان الف و نون زائد است چنانکه بامدادان و بهاران ۱۲

[۳] مراد از شعبده بازان دیگران یعنی تا نیم شب از زر و زیور همچون شعبده بازان پیکر ماهرو راست کردند ۱۲

[۴] گویند که مستی چند مرتبه دارد اوّل سرخوشی دوم تر دماغ سوم سیه مست چهارم خراب و این انتهاے مرتبهٔ مستی است که شخص از خود گذشته باشد ۱۲

گفت یارب کہ ایں ہماں ماہ است — یا دلم کور و عقل گمراہ است
اگر ایں اوست کے دلیر آید — ماہ[1] کے ز آسماں بزیر آید
دگر او نیست خود چنیں ماہے — زیبد اندر برِ چو من شاہے
عاقبت چوں دلش قرار نکرد — خاطرش ترکِ خار خار نکرد
محرمے پیش حبست و کرد رواں — تا کند حبست جوی سروِ جواں
او از آنجا دوید ہمچوں باد — ویں ازیں سو قدم بحجرہ[2] نہاد
رفت در کاخ و جامہ دیگر کرد — رخنہ بر بست و سر بہ بستر کرد
چوں فرستادہ در رسید شتاب — ماہ را دید در نہانی خواب
باز شد تا خبر بشاہ برد — رازِ حرگہ[3] کہ ببارگاہ برد
پیش ازاں رفتہ بود قبلۂ حور — بر کشیدہ سواد را بر نور
جام بر کف بہ بزم در می گشت — ہر کہ می دید بے خبر می گشت
شخصِ بینندہ زاں تماشا گاہ — آمد و گفت ہر چہ بود[4] بہ شاہ
شاہ را دل براں قرار گرفت — خاطرش ترکِ خار خار گرفت
نوش می کرد بادہ پے در پے — ساقیش مست کردہ بود نہ مے
در تمنائے آنکہ چوں سازد — کآں گلِ از بوستاں بپردازد
زاں تمنا کہ گردِ جاں می گشت — ہر دمش آب در دہاں می گشت

---

[1] حجب = چوں
[2] حجب = حزہ
[3] حرگہ یعنی خیمہ و اینجا مراد محلسرائے شاہی ۱۲
[4] حجب = دید

تا برانداخت بادِ[۵۱] شبگیری ق از رخِ صبح پردهٔ قیری
شاه رغبت هنوز باقی داشت مست بود و خمارِ ساقی داشت
عاشق و مست و بادشاهِ جوان صبر کردن بگو چگونه تواں
می گسست ار چه شیرِ نر زنجیر هم نیفگند پنجه بر نخچیر
خاست از جایِ خویش مستانه دل رها کرد و رفت در خانه
این طرف مه به برجِ خویش آمد شاه چون پیش رفت پیش آمد
خضر گم گشت چون بچشمهٔ خویش چشمه خود ز آشنائی آمد پیش
ساقیِ کش نباز در برجست پیشِ او بود جایِ دیگر جست
یار در پیشِ او ز هجر برنج فاقه می کرد و پای بر سرِ گنج
آبِ حیواں بجام و او در سوز بود در انتظارِ شب همه روز
شب چو از مه گرفت جامِ شراب ق هر کسے برد سر ببالشِ خواب
میزبانِ شبانه باز آمد شاه را دل دراهتر از آمد
به بهانه شکرِ[۵۲] لبِ چینی ساخت خود را ترش ز شیرینی
کرد شه چاپلوسیِ به نفاق پس ز خلوت ببزم شد مشتاق
باز عیشِ شبانه گشت بکار تازه تر شد نشاط را بازار
ساقیِ شب نمونه دیگر کرد فرق تا پایے زیب و زیور کرد

---

۵۱ بادِ شبگیر بادیکه قریب سحر وزد ۱۲ ۵۲ مرا دازما هرو ۱۲

شب سیه بود پوششِ خورشید — جامهٔ شب چو زهره کرد سپید
گرچه شمعِ شبانه بود آن ماه — خویشتن را دگر نمود[۵۱] به شاه
شه که دید آن جمالِ نورانی — باز ماندش دمی[۵۲] ز حیرانی
ساقیِ نوچنانش برد ز هوش — کش فراموش گشت مستیِ دوش[۵۳]
دل ازو برگرفت و این را داد — چمنِ[۵۴] لاله یاسمین را داد
دیده در لعبتِ خراماں داشت — جانش میرفت و چشم بر جاں[۵۵] داشت
هم بر آں گونه تا سحرگاهاں — بود زاں ماه نقل و مے خواهاں
روز چوں کرد سوی خانه شتاب — دید خورشیدِ خویش را در خواب
دید کاندر نظر خطاش نمود — ماهِ پیشینه از دهاش نمود
خفت لختے و خاست بیدل و آ — نازنیں هم ز خواب شد بیدار
ابروے نازرا پُر از چیں کرد — شاه را از کرشمه مسکیں کرد
هر طرف کز عتاب راهش بود — شه بصد لابه عذر خواهش بود
بر دزاں[۵۶] گونه شاه را ازره — دزد بیباک و پاسباں ابله
شب چو خورشید روی پنهاں کرد — آسماں سبزه را گلستاں کرد
میهماں باز شد بمهمانی — میزباں برکشاد پیشانی

---

[۵۱] امشب بنوعے خود را آراست که پادشاه دانست که این معشوقه دوشینه نیست بلکه غیر اوست ۱۲
[۵۲] حجبن = دهان بحیرانی [۵۳] حجب = ساقی [۵۴] مراد از چمن لاله دل و از یاسمین معشوقهٔ سفید پوش ۱۲ [۵۵] مراد از جان ثانی معشوقه یعنی ساقی سفید پوش ۱۲
[۵۶] حجب = زین

ساقیِ شب رسید خنداں خند — سبز پوشید همچو سروِ بلند
باز شه از نظاره هیچ وُ گشت — آرزوے دلش یکے صد گشت
گفت با ایں طرب فزائیِ خویش — شرم بادم ز بادشائیِ خویش
خواجه را بخانه چنداں حور — من که شاهم به پیکرے مغرور
گر ستانم بزور بیداد دست — ورنه صبرم گسسته بنیاد دست
همه شب تا بگاهِ بانگِ خروس — باده میخورد با هزار افسوس
با مداداں که سوی خانه شتافت — ماهِ[1] شب گرد را بمنزل یافت
هفت روز آں صنم بزیور و زیب — گونه برگونه بود شاه فریب
شاه مشغولِ عشقبازیِ خویش — واں جواناں بکارسازیِ خویش
بود زاں جا نگاه تنگا[2] تنگ — آبِ دریا بقدرِ یک فرسنگ
هرچه تدبیرِ راهِ دریا بود — پیشِ او یک بیک مهیا بود
چوں همه راست کرد[3] بر برگِ جهاز — بوداعِ ملک شدند فراز
گفت هریک که شاهِ دولتمند — باد جاوید بر سریرِ بلند
ما که از بندگانِ درگاهیم — عذرخواهِ نوازشِ شاهیم
تا درین منزلِ رضا بودیم — غرقِ احسانِ بادشا بودیم
دیں زمانے که رو بره داریم — توشه نیز از عطاے شه داریم

---

[1] مراد از ماه رو ۱۲ — [2] در تنگا تنگ الف اتصال ست ۱۲ — [3] تا حجب = گشت

نقدِ بازارگاں خطاست بہ بند — سودِ دریا کشیم[۱] ماہی چند
چونکہ مارا زلطفِ منعمِ دہر — ناگزیرست بودنِ ایں شہر
ہرچہ داریم مال ونعمت وچیز — وانکہ شہ دید ساقیانِ عزیز
میگذاریم امانت اینجا باز — تاکہ آرد خدائے ما را باز
یادِ ما بہ کہ در ضمیر بود — واں امانت اماں پذیر بود
ملک آں نامِ ساقیاں چوشنید — گشت شاداں کہ جامہ خواست درید
گنجہا داد عذرہا درخواست — کردشاں توشۂ کہ باید راست
پس نظر داشت کاں جوانمرداں — بسفر کے شوند سرگرداں
کو[۲] کند گنج خانہ را تاراج — شہرِ نو را درآورد بخراج
درگرفتش ہوائے دل بشتاب — خود بدریا روانہ گشت چوآب
پیش زاں پردہ بود صاحبِ راز — کردپنہاں عروس را بجہاز
چوں مسافر بسوئے کشتی رفت — پنج[۳] رضواں بیک بہشتی رفت
کشتی آں سوئے می پرید چو باد — شاہ زیں سو عناں بمرکب داد
با دلِ تشنۂ و دہاں پُرآب — شد زدریا رواں بسوی سراب
آمد اندر سرائے مہماناں — در ہوائے پری فسوں خواناں
چوں دروں رفت خانہ خالی دید — عشق را تیغِ لا اُبالی دید

---

[۱] حجب = کنیم [۲] ح = کہ [۳] مراد از پنج رضواں پنج یار و یک بہشتی یعنی ماہرو ۱۲

گشت کاخ درواق وحجرهٔ وبام — زاں تدرواں یکے ندیدہ بدام
حجرہ درحجرہ جستجو میکرد — سر بہر روزنے فرو میکرد
دریکے حجرہ ہفت دیگر دید — طرفہ غارے بزیرش اندر دید
تا سوِ حجرهٔ فتادش راہ — کز چہِ او طلوع کردے ماہ
گام میزد دروں دروں گستاخ — تا برآمد زنردباں بر کاخ
رفت در برج و برج بے مدّید — زِہرہ بشگافتش کہ ناگہ دید
او زحیرت درآں تمتّا مرد — واں دگر رفت وآں تمتّا بُرد
شاں چو رفتند سوی خانهٔ خویش ق — خورم از بختِ شادمانهٔ خویش
ماہ باشاہِ نوجواں شد شاد — کس نیامد زشاہِ پیشیں یاد
در دل انچہ ازگذشتہ جوشش بود — خارخارے زگلفروشش بود
بودے اندر نشاطِ بادهٔ وجام — درغمِ زالِ گلفروش مدام
کردہ بود از وفا وُ یاری او — جامہ گلگوں بیادگاری او
بود چوں ترک آسماں بجہاں — زیرِ گلنار گوں پرند نہاں
رنگِ گلنار دلکشاے بود — چوں مئے لال جانفزاے بود
زیبِ باغ ست گونِ گلناری — چوں شفق بر سپہرِ زنگاری
ہر کہ شد بخت و دولتے یارش — رخ بسرخی بود چو گلنارش

ق ح = لون

هست گلنار همچو نارِ کلیم — گلِ نارست باغِ ابراهیم
ماهِ گلنار چهره چون تمام — گفت افسانهٔ خفت با بهرام

گلگشت نمودنِ بهرام روزِ چهارشنبه در بهشتِ ششم و بگنبدِ بنفشه فام از دستِ آهوی بنفشه موی رومی شرابِ بنفشه بوی کشیدن

چارشنبه که برکشید نوا — مرغِ صبح از بنفشه زارِ سما[۱]
خواست گردد شهِ سریر افروز — بلباسِ[۵۳] عطار دِ فیروز
لیک آن گونه موجبِ غم بود — که کبودی لباسِ ماتم بود
باقبای بنفشه بوقلمون — رفت در گنبدِ بنفشه دروں
ماهِ رومی کشا دز ابر و چین — رفت در پیشِ شاهِ روی زمیں
بزمیں بوسِ شاه رائے آورد — شرطِ تعظیم را بجائے آورد
جام پر کرده ماهِ جان افزائے — ماند بر رسمِ ساقیاں برپائے
در زماں کرد شاهِ عشرت کوش — آبِ حیواں ز آبِ[۵۴] حیواں نوش

---

[۱] حجب = گشت [۱] حجب = هوا

[۵۳] لباس عطارد کبود ست ۱۲

[۵۴] یعنی جام شراب از دست معشوقه رومی نوش کرد ۱۲

آں طرب تا بشام باقی بود — مہ[1] غلام و ستارہ ساقی بود
روز چوں ساخت کسوت از پرِ زاغ — میلِ خفتن نمود نرگسِ باغ
شاہ بہرِ فسانۂ چو شکر — کرد رو اندر آں شگوفۂ تر
سروِ آزاد بندہ وار بہ پیش — کرد خم چوں بنفشہ قامتِ خویش
پس دعا را گذارش نو داد — گفت باشی ز بخت و دولت شاد
ہر چہ خواہی ز ماہ تا ماہی — پیش بادت ہر آنچہ می خواہی
در حضورت کہ خسروِ زمنی — بندۂ را چہ جائے ہم سخنی
لیک بر اعتمادِ حضرتِ شاہ — گویم آنچہ بسینہ یا بد راہ
چوں تہی شد ز معذرت سینہ ق — گفت در روزگارِ پیشینہ

بنفشہ شدنِ سروِ آزاد در سجدۂ بندگی پیشِ بہرام و آں متعطش را بدیں افسانہ شربت دادن

بود بازارگانے اندر روم — نعمتش را شمار نا معلوم
پسرے داشت ہوشمند و عزیز — زیرک و کاردانِ با تمیز
در عجب ہائے عالمش ہوسے — و آزمونِ زمانہ دیدہ بسے
خانۂ داشت چوں بہشتِ بریں — ہر طرف ڈہ نگار خانہ چیں

---

[1] مراد از مہ بہرام و از غلام محکوم و از ستارہ معشوقہ ۱۲ — ق ح = رخصت

هر مسافر که آمد از جائے — کرد حالی بمنظرش پائے
سوئے مہماں سرائی خویش برد — میوہ و نقل و بادہ پیش برد
چند گہ داشتے بمہمانی — میزبانِ کشادہ پیشانی
باز جست از وے آشکار و نہاں — کز عجب ہا چہ دید گرد جہاں
آں جہاندیدہ از شگفتِ سفر — گفتے یک یک ہر چہ داشت خبر
سالہا در چنیں تمنائے — بخت با ہر روندہ سودائے
تا یکے روز با مداد پگاہ — ناگہ آمد مسافرے از راہ
در زمانش بخانہ مہماں برد — ارجمندش[1] بسوئے ایواں برد
خوانے از مرغ و برّہ پیش آورد — نعمتے از قیاس بیش آورد
گشت چوں رغبتِ خورش باقی[2] — مہر بکشاد شیشہ را ساقی
بادۂ لعلِ ارغوانی رنگ — جلوہ گر گشت در ترنّم چنگ
چوں گذشت از شراب دورے چند — درجِ لبہا کشادہ گشت زبند
ہر کرا بود قصۂ بنہفت — پیشِ پرسندہ یک بیک میگفت
چوں بمہمانِ نو رسید سخن — ق گفتِ بسیار زیرِ چرخ کہن
گشتہ ام بس کہ داشتم ہوسے — وز شگفتِ زمانہ دیدہ بسے
واں عجبہا کہ در جہاں دیدم — ہر چہ کس دید بیش ازاں دیدم

---

[1] اے بعزت تمام ۱۲ [2] باقی اینجا بمعنی قیام دارندہ اے رغبت خورش سکون گرفت ۱۲

لیکن از هر چه دیده ام نخجست — زاں عجب تر ندیده ام بدرست

کز دیارِ فرنگ[ل] شش مه راه — هست شهرے و مردماں چو پرِ ماہ

نیمه گویا و نیمه خاموش — خامشاں کسوتِ بنفشه بدوش

من ز گوینده باز جستم راز — کز خموشاں خبر چه گوید باز

کیں همه خلق را خموشی چیست — چوں بنفشه بنفش پوشی چیست

پاسخم داد مردِ کار شناس — ق — کاندریں کارگاهِ پُر وسواس

هست گرما[ک۲] به ز صنعِ[ل] حکیم — سیمیا خانهٔ عجب تقسیم

گنبدش را شمار ناپیدا — گم شد آنکس که شد در و شیدا

آدمی کاندر و دروں آید — از پسِ چند گه بروں آید

یا بمیرد در آمدن[ک] در حال — یا بماند خموش تا ده سال

اندرآں خامشی بود بیهوش — بهرِ ماتم[ل] بنفشه کرده بدوش

چوں سخن را گره کشاید باز — همه گوید مگر فسانهٔ راز

تا کسی کاں طرف بود رایش — خود نهد روے در تماشایش

وانکه در شد بداں[ز] تماشاگاه — بارِ دیگر بروں نیاید راه

گرچه سالے بود درو کم و بیش — در نیابد نشانِ رخنهٔ خویش

ل ح = فرنجه ۲ک گرما به معنی حمام ۱۲ ک ج = وضع ک حجب = بآمدن

ل جب = جاهاے بنفش ل ان = پرنیان بنفشه

ز جب = درآں

من که در دل در آمد این نفسم — خاست از بهر دیدنش هوسم
خواستم کآنطرف کنم پرواز — برکشایم گره ز پردهٔ راز
لیکنم دل نکرد دمسازی — که دهم جان دران هوس بازی
راهروکان فسانه بروے خواند — باز پرسندهٔ[1] را قرار نماند
تا شب آنروز عیش سازی کرد — خوشی و میهمان نوازی کرد
شب چو دریای چرخ برزد رنگ — چشمهٔ مهر شد بکامِ نهنگ
مرد سوداگرے هوس پیشه — ق چشم برهم نزد ز اندیشه
بامداداں که صبح جامه سپید — پرده برداشت از رخِ خورشید
ناشکیبا ز خوابگه برخاست — خاست ذکر و برگِ رفتن راست
از متاعِ زر و غلام و کنیز — کرد با خود رواں فراواں چیز
پدرِ مهرباں شنید خبر — بے سر و پا دوید سوے پسر
دم همیداد و هیچ دو و نداشت — کرد زاری بسے و سود نداشت
عاقبت دست بر جهاں افشاند — از ولایت[2] جنازه بیروں راند
واں مسافر که داشت آگاهی — همعناں ساختش بهمراهی
هر دو با هم ز عیش فرد شدند — شهر بر شهر ره نورد شدند
در تموز و بهار و تابش و تاب — می نوشتند راه را بشتاب

---

[1] مراد از پرسنده پسر بازارگان اے جہاں میزبانِ میهمان دوست فرواز ۱۲ [2] ظ عجب = وز

تا در آن کارگاہِ پر ز خیال — در رسید ند از پسِ یک سال
در سرائے شدند رخت کشاد — خود بشہر آمدند خورم و شاد
خلق دیدند بیشتر خاموش — و ز حریر بنفشہ کسوت پوشش
گردِ ہر کوی و خانہ می رُفتند[1] — رازِ پوشیدہ باز می جستند
زاں شگفتی کہ داشت سر بہ جفت — خبرے کس چنانکہ بود نہ گفت
چار و نا چار مردِ شعبدہ جوے — سوئے گرمابہ راند پویا پوئے
ہمرہش باز داشت اسرارے — کہ حذر بہتر از چنیں کارے
او ہمہ میلِ فتنہ در سر داشت — عاقبت دل ز میل سر برداشت
بغلامانِ خاص گفت کہ من — راہ زاں برگرفتہ ام ز وطن
کانچہ در خاطر آرزو دارم — دیدۂ آزموں درو دارم
یا ببینم تمام و گردم باز — یا دہم جاں درونِ پردۂ راز
از شما ہر کہ استوار تر ست — راست اندیش و راست کار تر ست
بہ کہ دائم امینِ مال بود — تا نمک خوردنش حلال بود
من چو بر خود کشم حجابِ خیال — انتظارم کشید تا بد سال
گر بیایم دفینہ برشمرید — ورنہ رختم بخانہ باز برید
شور برخاست از غلامانش — دست بردند سوی دامانش

---

[1] گرد رفتن کنایہ از تردد و کثرت آمد و رفت کہ ہندی خاک چھاننا گویند ۱۲ جوہر

کیں چہ دیوانگی و خودرائی ست — درِ دیواں زدن نہ دانائی ست
کام دلداری و جوانی ہست — ہمہ اسبابِ کامرانی ہست
روزگارِ نشاط را دریاب — زانچہ دادت خدای روی متاب
زیں منظا جرا گذشت بسے — برنیامد رمیدہ را نفسے
عاقبت برمرادِ خاطرِ خویش — سوی گرما بہ رہ گرفت بہ پیش
رفت و در شد در آں طلسم آباد — عالمے دید ہر درے کہ کشاد
سقفِ ہر گنبدے کہ کرد نگاہ — سرِ گنبد رسیدہ دید بماہ
ہفتہ گشت بے طعام و شراب — راہ بیروں شدن ندیدہ بخواب
شد پشیماں ز خامکاری خویش — خواند بخشندہ را بیاری خویش
چوں سراسیمہ گشت بے سر و پائے — ناگہش رہ[۱] نمود راہ نمائے[۲]
دید ناگہ درے فراخ ز دور — آفتاب او فگندہ در وے نور
رفت زاں سو دویدہ ہمچوں باد — روضۂ دید پُر گل و شمشاد
لالہ بر کف گرفتہ جامِ شراب — نرگس از مستی او فتادہ بخواب
گشتہ باد از شگوفہ عنبر بوے — سبزہ[۳] نودمیدہ بر لبِ جوے
سوسنِ سوسن از درخت میوہ قطار — شاخ سر بر زمیں نہادہ زبار

---

[۱] ح = زندگانی [۲] حجب = رہ [۳] مراد از ہادی مطلق جل مجدہ ۱۲

[۳] ح = سبزہ ہا و حجب = سروہا

ماند حیراں جوانِ بیندہ — شکرہا گفت زآفرینندہ
تنگے داشت از خورش خالی — خورد ہر گونہ میوۂ حالی
بر لبِ جوئے رفت و آبے خورد — سایۂ سرو دید خوابے کرد
خاست از خواب و رفت میلے چند — دید قصرے برآورید ہ بلند
شد شتابندہ تا رسید آنجا — منظرے چوں بہشت دید آنجا
باز کردہ درے بلند و فراخ — رفت یکسر درونِ وے گستاخ
ہر کجا گام زد جہانے دید — پیشِ ہر صفہ بوستانے دید
ہر منونہ عمارتِ پرکار — گلشنے پر ز صد ہزار نگار
کردہ زاں گونہ سو بسو تمثال — کآدمی را نگنجد آں بخیال
بوستانے تہی ز مردم دید — چشمِ نظارگی در و گم دید
خواجہ زامیدِ زندگانی طاق — تا بشب گشت گردِ کاخ و رواق
چوں جہاں رخ نہفت در پرِ زاغ — ق شد فلک پر ز صد ہزار چراغ
دل ز تنہائیش پریشاں گشت — رفت بر منظرے و پنہاں گشت
چوں ز شب رفتہ نیم پاس تمام — ق ماہی و مرغ یافتند آرام
دید کآمد بروں ز گوشۂ باغ — آفتابے بکف گرفتہ چراغ

ا جب = کرد — ۲ بمعنی شتاب ۱۲ — ۳ ن = خوب
۴ جب = در — ۵ ح = بہار — ۶ ن = دید در باغ
۷ جب = بود — ۸ جب = تا

صد هزاراں ستارہ گرد پیش — خود چو خورشید شمع اندر پیش
زاں فروزش کہ قصر گلشن گشت — شبِ تاریک روزِ روشن گشت
تا بداں منظر آمدند فراز — کہ در و بود خواجہ خلوت ساز
تخت کردند پیشِ صفحہ بپاے — شد بدیبا نہفتہ صحنِ سراے
چوں شد آرایشِ نشاط ہمہ — ق پُر مہ و زہرہ شد بساط ہمہ
میرِ خوباں نشست بر سرِ تخت — وز دو سو ہمنشینِ دولت و بخت
نازنیاں دو سوے صف بستند — پیشِ مسند بناز بنشستند
خاست ساقی و بادہ گشت رواں — خوردنی در رسید خواں بر خواں
چوں کشیدند پیشِ ہر کس خورد[1] — از رقاقِ[2] سپید و گردۂ زرد
گفت خنداں نگارِ تخت نشیں — ق کہ دریں کاخِ آسماں تکمیں
آدمی زادہ ایست ہیچ رو و خواب — گشتہ از کوبِ[3] روزگار خراب
دورِ گردوں کشش کردہ سودائی — ماند ہیچو یشتن ز تنہائی
ہست بر ما غریب و مہماں نیز — چارہ نبود ز میہمانِ عزیز
خواندہ باید بلطف اندر پیش — مہربانی نمودن از حد بیش
تا سرش را خرد فراز آید — دل کہ رفتش ز جاے باز آید
شمع برداشت لعبتِ چو چراغ — رفت بر منظرِ بلند ز باغ

---

[1] خورد بمعنی خورش ۱۲ — [2] نان تنک ۱۲ — [3] کوفت و رنج ۱۲ — ک ح = برما

دید تنہا نشستہ مسکینے — کرد با بختش آسماں کینے

دادش آواز۔ خواجہ رفتہ ز جاے — لرزہ در روے فتاد سر تا پاے

سرو سیمیں بمہر دل دادش — کرد زاندیشہ خاطر آزادش

گفت خیز اے جوانِ زیبا چہر — کہ درِ دولتت کشاد سپہر

بانوی ما کہ گنجِ لطف اللہ[1] در دست — آدمی سیرت ست و مہماں دوست

برخوری زاں صنم کہ در ہمہ سانے — تو غریبی واد غریب نواز

خواجہ را کاں سخن بگوش آمد — لختے از بیہشی بہوش آمد

گفت[2] بجز ام ہر کجا خواہی — کہ منت بندہ ام بہمراہی

شمع را پیش برد قبلۂ حور — او چو پروانہ در حوالی نور

پیشِ تخت آمدند ہر دو زکاخ — در تحیر جوانِ ناگستاخ

چوں بدید آں جمالِ نورانی — سود بر خاک تیرہ پیشانی

از سرِ لطف[3] ماہِ شکر خند — خواندش از خاک بر سریرِ بلند

گفت عیب ست میزباناں را — کہ نپرسند میہماناں را

کے روا باشد ایں کہ مانم دیر — من بہ بالا و میہماں در زیر

بر سریر آ و باش ہمتایم — ورنہ من نیز بر زمیں آیم

خواجہ گفتا کہ من کیم بارے — تا بداں پایہ باشدم کارے

---

[1] ج ب = مہر [2] فاعل گفت سودا گر بچہ ۱۲ [3] ج ب = رہ

خاکِ مسکیں کہ پائمال بود | برفلک بردنش محال بود
باشد آں جاے در خورِ چو تو ماہ | دیو برآسماں نیابد راہ
زیں نمط گفتگو فراواں رفت[1] | خواجہ جائے بشد کہ نتواں رفت
آمد از تخت نازنیں در زیر | کرد با خود بمردمیش دلیر
دستِ او را گرفت و بالا برد | شاند برجاؤ ہوشش از جا برد
نازنیں رو بمیھماں آورد | پوزش و لطف درمیاں آورد
پیشِ او داشت خوردہائے غریب | ہر یکے جاں نواز و مشکیں طیب
از نسیمش کہ گرد جاں می گشت | خواجہ را آب در دہاں می گشت
بود زاندوہِ فاقہ سودائی | یافتش چشمِ تیرہ بینائی
دست در خورد بردسترم گزاشت | خود چنانکہ میلِ خوردن داشت
رفت چوں خواں بکارخانۂ خویش | ساقی آورد جامِ مے در پیش
ہر طرف لعبتے بریشم ساز | گشت زآہنگِ خوش حریف نواز
مجلسے چوں بہشت عالمِ نور | رفت رضواں بمیھمانیِ حور
گر فرشتہ درآمدے در باغ | ہمچو پروانہ سوختے بچراغ
روے در روے یارِ جانی بود | درمیاں دورِ دوستگانی بود
بانوے بانواں چو سرمستے | ہرزماں بذلہ[2] بردبستے

---

[1] لخ ہ شد

چوں سرِ خواجہ گرم شد ز شراب — آرزو[1] را ز سر بروں شد خواب

شد ز سر زندہ شہوتے کہ ببرد — رغبتِ دل عناں ز دستش بُرد

عاشقانہ بپائے یار افتاد — کار با بوسہ و کنار افتاد

زآنِ او شد عروسِ شیریں کار[2] — دز دنا دان و پاسباں طرّار

او در آویخت در دو زلف چو شست — گردنِ خود بطوقِ مشکیں بست

روے بر روے نہاد و دوش بدوش — خرمنِ گل کشید در آغوش

بر د غارت بدرجِ مروارید — ایں ہمی چید و او ہمی بارید

شور در لفظدانِ ناز افگند — شمعِ بے دود را بگاز[3] افگند

تشنہ بود آبِ زندگانی یافت — مایۂ عمرِ جاودانی یافت

خواست تا در رود بحجلۂ ناز — قفلِ گنجینہ را کشاید باز

ماہِ ابلہ فریب و عشوہ فروش — بوسہ داد و ش بعذرہاے چو نوش

گفتہ آہستہ ترک کہ زآنِ توام — نوش کن مے کہ نقلدانِ توام

چاشنی باری از نمک برگیر — تا دہن خوش کنی بشکّر و شیر

شربتے کآرزو ست زود نہ دیر — وانگہ خوردی و مے و گشتی سیر

تشنہ کز آب سیر شد جانش — میل نبود بآبِ حیوانش

---

[1] یعنی آرزوے خفتہ از مستی شراب بیدار شد ۱۲ — [2] جب = زیبا

[3] گاز یعنی مقراض و اینجا عبارت از میانہ ہر دو زانوے بانو ۱۲

چوں زہم خوابہ لشت مرد صبور — داغِ[۵۱] زنگی نہد بجہرۂ حور

درنیاری زمیل و رغبتِ خویش — ق — کہ دہی گوشمالِ شہوتِ خویش

زیں ہمہ لعبتان زیبا روے — کہ کنیزِ من اند سوے بسوے

ہر کہ زیبا تر آیدت بنظر — خاصۂ لشت دست گیر و ببر

رقیۂ[۵۲] چند ازیں لمظ برخواند — کآتشِ خواجہ را فرو دنشاند

وانگہ از غمزہ گفت[۵۳] پنہانی — بانگارے چو سروِ بستانی

آمد و با ہزار لابہ و لوس — داد بر دست و پاے برنابوس

زانِ خود کردش از فسون و فریب — تا دلش را نماند جاے شکیب

خاست از پیشگہ بدستورے — رفت در جاے[۵۴] گاہِ مستورے

در برآورد یارِ زیبا را — کرد خوش جانِ ناشکیبارا

یافت آں آرزو کہ در سر داشت — کامِ دل دید و کامِ دل برداشت

ہمہ شب با بتِ بہشتیِ خویش — راند در جوے شیر کشتیِ خویش

صبح چوں کرد جیبِ ظلمت چاک — سایۂ خاک رفت ہم در خاک

مرد شب زندہ داشتہ بشراب — رفتہ بود از نسیمِ صبح بخواب

چوں ز خوابِ نشاط سر برکرد — نظر اندر رواق و منظر کرد

---

۵۱ یعنی زن در حسن و جمال گرچہ حور وش باشد لیکن بعد صبوری زنگی معلوم میشود ۱۲

۵۲ سحر و افسوں ۱۲ ۵۳ فاصل گفت سردار پریاں ۱۲

۵۴ حجب = جلوہ گاہ

دید فردوس راز خوباں طاق — نے بمنظر بتے و نے برواق
زاں پری صورتاں ندید کسے — نعرۂ بیکسی کشید بسے
زاں تحیر کہ جاں خراب شود — بیم بودش کہ زہرہ آب شود
تا شب اندر خیالِ مجلسِ دوش — چوں پری دیدگاں نبودش ہوش
در پرِ زاغ چوں نہاں شد مہر — پرِ طاؤس باز کرد سپہر
باز کبکاں رواں شد ند ز جائے — پرِ طاؤس گشت صحن سرائے
شمع از ہر طرف روائی یافت — عالمِ تیرہ روشنائی یافت
شد پیاپے شرابِ نوشیں باز — تازہ شد بزمگاہِ دوشیں باز
نازنیں رفتہ بر سریر بلند — مہر برداشت از خزینۂ قند
بہ یکے زاں شکر لباں فرمود — کہ بیار آں غریبِ ما را زود
شد کنیزی و خواند پیشش برد — برخِ دوری ز جانِ ریشش بُرد
با نوش چوں بدید خاست ز پیش — خاص کردش ہمنشینی خویش
کرد جانش بردمی تازہ — عذرہا خواست بیش ز اندازہ
دوستگانے بدستِ خویشش داد — طبق و نقل و میوہ پیشش داد
چوں زمے دودِ معدہ شد پرکار — مائدہ[1] پیش برد خواں سالار
با نواز راہِ لطف و سرمستی — کرد با او بکاسہ ہمدستی

---

[1] دسترخوان ۱۲

چوں شد از خوردنی شکما سیر — مطبخی بردخواں ز تخت بزیر
ساقیاں را رسید نوبتِ مے — دَورِ گردندہ گشت پے در پے
خواجہ کافر وختش زمے سینہ — تازہ گشتش نشاطِ دوشینہ
خویش را کردہ بود لعبتِ سیم — بہرِ حریفِ خود تسلیم
او بدنداں عقیق را می سُفت — قندی خست و انگبیں می رُفت
زاں لبِ لعل می کشید شراب — نقل ہم پستہ[۱] بود و ہم عنّاب
باز چوں وقت شد کہ خورم و شاد — سوے قفل آورد کلیدِ مراد
گفت کز چوں منے خطا باشد — کہ بہر جستنم عطا باشد
زن کز ایسناں کند جوانمردی — پردہ بالا کند برخ زردی
در پیم بود ہمسر[۲] کہ بود بسے — دست بر دامنم نسود کسے
ہر کہ بود از خبر شنیدنِ من — مردہ ہم[۳] در ہوائے دیدنِ من
چوں تو بر ما غریب و مہمانی — محرمِ ما شدی بآسانی
لیک مشتاب تا کنیزانم — نشناسند رازِ پنہانم
کہ چرا گوہرے بدیں پاکی — ہم بیکبار شد چنیں خاکی
بکنارے و بوسہ دو سہ روز — گر شوی سینہ را شکیب اندوز

---

[۱] مراد از پستہ دہن و از عناب لب ۱۲
بود و قدرت مس کردن دامنم ہم نداشت ۱۲

[۲] اے کیسکہ تا مدت دراز در محبت من خراب بود آں ہم دریم

[۳] ہر کہ خبر حسن و جمالم شنید — در آرزوے دیدار جاں داد
و بعد مردن ہم ہوائے نظارہ داشت ۱۲

من باندیشۂ کہ دانم کرد — دلِ شاں را دگر توانم کرد
چوں دل از کارِ شاں بپردازم — کارِ تو بر مرادِ تو سازم
ایں سخن گفت باز کرد نگاہ — دریکے زاں شکر لبانِ چو ماہ
آمد آں ماہ و پا بمہر فشرد — دستِ برنا گرفت و با خود برد
تا دمِ صبح مردِ عشرت جوئے — بود خوش با نگارِ زیبا روئے
آسماں چوں ز چشمۂ خورشید — کرد پیراہنِ زمانہ سپید
باز برخاست مردِ خفتہ زجائے — زاں عروساں ندید کس بسرائے
شد ز بے مونسی و تنہائی — پیشتر زانچہ بود سودائی
تا بیک ہفتہ مردِ شعبدہ سنج — بود شب در نشاط و روز برنج
ہر شب آں نازنینِ عشوہ فروش — بر وگر عشوہ ہا نہادی گوش[1]
سوئے آہوئے خود فگندے چنگ — لیک صیدے نگرزدے بخدنگ
تا شبے شد ز جوشِ شہوت مست — رفت یکبارگی عنانش[2] از دست
ماند در پائے دلبر افتادہ — چوں گیا زیرِ سروِ آزادہ
گفت دستم بگیر بہر خدائے — کہ شکیبِ ترا ندارم پائے
چند ازیں عشوۂ جفا سازی — با غریبے چو من دغا بازی
انگبینم نمودن اندر جام — وانگہے سرکہ ریختن در کام

---

[1] اے گوش پسر تاجر را مخاطب افسانہ فریب نوکردے ۱۲ [2] عجب ۔ عنانش زدست

یا لب از جامِ وصل کن سیرم — یا بیندازِ بہر بشمشیرم
پاسخش داد شوخِ عالم سوز — کامشب اندر برِ تو ام تا روز
ہمہ شب پاسِ کار درپیش ست — این چنین صد ہزار درپیش ست
خواجہ کیں مژدہ یافت از لبِ دوست — در نگنجید ہمچو پستہ بپوست
بس کہ جانش بخوشدلی بشگفت — بادہ چند خورد و بر جا خفت
نوبت صبح زد چو نالۂ زار — مرغ و ماہی ز خواب شد بیدار
چشم بکشاد مردِ دوشینہ — خارِ[1] دوشش خلید در سینہ
خویش را دید در بیابانے — کہ نبودش سرے نہ پایانے
خاکے از ناخوشی ہلاک انگیز — خارہا بر کشیدہ دشنۂ تیز
خونش از بیخودی[2] بہ تن بفسرد[3] — ماند بیخود فتادہ۔ گوئی مرد
چوں نبود آں خرابہ جاے قرار — در خرابی روانہ شد ناچار
بقضا کرد خویش را تسلیم — دشت بردشت می شتافت بزیم
پویہ میزد براہِ بے راہاں[5] — تا بدیہے رسید ناگاہاں
شد بہ دہ اندروں بہ بد حالے — کرد منزل بخانۂ زالے
زال را بود دخترے عیّار — دلفریبے چو صد ہزار نگار

---

[1] جب = مست
[2] جب = ریگ دشتش
[3] خونش از بیہوشی بستہ شد ۱۲
[4] جب = بیہشی
[5] اے بطریق گم کردۂ راہ ۱۲

دزدِ دلها دو چشمِ پُرفنِ او
خونِ صد بیگانه بر گردنِ او

گشت چون یکدم گرفتارِ نظر ہا گرم
نازنیں سر فرو فگند ز شرم

روے پوشید و کرد آں سو پشت
میہماں را بیک کرشمہ بکشت

خواجہ کز تیر تیز تر می راند
نادکے غمزہ خورد و بر جا ماند

زال را با ہزار آزادی
بندہ گشت از خیالِ دامادی

بر سرِ کشتِ پیر زن لرزاں
کار میکرد چوں کشاورزاں[1]

خانہ گہ گہ کہ یافتے کہ خالی
بر شکر لب درآمدے حالی

زار نالیدے از گرفتاری
کاں صنم سوختے ازاں زاری

تا دلِ ماہ مہربانی یافت
طبع با میل ہم عنانی یافت

خاطرِ ہر دو از اتفاقِ ضمیر
ساخت با ہم چو انگبیں با شیر

خانہ[2] ہر گہ کہ بے نگس دیدے
شکرے از قمطرہ[3] بر چیدے

گہ درآویختے بزلف چو شست
گاہ بر گنجِ سادہ[4] سودی دست

چوں شدے گاہِ آں کہ از پیوند
درجِ سربستہ را کشاید بند

وارمیدے عروسِ کبک خرام
کہ میالائے دامنم بجرام

جست باید رضائے پیر زنت
تا دہد رہ بجلوہ گاہِ منت

---

[1] یعنی دہقانان و کاشتکاران ۱۲ [2] خنجب = خواجہ ہر گہ کہ فرصتے دیدے
[3] قمطرہ بکسر اول یعنی شتر فربہ و خریطہ کتاب و اینجا بمعنی ظرف قند کہ عبارت از لبہاے شیرین ست ۱۲
[4] مراد از پستاں ۱۲

خواجه[۱۳] در پیشِ پیرزن ناچار — بیش کردی از انچه بودے کار
روزی از خویش یافتش خشنود — آرزوئے که داشت باز نمود
پاسخش داد پیرزن که رواست — گل ز گلبانگِ بلبلاں بنواست
چوں تو با ما بهر پیوندی — من پذیرفتمت بفرزندی
دلِ مهماں بدیں حدیث نواخت — وانگهے برگِ میهمانی ساخت
بست کابین[۱۵] عروس را با شاه — کرد پیوندِ مشتری با ماه
چرخ چوں زلفِ شب فگند بدوش — ق ماه گشت از ستاره زیور پوش
شه[۱۶] در آمد بخواب گاهِ عروس — که شود شاد تا بهانگِ خروس
سیمبر بر سترارِ پیشینه — مے ز لب داد نارش[۱۷] از سینه
دست[۱۸] بر نار دان و میبش داد — نمے و میوهٔ فریبش داد
خازنِ گنج چوں بران شد باز — که کند دست بر خزینه دراز
چاپلوسی بسے نمودش جفت — ق بزبانِ شکر فشانش گفت
که من اینجا ز چشمِ مادرِ خویش — می نه بینم حجابِ بسترِ خویش
کلبهٔ تنگ و دولتے به پهلویم — چوں سزد همنشینی شویم

---

۱۵ بکسر با، موحده و یا، معروف زری که بهنگام نکاح ذمه شوهر مقرر کنند یعنی مهر ۱۲

۱۶ عروس را روز کتخدائی نوشه گویند ازیں رعایت پسر تاجر را شاه دوشه گفته ۱۲ ۱۳ جب = خواجه

۱۷ نارش محفف انارش الف بضرورت شعر حذف گشته ۱۲

۱۸ دست بمعنی قدرت ۱۲ ۱۹ جب = او

چوں ترا جفت گشتم از تقدیر — نا یداز خدمتِ تو ہیچ گزیر
روا زیں تیرہ تنگنائے بروں — ماہ را برزعقد جائے بروں
خانۂ گیر در دہِ دگرم — تا کشے بر مرادِ خود ببرم
خواجہ لعلش بدیں[۵۱] فریب بسفت — در برش کرد تا بروز بخفت
روزکے چند خویش رازاں حور — گاہِ شہوت بحیلہ داشت صبور
زال را رفت روزے اندر پیش — گفت دارم ہوائے خانۂ خویش
گر برفتن دہیم دستورے — زحمتِ خویش را دہم دورے
خیزم و راہِ خانہ پیش کنم — جفتِ خود ہم عنانِ خویش کنم
زال بگریست از غمِ فرزند — گفت دِل چوں کشایم از دل بند
آنکہ[۵۲] شد جفتِ او بعقد جواز — جفتِ خود را کجا[۵۳] گذارد باز
گفت زینہار چوں نبودش سود — کرد نا چار ہر دو را پدرود
خاست در دم عروسِ فتنہ نگال — کرد گریاں وداعِ مادرِ زال
وانگہے گفت شوے را نالاں — کہ خرک را بہ پشت نہ پالاں
سوئے خر شد جوانِ تیز آہنگ — کرد پالاں و بر کشید ش تنگ
خواست تا دست سوے دم یازد[۵۴] — پا ر دُم[۵۵] را بدم در اندازد

---

۵۱ اے خواجہ بدیں فریب ہم بستر نشد و انا لہ بکارت نکرد ۱۲ ۵۲ حجب = زانکہ
۵۳ حجب = چرا ۵۴ یازد فعل مضارع از مصدر یازیدن یعنی دست درازی کردن و بقصد کارے دست دراز کردن ۱۲ ۵۵ دُم زیں اسپ دختر ۱۲

جفتہ[۱] زد خنجر از کمیں ناگاہ — کہ بچشمش جہاں نمود سیاہ
لرزہ در[۲] شخصِ نازنیں افتاد — شد بصحرا و در زمیں افتاد
چوں بہوش آمد از چناں خطرے — کرد ہر سو بتجربت نظرے
دید خود را بروے کہسارے — در[۳] بنِ کوہ در تہش غارے
کوہِ گرم از بلندی آتش پاش — آسماں را بہ تیغ[۴] کردہ خراش
باز ازاں حیرت اوفتاد زپاے — زندگی را سنماند در وے جاے
بود فصل تموز و نیمۂ روز — جوش در مغزش اوفتاد ز سوز
از بلندے کوہ کرد نگاہ — غرفہ دید سر کشیدہ بماہ
رفت و آنجا رسید گرما گرم — سایہ سرو دید و سبزۂ نرم
بر سرِ غرفہ شد کہ بیند چیست — صاحبِ غرفہ را بداند کیست
دید پیری بسانِ پارۂ نور — کردہ خود را ز مردماں مستور
تیرِ بالاش چوں کماں شد کوز — بر کمانِ کہن برآمدہ تو[۵] ز
چونکہ آوازِ پاے او بشنید — چشم پوشیدہ باز کرد و بدید
دید آزادۂ چو سروِ بلند — گلِ او زعفراں شدہ ز گزند
زو طلب کرد ماجراے نہفت — کہ گلت از کدام باغ شگفت

---

[۱] جفتہ یعنی لکد بہندی پشتک ۱۲ [۲] جب = بر [۳] نجب = بہنے کوہ در تہش غارے
[۴] تیغ کوہ قلہ کوہ را گویند ہندی چوٹی ۱۲ [۵] تو: بالضم واؤ مجہول نام پوست درختیست کہ مثل نے بر کمان وزیں بکار برند بہندی بھوج پتر گویند و در شرح خاقانی نوشتہ کہ قسمے از کتان ست ۱۲

خواجہ از سر گذشتِ ناخوشِ خویش — کرد خالی دلِ مشوشِ خویش
پیر را کآمد آں فسانہ بگوش — زاں تحیر شدش درون بجوش
گفت کیں خاکِ پُر دیو و پری ست — تشنۂ خون آدمِ گذری ست
ہر چہ پیشِ تو باغ و ایواں بود — آں ہمہ سیمیائے دیواں بود
واں عروس جوان و ما در پیر — غولِ دشتند دیوِ مردم گیر
زندگانی ہنوز بود بجائے — کہ بایں سورہت نمود خدائے
ورنہ جانت کہ دلؔ انداز نقد تاب — چوں شدی در چنیں خرابہ خراب
پس ازیں گر شوی زبخت نژند — بگیاہے دمیوۂ خورسند
تا مرا تو ترا روان بہ تن ست — حالِ تو آں بود کہ حال من ست
ور دلت را برفتن ست نیاز — دل دلِ تست من ندارم باز
بوسہ بر پائے پیر داد جواں — گفت کای از تو ام حیات تواں
من گم گشتہ رہ کجا دانم — کز حضور تو رہ بگر دانم
زیں پس ار جائے باشدم بر تو — سرم و آستانۂ در تو
پیر گفتش کہ چوں نہادی دل — کہ کنی ہم بکوئے ما منزل
تا ازیں بادؔ یہ بگامِ فراخ — نخرامی بہر طرف گستاخ
کیں طرف ہر کجا کہ وغارست — پر ز مرغانِ آدمی خوارست

لؔ جب = یقین کہ لؔ جب = بشدے لؔ جب = نادیہ

چوں گہہ طعمہ بال بکشایند — گور و آہو ز دشت بربایند
گفت برناکہ از تو نیست گزیر — گو بیا ہر چہ باشدم تقدیر
ہم بریں دل نہاد و کرد سکون — دیر دیر آمدی ز کلبہ بروں
روزے از دستِ غم شدہ بستوہ — گشت می کرد بر کرانۂ کوہ
سوئے او تاخت مرغِ مردم خوار — ناگہاں در ربود شش از منقار
کوہ بر کوہ می پرید چو باد — تند می رفت از گزند آزاد
تا رسید از ہوا بغارے تنگ — کرد در تنگنائے غار آہنگ
مرغ دیگر ز کوہ بروے تاخت — چنگل از خشم سوئے او انداخت
مرغ با مرغ جنگ در پیوست — درمیاں خواجہ از تنکجہ برست
کرد در تنگنائے غار دوید — پیش پا مینگند و پس میدید
چوں دروں رفت تیر پرتابے — دید ہر سو ز روشنی تابے
رہ نہ تاریک بلکہ روشن بود — خاکِ رہ سبزہ زارِ گلشن بود
خاک را می نوشت میل بہ میل — گاہے آہستہ و گہے تعجیل
تا پس از ہفتۂ دو بلکہ فزوں — آمد از تنگنائے غار بروں
دید در پیشِ غار صحرائے — لالہ و گل دمید ہر جائے
کشت بر کشت روضۂ چو بہشت — جوئے بر جوئے بر کنارہ کشت

لہ جب = گرم لہ جب = خاکِ رہ لہ طے می کرد ۱۲

بر سرِ سبزہائے مینا رنگ — نائے کنجشک بود نغمۂ چنگ

خواجہ چوں یافت بوے آبادی — سینہ چوں گل شگفتش از شادی

پاے در رہ نہاد و می شد راست — تا بداند کہ ایں سواد کراست

زاولِ چاشت بود و رگتِ خویش — تا در آمد سیاہیِ شب پیش

چوں پس[1] افگندہ زاں زمیں بہرے — دید جوشیدہ ز آدمی شہرے

سوئے دروازۂ حصار شتافت — راہ زا بنوہِ خلق خالی یافت

پیشِ دروازہ در رسید فراز — تختۂ در ہماں زماں شد باز

سو بسو مردم ار چہ بود بسے — پیشتر زو دروں نرفت کسے

لشکرے ماندہ بود چشم براہ — در دویدند مہترانِ سپاہ

بوسہ بر دست و پائے دادندش — تاجِ زرّیں بسر نہادندش

حلقہ بستند بر تنش زقبا — پیش بردند تو سنے چو صبا

ہمچو شاہاں سوار کردندش — گوہر و زر نثار کردندش

رفت زاں گونہ شاہِ نوشاداں — تا کند قصرِ دولت آباداں

بہ بزرگی چو بر سریر نشست — ہر بزرگے میاں بخدمت شست[2]

خواند زاں مہتراں یکے را پیش — داد بیروں خیالِ خاطرِ خویش

ایں چہ نیرنگ و سیمیا کاریست — یا رب ایں خواب یا کہ بیداریست

---

[1] پس = پے نمود ۱۲ — [2] شست = بست

زآنچه بر تختِ ملک بنشینم — خویش را نسبتے نمی بینم
این خیال از دلم بباید برد — ورنه من زین شگفت خواهم مرد
پاسخش داد مردِ کار شناس — گفت کز سینه دور دار هراس
کایزد از رحمت آفریدترا — که بدین پایه برکشید ترا
آنکه تاجے ز تخت بر سرِ اوست — هر کجا میرود برابر اوست
دولت از دولتی[۱] گذر نکند — سوئے بیدولتاں نظر نکند
زآهن آناں که مغزکاں خارند — زر ستانند و سنگ بگذارند
گرچه بلّور روشن ست بتاب — کے نشیند بجائے دُرِّ خوشاب
آنچه پرسید شاهِ گیهانم — بازگویم چنانکه میدانم
هست رسمے بدیں[۲] زمیں مشهور — که رود چوں چراغِ[۳] ملک ز نور
بر درِ شهر با مداد و پگاه — حاضر آیند سروران سپاه
هر که اوّل درآید از درِ شهر — یابد از تختِ بادشاهی بهر
ما چو از نقلِ بادشاهِ کهن — تازه کردیم رسم کهنه زبن
پیشِ دروازه مردم از حد بیش — کس ز تو پیشتر نیامد پیش
لابد ایں ملک شد بتو تسلیم — دیر زی کان بتست ایں اقلیم
شاهِ نوزیں حدیثِ شادی راند — در نگنجید در میان قبائے

---

[۱] یعنی صاحب اقبال ۱۲ [۲] حجب = دریں [۳] کنایه از پادشاه ملک ۱۲

بود چوں آفتابِ نورانی — تا گہہ شام در زر افشانی
چرخ چوں پارہ کرد چادرِ روز — روے بنمود ماہِ چرخ افروز
در رسید از حرم وکیلِ سرائے — خاک بوسید و ایستاد زپائے
خواند شہ را بمیہمانیِ ناز — شہ رواں گشت سوے پردۂ راز
خادم از پیشِ شمع زر بر دست — شہ بدنبالِ او زشادی مست
چوں دروں رفت بوستانے دید — پرمہ و زہرہ آسمانے دید
ماہ رویاں بہر طرف جمعے — آفتابے بہ پیشِ ہر شمعے
چوں بدیدند روے فرخِ شاہ — لعل و یاقوت ریختند براہ
روے تعظیم بر زمیں سودند — قطعِ گلگوں بگل برآمودند
ہفت بت بود شاہِ پیشیں را — ہر یکے قبلہ ماہ و پرویں را
ہر شب آں را کہ نوبتے بودے — شاہ با او نشاط فرمودے
آنکہ زایشاں بپایہ والا بود — دلفریبے کشیدہ بالا بود
آمد و دستِ شاہ را بگرفت — ماند شہ در جمال او بشگفت
رخ بزیبائی از گل افزوں بود — پائے تا سر لباسِ گلگوں بود
دستۂ گل بدستِ شاہ سپرد — سوئے خلوت سرائے خویش برد
رہ نمودش نخست در حمام — تا بمشک و گلاب شست اندام
پس لباسِ سزائے تاجوراں — بلطافت سبک۔ بہ نرخ گراں

پیش بردند تا کشید به بر — کرد زآنجا بسزم گاه گذر
از بخور و گل و طعام و شراب ق — وآنچه دیگر نشاط را اسباب
همه در بزم گه مهیا بود — وز بتاں خانه چوں ثریا بود
شاه مشغولِ شادمانی گشت — مے بجامِ آبِ زندگانی گشت
بادهٔ تلخ و بوسهٔ چو شکر — نقل و بادامِ خشک و پستهٔ تر
نیمهٔ شب بدوستگانی رفت — نیمهٔ دیگر بکامرانی رفت
شاهِ انجم برسم هر روزه — چوں درآمد بتختِ فیروزه
شه ز خلوت به تخت بار آمد — در شهی چوں شهاں بکار آمد
تا بشب داوِ بادشاهی داد — هر چه خواهی بهر که خواهی داد[۵۲]
باز شه رفت در سرای حرم — جست سروے ز بوستانِ ارم
ماهِ دوشیں که تا بنوبتِ روز ق — بے دمیوه بود بزم افروز
نوبتے خود بدیگرے نسپرد — نوبتی آمد و ملک را برد
بر کفش داد دستهٔ سمن — رونق انگیزِ صد هزار چمن
باز بندِ قبا کشود و ندش — سوئے گرما به ره نمودندش
رفت و تن شست از گلابِ رواں — رست در پیرہن چو سروِ رواں

لہ شه ز خلوت به تخت باز آمد — در شهی چوں شهاں به ناز آمد

۵۲ اے ہر چیز کہ خواہش کنی و برائے ہر کہ تجویز نمائی کہ ایں کس لایق آں چیز ست یہاں کس ہماں چیز داد ۱۲

سوئے مجلس شتافت با دلِ شاد — بادہ می خورد با بتِ نوشاد
ہمہ شب تا بہ بامداد و پگاہ — بود با ہم فرانِ زہرہ و ماہ
ہم بریں گونہ شاہِ ہفت اورنگ — دید شش باغ تازہ زنگار رنگ
ہر بہارے[۱] کہ آمدے بہ نشست — دستۂ دادے از گلیش بدست
چوں بہفتم فگند[۲] قرعۂ فال — بود ماہے ز اخترانِ وبال
کاردانِ حرم نمودش راز — ق — کہ ہمہ پردہ ہا چو کردی باز
زاں یکے پردہ بہ کہ درگذری — تا نہ بینی ز چرخ پردہ دری
کاولیں خسروے کہ ما را بود — راز ایں بردۂ[۳] آشکارا بود
کردے اندر نہاں تنکر خندے — ویں فسانہ بروں نیفگندے
نے بنوبت درآمدے آں ماہ — نے بنوبت بدو رسیدے شاہ
شاہ گفت ایں حدیثِ پنہانی — باز گو با من آنچہ میدانی
خورد سوگند ہا وکیلِ سرائے — کہ من آگہ نیم ازیں سر و پائے
زیں سخن بیش گشت رغبتِ مرد — رفت و آں گفتہ را بگوش نکرد
چوں دروں شد درآں ارم خانہ — دید ارم خانۂ جداگانہ
صنمے دید آفتاب درفش[۴] — شقۂ بر تن از حریر بنفش

---

[۱] با عتبار حسن و جمال پری پیکران گل عذاراں را بہار گفتہ ۱۲ — [۲] جب = فتاد
[۳] حجب = پردہ — [۴] بمعنی روشن ۱۲

دستهٔ از بنفشه داشت بدست — شاه را داد و کردش از بو مست

چشمِ شه چون بنازنیں افتاد — زاں عجب خواست بر زمیں فتاد

نیکواں گرچه دیده بود بسے — زاں نکوتر ندیده بود کسے

دلش از عاشقی نماند صبور — زد چو پروانه خویش را بر نور

ترکِ جادوگرِ فریب انگیز — گفت کآبے بزن بر آتشِ تیز

گردِ میدانِ بارگه برتست — تنِ شاهانه را بباید شست

تا نگردد چو گیرمت بکنار — نازک اندامِ من بگردد فگار

که مرا نام مردم دیده است — گرد بر دیده ناپسندیده است

شاه گفتا که چوں بود مهمات — تشنه را صابری ز آبِ حیات

سیمبر گفت کز پئے دلِ شاه — من بگرما به می شوم همراه

تا همانجا برهنه روے بروے — هر دو با هم شویم موے بموے

در زماں خاست شاه زیں شادی — داد تن را ز کسوت آزادی

نازنیں را گرفت ساعد نرم — عزمِ گرما به کرد گرماگرم

نازنیں جامه را[1] چو بیروں کرد — هوش بنیده را دگرگوں کرد

روبرو هر دو چوں شدند بناز — هر دو جعد افگن دو والک[2] باز

خواست شه تا درود در آویزد — آب و آتش بهم برآمیزد

---

[1] جب = نیز جامه

[2] حیله ساز و بجیا و اینجا مراد از تتمه بازی که قسمے از قمار ست ۱۲

صنمش گفت صلائے سخنِ حلوا پیش — جز چشیدن نہ ماند دیگر پیش
بارے اوّل زبوسہ بستاں داد — پس تو دانی و گنجدانِ مراد
شہ دہن بر دسوے پستۂ نوش — بوسہ داد و زذوق شد بیہوش
چوں زخود زندہ شد بہ بیجالی — دید عفریت خانۂ خالی
ماند منزل تہی و ماہ شدہ — زیر و بالا ہمہ سیاہ شدہ
دستش اندر دہانِ خنداں ماند — بازوے حسرتش بدنداں ماند
گشت زاندوہِ سینہ سودائی — باز دیوانہ شد زتنہائی
از بسے غم کہ اشک ریخت ازو — دیوِ گرما بہ میگریخت ازو
از تحیر چناں شکست تنش — کہ سخن بستہ گشت در دہنش
خاست از جایگہ چو مد ہوشاں — گشت میکرد سو بسو جوشاں
زیرِ ہر گنبدے دواں میرفت — زیں بروں آمد و دراں میرفت
ہمہ شب تا جہاں منوّر گشت — بود گنبد بگنبد اندر گشت
گنبدِ آسماں چو شد بے دود — گشت روشن جہانِ دود اندود
مردِ رہ گم زروشنائے نور — دیوِ گرما بہ را بدید از دور
رفت چوں پیش در ہماں دربود — کہ نخستش بفتنہ رہبر بود
بندگانش کہ در گہ و بیگاہ — بہر او بودہ اند چشم براہ

لہ طبق وطشت ۱۲ لہ حجب = چشمہ لہ ح = بدو

چوں بدیدند روے مغنمِ خویش — درد و یدند خواجۂ او را پیش
ہر یک از بندگاں بآزادی — گریہ می کرد لیک از شادی
بندہ وارش بپا در افتادند — بوسہ بر دست و پائے او دادند
او ز بس بیخودی و بیہوشی — بر لب افگند مُہرِ خاموشی
پائے تا سر برہنہ بود تنش — پیش بر دند از پیِ پیرہنش
نستدآں جامہ زار زار گریست — وز آگہی نہ کہ گریہ از پئے چیست
سوئے ماوائے خویش بردندش — ہر نمط جامہ پیش بردندش
زاں ہمہ جامہائے رنگا رنگ — کرد در جامۂ بنفش آہنگ
جامہ پوشید و برگِ رفتن ساخت — رخت بر بست و خانماں پرداخت
شہر بر شہر شد بخانۂ خویش — بیخود از خویش و ز فسانۂ خویش
پدرش رفتہ بود و مادر نیز — وز پئے او گذاشتہ ہمہ چیز
چند گاہے بپردہ بود نہاں — واز ہمہ گفتگوے بستہ دہاں
بعد ده سال در خروش آمد — رازِ او خلق را بگوش آمد
کوششش زاں پس از گلہ تا کفش — بود پیوستہ پرنیانِ بنفش
ہست رنگِ بنفشہ نادروش — دیدہ را نغز و سینہ را دلکش
ترکِ زیبا کہ رو بود چو مہش — در حریرِ بنفش[1] کن نگہش

---

[1] اے معشوق ماہرو را بلباس بنفش نگاہ کن کہ چوں زیبا آید ۱۲

باغ کو نقش کم ز دیبا نیست — بے خیالِ بنفشہ زیبا نیست
خندۂ برق با ہزار درفش — بیں کہ چوں خوش بود در ابرِ بنفش
چوں نگارِ بنفشہ زلف طراز ق — گفت ایں داستانِ عشرت و ناز
شہ چناں در برآوریدش تنگ — کہ گلش را بنفشہ کرد بزنگ
رفت زاں سرو سیم زلف بہ تاب — درمیانِ گل و بنفشہ بخواب

صندلی نہادن بہرام روز پنجشنبہ در بہشتِ ہفتم در گنبدِ صندلی و نخلِ صندل اندامِ عرب را چوں صندلِ تر بر سینہ مالیدن و جامۂ صندل و ام پوشیدن

پنجشنبہ کہ صبحِ صندل سائے — صندل آلود چرخ را سر و پائے
روز سعد و زمانہ فرخ بود — نسبتش ہم بمشتری مسعود
کرد بہرام بانشاطِ تمام — مشتری وار جامہ صندل فام
ساخت در برج صندلی خانہ — بست پیمانِ مے بہ پیمانہ
جلوہ گر شد بتِ عرابی زاد — بوسہ بر دست و پائے خسرو داد
شاہ بر روئے آں بہشتی ذات — نوش می کرد سلسبیلِ[1] حیات

---

[1] نام نہریست در بہشت و اینجا مراد از شراب حیات پرورد مسرت افزا ۱۲

چوں ہوا در نوشت چادرِ نیل — سرمہ گوں شد زمانہ میلِ میل

دادبیزں بر مزِ جادو بند — کہ پری روئے جادوئے پیوند

شب بافسانہ کند کوتاہ — خواند افسونِ چشم بندیِ شاہ

بہ تواضع نگارِ سیمیں ساق — بازمیں کرد جفتِ ابروطاق

گفت شاہا فلک سریرِ تو باد — دشمن آماجِ زخمِ تیرِ تو باد

ہمہ عمرت زعید دلکش تر — روزت از روز و شب ز شب خوشتر

آنچہ در گوشِ چوں توئی سنجد — چوں منی را بہوش کے گنجد

لیک چوں ابرِ پارہ[1] بارانی — پیشِ دریا کنم دُرافشانی

ریخت زمیناں بسے چو دُرِ یتیم — ق گفت وقتے بروزگارِ قدیم

پیچیدنِ بہرام از دہاوش در قامت چوں درختِ صندل و افسانہ گفتن آں شجرہ معطرہ بنسیم

بود فرماں دہے بہ ملکِ یمن — کارفرمائے خسروانِ زمن

راستکارے چو سروِ بستانی — راست گوئے چو صبحِ نورانی

پسرے داشت ہوشمند و جواں — دل چو دریا و کف چو آبِ رواں

مردمِ چشمِ بادشائی او — ملکِ روشن ز[2] روشنائی او

---

[1] ابرِ پارہ = تازہ [2] ز = بروشنائی

در هنرهائے روزگار تمام — رامِ[۵۱] او روزگار و رامش[۵۲] نام

مادرش رفته بود در پرده[۵۳] — پرده بر دیگرے رها کرده[۵۴]

گشته در پرده مادرِ دگرش — جلوه گر در عماریِ پدرش

روزے از مهر مے چو فرزندان — رفت در پردهٔ پدر خندان

دید بانوئے شه بپردهٔ راز — در کنارِ وزیر خفته بناز

دو دِ خشم از سرش بگردوں رفت — دیں نادیده کرد و بیروں رفت

آں خیانت گرانِ پنهاں خند — چوں بدیدند زخمه در پیوند

از مے[۵۵] خورده در خمار شدند — چاره را رهنمونِ کار شدند

گفت با بانوئے ملک دستور — که پسر عاقل ست و شاه غیور

تا نکرد ست چاشت شام کسیم — کارِ او پیش[۵۶] ازو تمام کنیم

چوں شه آید ترش کُنَش ابرورا — پس به تلخی[۵۷] خراش کُن رورا

چهره پر خوں کُنَش دو دیدهٔ پُر آب — گو جهاں[۵۸] را نگر که گشت خراب

پسرِ بد زند بسا در چنگ — ز آسماں چوں فرو نبارد سنگ

آں جگر گوشه را چناں نه خار — که شه از خونِ[۵۹] خود شود بیزار

چوں فسوں خواندهٔ فسوں آموخت — شمع را کشت و شعله را افروخت

---

۵۱ معنی مسخر و فرمان بردار ۱۲ ۵۲ نامش رام ۵۳ اے مرده بود ۱۲ ۵۴ در مصرعه ثانی از پرده مراد پرده خلوت اے پدرش زن نو خواسته ۱۲ ۵۵ مے خورده مراد ازاں لطف مواصلت و عشرت گذشته و در خمار شدن مراد بخشش پیدا کردن ۱۲ ۵۶ ج = ازاں ۵۷ ج = به ناخن ۵۸ ح = جهانے ۵۹ ج = مهر خود

رفت زانجا بسوئے مسندِ خاص — مخلصِ شاہ[1] گشت بہرِ خلاص

ہمچو ابروئے خود سرافگندہ — دابروان را گرہ برافگندہ

شاہ گفت اے بکد خدائی من ق — رونق انگیزِ بادشائی من

درچنیں دولت و فراخی زیست — ایں ہمہ تنگئے دل از پئے چیست

جبہہ را سود بر زمیں دستور — گفت کاے جبہۂ تو مطلعِ نور

تا جہاں ست برجہاں سر باش — کارفرماے ہفت کشور باش

منکہ چوں بندگانِ دولت خواہ — پرورش یافتم زنعمتِ شاہ

نمکت چوں نگیرد م گردن — کہ بدل دارم ایں جگر خوردن

کہ جگر گوشۂ تو برخوانت — دست بردہ[2] سوے نمکدانت

آنچہ در گوشم آمد از کم و بیش — من نمودم دگر تو دانی بیش

زاں نفس کاندر آں چراغ اُفتاد — دودش از سینہ در دماغ اُفتاد

درحرم شد برخ زدہ چیں را — دید پژمردہ سروِ سیمیں را

خونے از ہر مژہ رواں میریخت — آبِ نرگس بر ارغواں میریخت

مو پریشان ورد خراشیدہ — سمن[3] از برگِ گل تراشیدہ

قصہ پرسید شہ بغصہ و سوز — گفت با نونہالِ بدآموز

پارہ پارہ فرو دخواند درست — آنچہ تعلیم کردہ بود نخست

---

[1] ب = خاص [2] ب = بازد [3] مراد از سمن رخسار سیمیں و از برگ گل ناخن انگشتہاے حنائی ۱۲

ملک آں ماجرائے ابلہ گیر — کرد باور چو ابلہاں بضمیر
ماند حیراں کہ حیلہ چوں سازد — کز دل آں غصّہ را بپردازد
گفت گر تیغ بر کشم زنیام — بقصاصِ پسر شوم بدنام
دگر ایں غم فزود خورم در دل — در گداز آردم چو نم در گل
چوں دلش تنگ شد ز غصّۂ خویش — ہم بدستور گفت قصّۂ خویش
خواجہ کاں سوز ناکی از وے بود — بدمیدن زیادہ کردش دود
تا رضا داد شاہِ آزادہ — کہ مسافر شود ملک زادہ
سوئے وے با ہزار مخموری — رفت دستور برد دستوری
کرد روشن جوانِ روشن رائے — کز کجا گشت فتنہ بال کشائے
آں اللہ برآں گفتہ ہیچ در نفزود — در جہاں سر زد و رواں شد زود
کوہ می سود و دشت می نالید — در کہ و دشت زار می نالید
قطع شد چوں حوالیٔ شاہش — سہ مہندس شدند ہمراہش
ہمرہاں را باتفاقِ ضمیر — در ہم آمیختہ چو شکّر و شیر
یکدگر گشتہ ہمدمِ جانی — ہم در آباد و ہم بہ ویرانی
ہر یکے گنج خانۂ ہنرے — ہیچکس را نہ زاں ہنر خبرے
تا یکے روز با فراغِ تمام — خلوتے بود شاں بہ نقل و بجام

لہ: حجب = او

بادہ در سینہ ہا بکاوش بود — راز با بادہ در تراوش بود

رام نیز از جراحتِ دلِ ریش — می تراوید حالِ مشکلِ خویش

دوستاں کآں حدیث بشنیدند — یارئے دوست مصلحت دیدند

گفت یک شخص زآنچہ[1] من دانم — سرمہ در دو چشمت افشانم

گرچہ خلقے بہم نشینندت — ہمہ را بینی و نہ بینندت

سرمہ چوں در حجاب دادت جاے — ہر کجا ہست بیحجاب در آئے

با بداندیشِ خود تباہی کن — ہر چہ خواہی بہر کہ خواہی کن

چشم زاں سرمہ چوں سیہ داری — گریۂ دو دو در نگہ داری

رام گفتش کہ اے پسندیدہ — بدہ آں سرمہ گفت کز دیدہ[2]

مرد بینا کشاد حقۂ نور — سرمہ در چشم کرد و شد مستور

سرمہ را شست و باز پیدا گشت — ہر کہ نظارہ کرد شیدا گشت

رام را سرمہ داں بہ پیش نہاد — منتش بر دو چشم خویش نہاد

دو دمی گفت من ز راہِ صواب — دانم افسونِ چشم بندی خواب

زاں فسوں ہر کرا بجنبانم — بر نہ خیزد مگر بفرمانم

گر بیاموزی[3] آں فسوں خوانی — آں کنی بر عدو کہ بتوانی

رام گفتش کہ ہر چہ گوید مرد — گفتۂ خود تمام باید کرد

---

[1] جب = کانچہ [2] اے بسر دو چشم لطف لفظ دیدہ بر ارباب ذوق سلیم مخفی نیست ۱۲ [3] ح = بیاموزم

کارداں رقیہ ہم چناں برخواند — کہ در افتادرام وخفتہ بماند
چوں شد آں خوابش از دماغ بروں — پیشِ دانا درست کرد افسوں
سیومیں گفت کآنچہ من دارم — بر تو ناید من ارچہ بسپارم
بر تو[1] بنمایم آں فسانہ کار — تو خود آنجا برو بیاؤ بیار
در حدِ مصر خانہ ایست ز سنگ — کردہ در وے نگارش از نیرنگ
نقشِ ہر جانور کہ گیری[2] نام — در وے از تیشہ کردہ اند تمام
جادوے کاوّل آں رقم دادش — در زمانے نہاد بنیادش
کہ شگفتی ز رازہائے جہاں — کردہ در زیرِ ہر خیال نہاں
ہر کہ خواہد کہ از کفایت وراے — گردد آں پردہ را طلسم کشاے
چشم بر پیکرے نہد یک سال — تا بجنبیدن آید آن تمثال
نقشِ سنگیں چو جلوہ در گیرد — پیکرش را مونہ بر گیرد[3]
چوں نشاند مونہ را بر موم — رازِ[4] آں خانہ خود شود معلوم
گرت آں[5] سنگ ہم نفس باشد — در ہمہ کارہات بس باشد
رام زاں ماجرا کہ دانا گفت — آنچناں شد کہ تا بروز نخفت
صبحدم چوں ز گنبدِ بے سنگ — جلوہ گر گشت پیکرِ ارژنگ

---

[1] نجیب = لیک بنمایمت نشانہ کار
[2] حب = دارد
[3] ۱۵ اے ہر گاہ نقش سنگیں در جنبش آید نقش آں تصویر بر موم بر گیرد ۱۲
[4] ج = راز خود را ازاں کند معلوم
[5] ۱۵ اے اگر آں نقش کہ بر موم گرفتہ ہمراہ باشد ہمہ کارہاے ترا ہماں یک نقش کافی بود ۱۲

مرد جوینده راه پیش گرفت — ره سوئے آرزوئے خویش گرفت
جاں زرنج ار چه می بیازردش — دل گریباں گرفته می بردش
گام میزد به شهر و ویرانه — تا رسید اندر آں صنم خانه
چوں بهر پیکرے فگند نظر — دید عفریت پیکرے سنگر[1]
نظر از و هم برگماشت برو — تا به یک سال چشم داشت برو
چوں بجنبید آں نمونه چست — گرمش از موم برکشید درست
چوں بروں آمد از درونِ سرائے — دید آهرمنستان بپائے
گشت لرزنده زو درونه رام — کرد پرسش که کیستی و کدام
گفت آنم من ار کنی معلوم — که ز سنگم نشانده بر موم
رازِ من گر ترا نه معلوم ست — کوهِ سنگیں ز دستِ من موم ست
هر چه دشوار تر همیدانی — حکم کن تا کنم به آسانی
هر چه کم گنجد اندر اندیشه — نزدِ من هست کمتریں پیشه
حاضرم باچنیں توانائی — تا کنم پیشت آنچه فرمائی
رام گفت ایں زماں همی خواهم — که بشهرِ پدر بود راهم
دیو گفتش که چشم برهم پوش — چوں بپوشید برنشاندبدوش
گفت بگشائے - چوں گشاد نظر — دید خود را درونِ شهرِ پدر

---

[1] سنگیں در نسخت ۱۲

شب نہاں شد بکنجِ پیرزنے — زالے درستے واہرمنے
چوں سیاہی شد از سپیدیٔ دور — روز بکشاد روز نامۂ نور
شد بدیوان وزیرِ کارآگاہ — کامراں گشتہ در ممالکِ شاہ
رام در چشم کرد سرمۂ ریو — شد بدیواں بہم عنانی دیو
کرد اشارت بدیو تا برخاست — دست را کرد بہر سیلی راست
زد قفائے بخواجۂ دیواں — کہ بلرزید زاں طراق ایواں
کاردراں ز جاے برجستند — سرِ آں حال را ہمی جستند
اندریں گفتگوئے بد ہر کس — کاہرمن باز در دوید ز پس
زد چناں سیلیٔ دگرناگاہ — کز سر خواجہ رفت دکلاہ
چوں[۱] ہمی خواست آں کلہ کف کرد — تا ستاند قفائے دیگر خورد
حیرتے در نہادِ خلق افتاد — دوست آزردہ گشت و دشمن شاد
مردماں از خجالتِ دستور[۲] — دور گشتند یک بہ یک زحضور
ایں[۳] ز سودائے سیلیش خنداں — واں[۴] دگر پشتِ دست دندداں
خواجہ جست از خجالت سیلی ۲ — با رخِ زرد و گردنِ نیلی
رفت در خانہ ہمچو تنگ دلاں — رخ ز مردم نہفت چوں خجلاں

---

[۱] ن = کلہ گرد خوردہ رازاں گرد
[۲] وزیر ۱۲
[۳] اشارہ ایں بسوئے دشمن وزیر ۱۲
[۴] اشارہ آں بسوئے دوست وزیر ۱۲

چوں قفا کرد بہرِ بالیں ساز — دیوش اندر قفا درآمد باز
بازش از ضربتِ قفا خوردن — در طراقاطراق شد گردن
تا شبُ روز بے امیدِ خلاص — سیلئ چند شد وظیفۂ خاص
رازِ پنہاں بکوی و راہ رسید — قصّہ در گوشِ بادشاہ رسید
شہ عجب ماند کیں چہ شاید بود — کآتشے نبود و برآید دود
دست نے و قفا شود سوراخ — نبود دیو ایں چنیں گستاخ
داد فرماں کہ ہر کجا کہ کس ست — ق کش بہ نیرنگِ ناتہا[۱] ہوس ست
ہمہ حاضر شوند پیشِ سریر — تا پژوہش کنند رازِ وزیر
ایں خبر گشت در ولایت فاش — گفتگوے فتاد در اوباش
ہر کجا بود دیو بندے چست — کرد دیبا[۲] چہائے فتنہ درست
آمد و کرد کاردانیِ خویش — داد بیروں دمِ نہانیِ خویش
ہیچ ممکن نشد کز آں خانہ — دیو بیروں شود چو بیگانہ
چوں بکارش زبوں شدند ہمہ — بخجالت بروں شدند ہمہ
بہرِ کردن وزیر را چارہ — دیوِ گردن زنش بنظّارہ
دید چوں کاردانیِ ہمہ خام — آمد و گفت قصّہ را با رام
رام چوں دید حالِ خواجہ چناں — کرد بر خود لباسِ پیرزناں

---

[۱] اے عمل جن و پری و ساحری میداند ۱۲ — [۲] مصرعۂ ثانی صفت دیو بند واقع شدہ ۱۲

صندل آلود روی و برقع بست — وز شناسندگانِ صورت رست

فرصتے جست و رفت پیشِ وزیر — گفت بشنو حدیثِ مادرِ پیر

من هم از دانش این قدر دانم — کز تو این فتنه را بگردانم

لیکن آنگه بود امیدِ فراغ — که تواں کرد بر سرینِ تو داغ

گفت با او بعاجزی دستور — کآنچه خواهی کن ار بود دستور

رام گفت آنچه زاں[1] شوی بکراں — من نه گویم تو دانی و دگراں

کرد دستور خانه را خالی — پیشِ او چارپاے شد حالی

رام چوں اوستادنی فنِ خویش — دید زاں گونه حالِ دشمنِ خویش

بر سرین داغها نهاد شگرم — زیرِ لب می نمود خنده نرم

سوخت چوں خواجه را بطنّازی — دیو را باز داشت زاں بازی

بس نبود آنکه شد قفایش لعل — جفته را هم در آتش آمد نعل

خواجه بنشست با هزار خوشی — از قفا رومی و ز سرین حبشی

گنج اندر کنارِ رام فگند — چند گه یافت ایمنی ز گزند

رام را مادرِ زبانی خواند — بهتر از مادران جانی خواند

محرمِ پرده نهانش کرد — کارفرماے خاں و مانش کرد

---

[1] رام که در پیکر زال بوده لقب مادر را اختیار کرده بود بوزیر گفت من آں چناں عمل خواهم نمود که ازیں مصیبت عظمیٰ برکراں باشی و رستگاری یابی ۱۲

او بغارت شد اندر آں بستاں — مگسے در میانِ خونِ ستاں[1]
خانۂ پر ز صد ھزار پری — ھر یکے چوں ستارۂ سحری
چوں جہاں سرمہ گوں شدی ھر شام — سرمۂ خود بچشم کردی رام
بر نشستی بدیو دیوانہ — وآمدی سوئے آں پری خانہ
ھر کرا خاص کردہ بودے روز — شب شدے بر مرادِ خود فیروز
آنکہ بر وے گذشتی آں بازی — بستہ گشتی لبش بغمّازی
نتوانستی آں حکایت گفت — کہ دُرش را درونِ پردہ کہ سُفت
کردی اندیشۂ ز ہر بابے — کہ خیالیست ایں و یا خوابے
دُزد گر کیسہ را فرا گیرد — خواجہ چوں ننگرد کرا گیرد
جا بجا کارنامۂ شبِ دوش — لب بہ لب میرسید و گوش بہ گوش
تا چو شد پارہ پرنیانِ[2] ہمہ — سخن افتاد در میانِ ہمہ
پیش کز حملہا[3] ے بے سر و پاے — ق — فتنہ زائیدہ اندرونِ سراے
دستہا ں تن بہ تیغ در دادند — خواجۂ خانہ را خبر دادند
کآفتے شد دریں سرا پیدا — تیر پیدا و شست ناپیدا
تا نرفتست کار و بار از دست — چارۂ کن کہ رفت کار از دست

---

[1] نام ولایت کہ شکر آنجا در عمدگی مشہورست و بعض معنی جاے طعام نیز گفتہ اند ۱۲

[2] مراد از نگارت ۱۲ [3] حج = حیلہ ہاے

خواجہ را باز خوں بجوش آمد — جانش از سینہ در خروش آمد
گفت با خود کہ یارب ایں چہ بلاست — میہماں نے و خانہ پر ز صداست
بسکہ عاجز شد اندر آں تدبیر — خواست[ل] باز گری ز مادر پیر
پاسخش داد و رام زیر نقاب — کآں خیالست میرسد در خواب
گرچہ نامش بدیو اُفتادست — لیک دانم کہ آدمی زادست
دیدہ را ریو سرمہ کردہ است — کز نظرہائے خلق در پردہ است
گفتہ باید کہ تا بہ بامِ زمیں — پیشِ ہر حجرہ کنند کمیں
میہماں چوں دروں خرامد زود — میزباں پیش در برآرد دود
دود چوں سرمہ را بشوید پاک — سرمہ کش را نقاب گردد چاک
وز ازیں چارہ ہم عنر یو کنیم — دیو باشد فسونِ دیو کنیم
لیک باید کہ خواجہ ناید پیش — تا نہ بیند دگر قفا را ریش
من ہم امشب بکنجِ خانہ دروں — دفع ایں فتنہ را کنم[ب] بفسوں
ایں سخن گفت و رفت در خانہ — گشت پنہاں بکنجِ کاشانہ
شب چو پر دود شد سپہر کبود — دیدہ تر گشت ماہ را زاں دود
رام در چشم کرد سرمۂ راز — اہرمن را فگند در پرواز
رفت در کاخِ دخترِ دستور — گنج پیدا و نقب زن مستور

ل: ج = صلا ل: ج = خواست یاری گرے ز مادر پیر ب: عجب = شوم

دود برکرد ماہِ آتش روے — شد کمینہا کشان سوے بسوے
سرمہ چوں شستہ شد ز دیدۂ رام — گشت پیدا رخِ چو ماہِ تمام
ہر کہ آں روے چوں پری میدید — چوں پری دیدگاں ہمی لرزید
ہم دروں ترشدند باہمہ بیم — سخت بستند دستہاے چو سیم
مژدہ بردند سوے خواجہ شتاب — خواجہ نیز اوفتاد در تگ و تاب
خواست تا سر بروں کند ز رواق — کز قفایش بیام رفت طراق
ہم چو دزداں گریز کرد ز پیش — وز قفا گشت و زدِ گردنِ خویش
گفت تا خونش بر زمیں ریزند — خاک با خونِ او در آمیزند
درد و بیدند خونیاں بستیز — از پئے خوں کشیدہ خنجر تیز
چوں چناں دید زاد[1] سروِ جواں — رقیۂ خواب در دمید چناں
آنگہہ چوں ابلہاں برآشفتند — الٰہی بیں کہ در زماں خفتند
رام بگشاد بندِ خویش ز دست — ہمہ بندندگانِ خود را بست
ہر کہ آمد بہ بند کردنِ او — بندِ او شد دوالِ گردنِ او
دانگہے دست را باسترہ برد — سبلت و ریش جملہ پاک سترد
زاں ظرافت کہ موی در مو داشت — موی از چابکی فرو نگذاشت
چوں سزا کردشاں ظریفانہ — بہ طریقے گریخت در خانہ

---

[1] زاد مخفف آزاد یا بمعنی پیدایش ۱۲

آسمان چون ستر دطرّهٔ تار — خنده بکشود صبح سیم عذار
شد دگر بار رام برقع پوش — رفت در پرسشِ حکایتِ دوش
چون درآمد به پیش گاهِ وزیر — دید یک خانهٔ پُر از امردِ پیر[1]
همه را دود[2] در فتاده بیخ ماند — ریش گم گشته و ز نخ مانده
پردهٔ هر یکی چو غنچه درید — خود چو گل زیرِ پرده می خندید
باز پرسید خواجه رازان راز — برنیامد مهیده را آواز
بفریبش کشاده کرد نفس — گفت کاندیشه نیستت زین پس
سرِ این فتنه خواندم از تمیز — کارِ دیوست و دیو مردم نیز
بندم آن دیو را چنان بفسوں — که نیاید دگر بخانه دروں
خواجه دل شاد شد ز شادی او — کآگهی داشت زاوستادی او
چند گه بود از گزند آزاد — بخوشی داد خوشدلی میداد
چون دلش گشت زان بلا بی بیم — تازه شد بازش آرزوئے قدیم
خواست از نعمتِ ملک توشه — حقِ نعمت نهاد در گوشه
رام چون دید کو نهان کردست — وز جوانانِ ناجوان مردست
در سرای پردهٔ ملک به درست — خیره تر شد از آنچه بود نخست

---

[1] ریش و بروت همه ها که چون پاک سترده بود لهذا امرد پیر گفته ۱۲

[2] دود عبارت از ریش و بروت و بیخ از سپیدی چهره ۱۲

در شبے کو ببد سگالی بود ق خواجہ مہمان خانہ خالی بود

رفت ہم بر ستارِ پیشینہ ہمچو گرگے بصید میشینہ

در مقامے کہ دخترِ دستور بود در خواب گاہِ خود مستور

برگرفتش بہ پشتِ دیو نہاد چوں گلے کش ز جا برآید باد

خوانده بودش فسونِ خواب پیش کہ بہ بردن خبر نہ داشت ز خویش

در نہاں خانہ کہ بودے رام بود بر رفتہ[1] منظرے ز رخام

نشدی مرغ را حرام برو رام بودی و دیو رام برو

دخترِ دستور را در آنجا برد زہرہ را ببرجِ جوزا برد

دخترِ نازنیں چو گل بہ بہار خوبرو ہمچو صد ہزار نگار

غمزہ را تیغ کافری دادہ ناز را شغلِ دلبری دادہ

زلفش افگندہ عالمے در تاب نرگسِ مست در کرشمہ و خواب

خانہ ویران کنِ ہزاراں دل گیسو زنار بند و سبحہ گسل

چوں در آمد ز خواب چشم کشاد سو بسو از کرشمہ چشم نہاد

دید جائے کہ ہیچ گاہ ندید رہ بجائے کہ ہیچ راہ ندید

غرفۂ برد سر بکنگرِ ماہ کرد رہ سوئے آسمانِ سیاہ

رام را دید خانۂ معمور آفتابے ببرجِ خانۂ نور

---

[1] بر رفتہ بمعنی بلند ۱۲

زاں تحیّر ہراسِ جانش بود | بود بخویش جائے آنش بود
دید چوں میزبانِ شعبدہ باز ق | میہماں راز بے خودی بگداز
نرم نرمش بدلنوازی گفت | کای شدہ جفتِ تو منِ بے جفت
منکہ پیشِ تو دیو کردارم | آدمی ام نہ آدمی خوارم
دل ہراساں مکن بوہم و قیاس | آدمی راز آدمی چہ ہراس
میہماں شو دمے بخانۂ من | تا شوی آگہ از فسانۂ من
نازنیں کاں شکر فشانی دید | شربتے زآبِ زندگانی دید
حیرتِ جاں بروں شدش زضمیر | حسرتِ دل[1] شدش گریباں گیر
گشت بر روے رام عاشقِ زار | دلش از دست رفت و دست زکار
رام نیز از نکوئی دلِ دوست | بانکوروی دوست شد در پوست
چوں دو دل را یکے شد اندیشہ | جوشش بر زد تنِ ہوس پیشہ
رام کا دل شد آں صنم را جفت | گوہرِ سفتہ بارِ دیگر سفت
دلِ شاں چوں فراغ یافت زکام ق | رام را گفت سروِ سیم اندام
کاے گرامی جوانِ زیبا روی | ایں چہ جای است کیستی تو بگوی
من کہ ناسفتہ بود گوہرِ من | رخنہ کردی بلولوئے ترِ من
ویں زمانم زپردہ کردی دور | باز در پردہ چوں شوم مستور

---

[1] اے در دل حسرت وصال رام پیدا شد ۱۲

صبحدم چوں ببرده جویندم — گر نه بینند پس چه گویندم
مردنِ آدمی بنا کامی — بهتر از زیستن به بدنامی
رام گفتش که دل مدار غمیں — که منم شهریارِ روے زمیں
دارم اندیشهٔ بکارِ جهاں — کایں چنیں گشته ام ببرده نهاں
چوں برافتد نقابِ امیدم — هم تو روشن کنی که خورشیدم
لیک سوگند می خورم بخدائے — ق آنکه هستی بامرِ اوست بپائے
که چو خسپم بچار بالشِ خویش — جز تو هم سخنوا به نجویم پیش
زاں دقیقت عروسِ ترساخوی — کرد اندیشه از دل یک سوی
همه شب با نشاط و شادی بود — با قبادی و کیقباد[۱] ی بود
صبح چوں رخ ز پرده بیروں کرد — پرنیاں چرخ را پر از خوں کرد
رام بربست ماه را در برج — خود بروں شد ز در چو لعل ز درج
صندل آلود رو و بست نقاب — در زماں پیشِ خواجه شد بشتاب
خواجه باز از درونه نگراں — نعره زد چو سوخته جگراں
که بجاں آمدم ز غم خواری — میرم ار مردنم روا داری
جگرم گشت دیو را توشه — چوں توانم زیست بے جگر گوشه
دیده بے مردم ایں چه بینائی ست — خانه بے پرده ایں چه سوائی ست

---

[۱] اے باعشرت شاہانہ شب بسر بردہ ۱۲ — [۲] حجب = مردم

مردمی کن کہ من بچشمِ نیاز — مردمِ چشمِ خویش بینم باز

مادرِ پیر گفت دل خوش دار — سینہ زاندیشہ نامشوش دار

امشب از جست و جوے مادرِ خویش — باز بینی جمالِ دخترِ خویش

خواجہ از استوارلئے کارش — خاطر آسودہ شد ز گفتارش

شب چو شد جامِ مہ شراب[1] آلود — ق — چشمِ خورشید گشت خواب آلود

رام در خواب کرد چشمِ عروس — خانہ بردش بگاہِ بانگِ خروس

مردمِ دیدہ را چو دید پدر — جاے کردش درونِ دیدۂ تر

چند گہ چوں شد از گزند آزاد — باز نو کرد فتنہ را بنیاد

رام گفتا کہ بخ من چو از وست — کینش از دیگراں کشم نہ نکوست

بعد ازیں کارِ او ز سر گیرم — پردہ از روے کار بر گیرم

جست دعوی گری مخالف خوی — زیرک و سخت خشم و حجت جوی

داد بیروں بخشم و کینۂ خویش — داغِ دستور سوزِ سینۂ خویش

گفت زیں داغہاے دود انگیز — خواجہ را داغِ بندگی نہ گریز

شعلہ چوں بر زند ز خامیِ او — داغِ او بس خطِ غلامیِ او

داغِ او از سُریں چو بر خوانی — داغدارت شود بہ پیشانی

گر بکوشش زنی دریں رہ گام — ہر چہ او دارد آنِ تست تمام

---

[1] شراب مراد از روشنی ماہ ۱۲

مردِ روزی طلب ز شادیِ مال — رفت در پیشِ بادشا درحال

چنگ در زد بدامنِ دستور — گفت کز من مشو چنیں مستور

چوں غلامِ منی و حلقه بگوش — خواجه بشناس و خواجگی مفروش

قیمت خود بدا مهم رد کن — خواجه را نیز بندهٔ خود کن

کاردارانِ شاهِ راد[1] پرست — به پژوهش زدند بروی دست

کآنچه ملکیتش روا دارے — ملکِ تو باشد ار گوا دارے

مردِ حاضر جواب گفت که من — شیر خواره خریدمش به یمن

پرورش کردمش چو فرزنداں — تاش نوزده[2] ز عمر شد خنداں

چوں عیاں گشت خویش را بشناخت — باد غا پیشگاں دغامی باخت

کارِ ایں کز قمار[3] باز سازی بود — حقه[4] بازی و مهره دزدی بود

چوں بهر جا گرفتمش خفته — کردمش داغ جفته[5] بر جفته

گر فتد بر گوا حوالهٔ من — داغِ او بس بود قبالهٔ من

خلق زاں خار[6] خارِ بے آزرم — سر فگندند چوں بنفشه ز شرم

خواجه چوں دید کش بپرده[7] راز — نامه باز ست و حرفها غمّاز

بنده گشتش ز راهِ دانائی — معترف شد بوهمِ[8] رسوائی

---

[1] راد یعنی سخی و شجاع ۱۲ [2] اے تا آنکه عمرش بحد بلوغ رسید و نشاط انگیز شد ۱۲

[3] اے قمار و غیره میباخت ۱۲ [4] جفته یعنی سرین ۱۲ [5] خصومت بے صلح ۱۲

[6] مراد از حرفها داغهائے سرین ۱۲ [7] محجب = به بیم

درمیاں آمدند مردے چند — کار دانانِ مصلحت پیوند
صلح کردند با توسطِ حال — قیمتِ خواجہ را بہ مبلغ و مال
خواجۂ خواجہ ہم بداں زودی — گشت زآنجا رواں بخشنودی
چند گہ رفت و باز خواجۂ خس[1] — کام دل را بسر فگند ہوس
رفت چوں با دو بادہ کش می بود — در حرم با حرام خوش می بود
رام گفت کہ چند کوشیدم — کآنچہ پوشیدنی ست پوشیدم
لیک چوں خواجۂ مخالف و شوم — ق — کو ز شہوت شدہ است نامعصوم
گشت لابد فسردہ سینہ بر جانم — کاں کنم بر سرش کہ بتوانم
چشم میداشت ہم بریں تدبیر — تا برآماج گہہ رساند تیر
تا یکے روز بود ہم در پے — خواجہ با غمگسار و شہ درمے
شحنہ در کوے می شمرد خراج — زر دمی کرد قلعہ را تاراج
فرصتے یافت رامِ فرصت خواہ — برقع افگند و شد بخدمتِ شاہ
پیش ازاں خود بباز[2]ی دستور — شاہ را گشتہ بود خاص حضور
بارہا در شدی بمجلسِ خاص — گہہ نوازن شدی و گہہ رقاص
گاہ کردے بعشوہ عربدہ — گہہ نمودے بپردہ شعبدہ
چوں درآں روز ہم بہ بہروزی — کرد ہر گونہ مجلس افروزی

---

[1] خس یعنی کمینہ ۱۲ — [2] حجب = زیاری

گفت شاہا بہ بیں کہ من بفسوں — بازیٔ میکنم زپردہ بروں
درفسوں شد عجوزِ شعبدہ باز — داد افسونِ خواب را پرواز
تا بخلوت سرائے عیش و سرور — بانوئی شہ بخفت با دستور
پس اشارت بسوے دیو نمود — کہ برآں خفتگاں دوید چو دود
خواب شاں خود ربودہ بود چو بخت — دیو ہم در ربود شاں با تخت
پس بہ پیشِ ملک برابر داشت — رام زانجا حرارہ[1] بر داشت
چوں نگہ کرد شہ چہ بیند باز — حرمش با وزیر خفتہ بناز
از نوائے ترے ترانہ زناں — ہر دو بر خاستند نازکناں
چوں کشادند چشمِ بستہ ز خواب — شاہ دیدند و بزمگاہِ شراب
محرماں سرنخود فرو بردند — مجرماں خود ز خیرگی مردند
شاہ در خشم شد زما در پیر — گفت کای زرق سازِ پُر تزویر
گر تو در پردہ بازئے بازی — لعبت از پردہ ہائے من سازی
بر تو گر آشکار شد کارے — در نہاں باز گو مرا بارے
نہ چناں کز گزافِ خود رائی — اینچنینم کشی بہ رسوائی
آں کنم بر سرت بپردۂ راز — کت بگرید سپہرِ لعبت باز
رو کنوں تا ز کار سازیٔ خویش — باز مانی ز خواب بازیٔ خویش

---

[1] حرارہ یعنی نعرہ و آواز ۱۲

ایں سخن گفت و کرد اشارت تیغ — تیغ زن تند در رسید چو میغ
چوں چناں دید رامِ برقع بند — برگرفت از قمر نقاب پرند
شہ چو چشمِ اندراں جمال انداخت — صندل آلودہ بود رخ نشناخت
قدرے آب جست و رخ را جست[1] — تا پدر روشناختش بدرست
نعرہ زد چو سوختہ جگراں — گریہ افتاد نیز در دگراں
رام برخاست با دو دیدۂ تر — رفت غلطاں بزیرِ پائے پدر
پدرش گرم در کنار گرفت — فرقش از دیدہ در نثار گرفت
آنگہہ ہجرانِ شاں زہم بگسست — ہر دو خوں گرم بود در پیوست
تا بدیرے بہم در افتادند — بوسہ[2] بر دست و پائے میدادند
چوں دو دل را بہ بہتریں بختے — داد شد دادِ آرزو لختے
ماجرائے کہ بود در دلِ رام — اندک اندک فرو دخواند تمام
آں ز مادر وبال دیدنِ خویش — واں بہ تہمت سفر گزیدنِ خویش
قصۂ کحل و چشم بندیٔ خواب — بازیٔ دیو آدمی بہ نقاب
واں بشہر اندر آمدن مستور — حملہ بردن بسیلیٔ دستور
واں بداغِ سریں گدا ختنش — پس بداں داغ بندہ ساختنش
سرگذشتے کہ داشت چوں ہمہ گفت — شہ ز شادی چو برگِ گل بشگفت

---

[1] حجب = شست
[2] حجب = بوسہ بر روے یک دگر دادند

آں دو نو فتنہ را بکینِ کہن
ہم بدو داد کآنچہ دانی کن

رام زانجا کہ بود با آزرم
بود بر سر فگندہ دامنِ شرم

دادشاں توشۂ فراخورِ خویش
پس بروں کردشاں ز کشورِ خویش

دخترِ خواجہ را نشاندہ بمہد
بر دو آمد بروں ز عہدۂ عہد

شاہ نیزش چو دید کار آگاہ
بولی عہدیش نشاند بگاہ

رام بہ نشست بر سریرِ بلند
کارہا را بنائے تازہ فگند

بود صندل چو سرِّ اسرارش
صندلی شد نمونۂ کارش

تختِ والا ز چوبِ صندل ساخت
کرسیش نیز صندلی پرداخت

داشت زاں پس ہمہ بہ صلح و بجنگ
علم و چتر و جامہ صندل رنگ

رنگِ صندل لطیف تر باشد
تریش دفعِ دردِ سر باشد

ز آبِ صندل بتاں کہ رُخ شویند
ز و طراوت بہ رنگ و بُو جویند

رنگِ خوباں خوش ست صندل فام
خوش بود سروِ صندلیں اندام

چوں ز لب ریخت سروِ صندل سوق
شربتِ صندل و گوارشِ عود

شاہ سینہ بسینہ کردش جفت
صندل آلود سینہ را و بسفت

معطر کردنِ بہرام و زآدینہ بہشتِ ہشتم را و در گنبد کافوری

لہ جب = نہادہ کلاہ لہ ج = بہ رنگ ورد

با بزم آرای خوارزمی لباسِ خیر الثیاب الابیض پوشیدن

روزِ آدینه کز خزانهٔ نور — سر بروں زد شمامهٔ کافور
کرد بهرام با هزار امید — جامه کافور فام چون ناهید[1]
لب پُر از خنده چون گلِ سوری — شد بگنبد سرائے کافوری
به لطافت نگارِ خوارزمے — کرد ترتیبِ رونقِ بزمے
خدمتِ خاص را میاں بربست — همچو هندوئ آفتاب پرست
از لب جام و جام لب بر پے — گاه مے داد گه گوارشِ مے
شاه با آں بهارِ دیده فروز — باده می خورد تا بآخرِ روز
شب چو خورشید بست پردهٔ تار — شد فلک پر ز صد هزار نگار
رونقِ عیش بے مدارا کرد — رغبتِ هر شب آشکارا کرد
گفت با آفتابِ سیمبراں — تا سگالد فسانه چوں دگراں
نازنیں چشمهائے خواب آلود — در کفِ پائے شاهِ عالم سود
گفت کاے خسروِ زمین و زماں — زیرِ فرمانِ تو همین و هماں
تا سپهرِ بلند بر پائے است — نورِ خورشید عالم آرائے است
در جهاں مملکت فزائی کُن — بادشا باش و بادشائی کُن

---

[1] ناهید ستارهٔ زهره که بر فلک سوم تابد ۱۲

چه بود تحفه مورِ بے جاں را — کہ کند پیشکش سلیماں را
لیک چوں دستِ من بذیلِ عطاست — کرمِ شاہ پردہ پوشِ خطاست
نقد کم سکہ را عیار دہم — کاسدی را رواجِ کار دہم
از بزرگی و دانش آگاہی — ق — ایں شنیدم کہ پیش ازیں گاہی

افسانہ گفتن لعبت کافوری بر تقور مزاج و آتشِ بہرام را بآبِ کافور اشتعال دادن

درختن بود فیلسوفے چیست — رازہائے ستارہ کردن درست
خامہ بر تختۂ فلک راندہ — واں ہمہ تختہا فرو خواندہ
وقتہائے شناختہ بہفت — کہ در آرد جمادرا در گفت
راست کردے برہمنونِ حکیم — صورتی زآہن و مس و زر و سیم
گہ نمودی نہفتہ ہائے جہاں — کردی آگہ ز رازہائے نہاں
ساختی مرغ کآمدی بہ نوا — بر پریدی چو جانور بہوا
تیزیِ خاطرش کہ موئی شگافت — وقتی از وقتِ آسماں دریافت
ساخت از روی و مس یکی تمثال — کہ بجنبد و بچیزہائے محال
چوں شد آراستہ نمونۂ چیست — آزمونش نمودو یافت درست

لہ ن = کہ نمودے

پیش فرماندہ دیارش برد | ہنرش گفت بعد ازاں بسپرد
کردہ شہ نیز آزمونِ ہنر | واں ہنر یک یک آمدش بنظر
دادِ سازندہ را خزینہ بسے | کآں خزینہ نداد ہ بود کسے
پس بفرمود کآں صنم بشتاب | برکشیدند پیشِ صفحۂ خواب
چون زہر کار و بار پرداختی | چشم بر وے گماشتی لختی
باز گفتے حکایتے زمحال | در زماں خندہ کردی آں تمثال
خوی آں بادشاہ بود چناں | کز عروساں کشیدہ داشت عناں
خواندہ بود از کتابِ دانایاں | کہ ندارد فریبِ شاں پایاں
خوی شاں خالی از جفا نبود | در دلِ سخت شاں وفا نبود
ہمچو آئینہ در مقابلِ شوے | آہنیں دل بود روشن روے
روزے از میلِ زن شدہ بہ نفیر[1] | ماجرا باز گفت پیشِ وزیر
پاسخش داد مرد کار شناس | کہ خزینہ خطا بود بے پاس
مرد جائے کہ ہوشیار بود | بازنش فتنہ را چہ کار بود
عسس کوے تا بود بیدار | کف دزداں کجا رسد بجصار
چوں بیازار خواجہ مست اُفتاد | زشت باشد ز کیسہ بر نہ زیاد
تو جوانی و طبع پیرت نیست | از نشاطِ حرم گزیرت نیست

---

[1] نفیہ معنی متنفر لیکن دریں بیت بمعنی فریاد آمدہ ۱۲

شاہ کز نسل بے عطا باشد — ملک بے وارثے خطا باشد

بہ کہ جوئی در آرزو راہے — در شبستاں در آوری ماہے

بر یکے نیز بس مکن زنہار — کز یکے کشت سہل خیزد بار[۱]

پادشاہی[۲] تو کم مشو ز خروس — کہ جدا بود از سہ چار عروس

جفتِ خود کن کسے کہ باید کرد — آزموں کن چنانکہ شاید کرد

آنکہ نیک ست خاص کن بجریش — دیگراں را بروں کن از دریش

کردشہ آں فسانہ را در دل — شد بدنبالِ لعبتان چگل[۳]

باز می جست در ولایت و شہر — خبر از مردمانِ دانش بہر

تا کہ دارد ز خسروان جہاں — روے پوشی[۴] بپردہ ہاے نہاں

چوں نشاں یافت از ان نشانہ کہ خواست — ق — وآگہی راست گشتش از چپ و راست

نامزد کرد کاردانا ں را — ہوشمندان و مہربانا[۵] ں را

ہر یکے را بسوئے تاجورے — کار داز سلکِ نسبتش گہرے

باز رو جامہ و جواہر و طیب — خدمتہا و چیزہاے غریب

وانگہی زاں منط کہ فرماں بود — ہر یکے[۶] جانبے رواں شد زود

می نوشتند روز و شب راہے — سوئے ہر شہریاری و شاہے

---

[۱] بار سہل خیزد اے غلہ اندک پیدا می شود ۱۲ — [۲] ج: حجب = بادشاہی مباش

[۳] شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲ — [۴] ۱۵ اے دختر صاحب عصمت ۱۲

[۵] ج = خردہ کاراں — [۶] حجب = ہر کسے

درپسِ پرده رازمی جستند — جستهٔ[۱] شاه بازمی جستند

تا رواں شد بکار خانهٔ بخت — چار دختر ز چار صاحبِ تخت

بازگشتند خوش دل و خنداں — کام حاصل امید صد چنداں

در رسیدند و پیشِ شاه شدند — بزمیں بوسِ بارگاه شدند

تازه کردند شرطِ مند بوس — پیش بردند مهدِ چار عروس

شاه زاں خدمتِ پسندیده — بارِ منت نهاد بر دیده

هر یکے را به زر تو نگر کرد — پایه شاں ز آنچه بود برتر کرد

پس فرستاد با تنعم و ناز — بانواں را درونِ پردهٔ راز

شاه را بود کوشکے چو بهشت — کنگرِ او بر آسماں زده خشت

راست کرده به نسبت دهِ سنجار — چار جانب عمارتے چو نگار

یک طرف باغ - زیرِ سایهٔ شاخ — رودِ آبے رواں بزرگ و فراخ

نرد بانے ز کاخ برده فرود — که رود شاد در کرانهٔ رود

کرد از جانبِ دگر گزرے — باز کرده بپا[۲] نگاه درے

نرد بانے بزیر برده که شاه — سوے آخور[۳] شود گهه و بیگاه

سوئے زاں علف سرائے شتر — اندروں و بروں ز بختی پر

---

[۱] اے مطلوب ۱۲ [۲] پائے گاہ مرکب از پا کہ معروف ست و گاہ بمعنی جگہ۔ اے جائے پائے چہار پایان فارسیان طویلہ اسپان را پا گاہ گویند ۱۲

[۳] آخور بمعنی اصطبل ۱۲

نرد بانے دگر کشیدہ بزیر — تا رسد بر شتر نوازش شیر[۱]
چار می سوے کارخانۂ مے — ساقیانِ چو مہر و مہ دروے
راست کردند برگِ خانہ تمام — چار بت را درونِ چار مقام
شب چو پیرایۂ عروساں بست — راہِ فریاد بر خروساں بست
خاست از بارگہ ملک بشتاب — رفت سوے نگارخانۂ خواب
داد فرماں بساط بوساں را — کآورید ند نو عروساں را
آمد آں شکر لباں و پوش — گیسوئے عنبریں کشیدہ[۲] بدوش
مقنعۂ[۳] ناز در کشیدہ بہ فرق — فرق تا پا میانِ گوہر غرق
ہمہ فربہ بسر بریں و موی میاں — از خرامش میان شاں بزیاں
دُر و یاقوت شاں بگوش بسے — لیک یاقوتِ شاں نہ شنفتہ کسے
زلفِ شاں مشک بر سمن بیزاں — زیرِ ہر موئے صد دل آویزاں
نرگسِ مستِ شاں بفتنہ و فن — پارسا سوز بلکہ توبہ شکن
ہر یکے شوخے و ستمگارے — خانہ ویراں کنے و خونخوارے
شہ چو دید آں چہار چشمۂ نور — گشت ہوش و صبوری از وی دور
ہر یکے را بہ لطف بالا خواند — پہلوئے خویش بر سریر نشاند
کرد لختے بہ لعبہ و بازی — با فسوں خم اندگاں فسوں سازی

---

[۱] مراد از بادشاہ ۱۲ [۲] حجب = فگندہ [۳] چادر باریک کہ یک عرض باشد ۱۲

پس یکے زاں چہار لعبت چیں — از پئے خواب گاہ کرد گزیں
دیگراں خاستند با صد ناز — در شبستانِ خود شدند فراز
شہ چو گل را ز خار خالی یافت — وآنچہ صد سال جست حالی یافت
با شکر خندہ شد بشیرینی — در گل افشانی و شکر چینی
گاہ بر سیبِ سادہ سود انگشت — گہ در آورد نارِ تر در مشت
ناگہاں درمیانِ لالہ و لاغ — ق — کہ گل و میوہ می ربود ز باغ
داشت لختے بہ کف گلِ خوشبوی — سرو گل روی را بزد بر روی
نازنیں شد ز ناز کی بیہوش — شاہ کاں دید بر کشید خروش
زاں عمل کز خرد نبود دشش نور — خندہ زد لعبت[۵۲] طلسم از دور
شاہ لختے بخویش باز آمد — بارش اندیشۂ دگر باز آمد
چوں ازاں بیخودی صنم برخاست — نظرے میفگند در چپ و راست
چشم ناگہ فتاد بر زبرش — وآمد آں نقشِ فتنہ در نظرش
دید رو مینہ پیکرے بر سر — راست کردہ بکیمیائے ہنر
زیرِ مقنع فروغ طلعت جمال — گفت نامحرم ست ایں تمثال
آں نوآئیں خیالِ قہقہہ زن — باز در خندہ باز کرد دہن
بادشاہ از دلِ خیال اندود — در عجب ماند کیں چہ خواہد بود

---

۵۱ از صدمۂ ضرب گلہائے تر بیہوش شدن ۱۲ — ۵۲ تصویرِ طلسم کہ بر محالات می خندید ایں وقت ہم خندہ زد ۱۲

بود تا روز با صبحم به نشاط | راز[1] دل را فسرد و نوشته بساط
گشت چون لعبتِ فلک خنداں | کرد پنہاں عروسِ شب دنداں
آفتابِ شبانہ را فسرمود | جا بہ برجے کہ سوئے آخر بود
وآنچہ نزلے عروس را شاید | شد مہیا چنانکہ می باید
پس بہ فرمود با وکیلِ سرائے | شد بسردِ دگر سر بر آرائے
خود چو شاہاں بر ہمنوئی بخت | ق | با عروسِ دگر نشست بتخت
دید مردم کشتے بناز و خوشی | بوسہ بازی نمود و زلف کشی
ناگہانش کشید در آغوش | پشتش از شقہ[2] کرد قاقم[3] پوش
باز قاقم چو شقہ نہاد برو | خارخارے در افتاد برو
تہ دامانِ شقہ بے صبر | جست زاں تہ چو برقی از تہ ابر
گفت کافگار گشت پشتِ مرا | موے قاقم خلید و کشت مرا
باز شد پیکرِ ہنر خنداں | شاہ را شد خیال صد چنداں
تازہ کرد از طریقِ دم سازی | با غلط بازِ خود غلط بازی
گفت کاحسنت شاد باش آں تن | کہ بود موے قاقمش سوزن
چوں تنت الطافت افزون ست | رو در آئینہ بیں کہ تا چون ست

---

[1] اے راز دل در دل نہاں داشت ۱۲ | [2] شقہ بمعنی پارچہ دجامہ و کاغذ وغیرہ و در منتخب بمعنی جامۂ پیش شکافتہ ۱۲

[3] قاقم بضم قاف دوم جانور یست کہ پوستش بغایت سفید و ملایم باشد و ازاں پوستیں سازند ۱۲

در صنم در گرفت شیوهٔ شاه — آئینه برگرفت و کرد نگاه
شاه رو بر دسوے پہلویش — تا در آئینہ بنگرد رویش
چون صنم عکسِ شہ در آئینہ دید — بادشاہِ دگر معائنہ دید
روی بہفت کیں کدام کس ست — کش بدیدار چوں منے ہوس ست
در چنیں روے کز مہے کم نیست — جز تو عکسِ تو نیز محرم نیست
باز در خندہ شد خیالِ حکیم[۲] — دلِ شہ گشت زاں خیال دو نیم
با صنم ہیچ زاں خیال نگفت — کامِ دل راند تا بہ روز نخفت
قند[۱] زِ شب چو مہ فگند زدوش — گشت سلطان[۲] صبح قاقم پوش
قاقم اندام را اشارت کرد — تا شود سوئے پردہ راہ نورد
جائیگاہش بنظرے فرمود — کہ رہش سوئے ساربانان بود
اتفاقش چناں فتاد آں روز — کہ بود ہم بروز بزم افروز
سومیِ ماہ را بحضرت[۳] خواند — پیشِ خود با ہزار ناز نشاند
گلشنے بود پیشِ منظرِ خاص — بلبلے گردِ ہر گلے رقاص
حوضہ در میانش بستہ ز خشت — ہشت در ہشت ہمچو جوی بہشت

---

[۱] بضم قاف و سکون نون و ضمہ دال مہملہ و زاے معجمہ نام ولایتے قریب ظلمات و نام جانورے سیاہ رنگ مشابہ سگ و مجازا پوست آن را نیز گویند از برہان و سراج و کشف و در لغات ترکی نوشتہ کہ قند نام ولایت ست میان بلخ و بدخشاں و جانور آبی کہ پوست او بغایت گرم بود ۱۲ [۳] جب = طلسم
[۲] یعنی مصرع اینکہ آفتاب گرم شد ۱۲ [۳] جب = بخدمت

ماهیاں درمیانش بازیگر — هر یکے را بگوش حلقۂ زر
کشتیِ ساختہ زپارۂ عود — چوں مہِ نو در آسمانِ کبود
لعبتے چند کردہ در وے ساز — چوں بدریا مسافرانِ جہاز
گشت لختے بہارِ سوسن[1] بوے — در تماشائے باغ و سبزہ و جوے
چوں زگلشن بحوضِ گلشن دید — چشمِ ماہی فراخ و روشن دید
در زماں روے زآستیں نہفت — ق — پس بناز و کرشمہ با شہ گفت
کیں ہمہ ماہیاں در آتش ریز — کہ نگہ می کنند بر من تیز
من کہ از چشمِ مادہ پر حذرم — آنکہ نرشد چرا کند نظرم
ایں سخن باز کاں خیال[2] شنید — خندہ بر داشت کاں محال شنید
ملک آں خندہ را غلط نشمرد — لیکنش ہم بخندہ بیروں برد
گشت باز از رہ فسوں خوانی — با پری چہرہ در سلیمانی
چوں نمود از طریقِ عیش دمے — خندۂ و لاغ با چنیں صنمے
صنمِ لالہ رخ دگر بارہ — بر سرِ حوض شد بنظّارہ
با دنا گہ بسوئے کشتی تاخت — واں ہمہ لعبتاں در آب انداخت
چوں نگہ کرد غرق گشتنِ شاں — ق — واں ز سر آب برگذشتنِ شاں
لرزہ در شخصِ نازنیں اُفتاد — کز چناں لرزہ بر زمیں اُفتاد

---

[1] مراد از معشوقہ سوسن ۱۲ — [2] مراد از ہماں پیکر طلسمی ۱۲

بازد رخنده شد طلسم چناں — کہ ملک از دست رفت عناں
لیک چوں روئے دل بکارے داشت — وانگفت ار بدل غبارے داشت
زد بروے بت رمیدہ گلاب[1] — تا دو چشمش کشادہ گشت زخواب
پس بنقل و شراب جاں افروز — بود با او بخوشدلی ہمہ روز
آخر آں ماہ روے روز نشیں — خواست کش منزلے شود تعییں
گشت فرماں کش آورند فرود — در رواقے کہ بود بر سر رود
ماہ چوں زد بر آسماں خرگاہ — گشت شب پردہ دار خرگہ ماہ
شاہ در خرگہ نشاط نشست — ماہ چارم میاں بخدمت بست
با ہزاراں ہزار زیور و زیب — شد رواں تا بروز شاہ شکیب
دید چوں مسند جہاندار اں — خاک بوسید چوں پرستاراں
بر زمیں کرد پائے خدمت سخت — تا نخواندش نرفت بر سر تخت
سر براہ فرو گندگی می داشت — جاں بہ تسلیم بندگی میداشت
بود در پایہ رضا طلبی — نہ چو دیگر بتاں بہ بو العجبی
تا فروزندہ شد جہاں را ماہ — بود پائیں پرستِ خدمتِ شاہ
صبح چوں بر گرفت جامِ شراب — زنگی شب ز جرعہ گشت خراب
شد بفرمانِ شاہِ سرو جواں — سوئے برجِ شراب خانہ رواں

---

[1] مراد از معشوقۂ بیہوش افتادہ ۱۲

ست ران چارماهِ حورسرشت | کوشکِ چارسو چو هشت بهشت
پس برافروخت شه زشادیِ مغز | داد با خویشتن قراریِ لغز
که بود بعد ازاں بهرماهے | هفتهٔ میهمانِ هر ماهے
با سه همخوابه رغبتش خوش بود | دلش از چارمیں مشوش بود
گفت هست آں سه دُرز درجِ گراں | ناز پرورد تختِ تاجورا ں
چارمیں تخت را نه درخورد ست | چوں[1] گدایانِ برخ پرورد ست
هرکرا پرورش بناز بود | نازنین و کرشمه ساز بود
وانکه خود را کسے نداشت عزیز | چاپلوسی کند بسانِ کنیز
دلش آسود برچنیں غلطے | برخطِ راست برکشید خطے
با سه بانو سه هفته بود دے شاد | از چهارم گلے[2] نکرد دے یاد
یکشب از جام باده مست و خراب | خفته بود اندرونِ خانهٔ خواب
درکنار آں بهارِ دیده فروز | کز گل آزرده شد نخستیں روز
چوں درآمد ز خواب یافت تهی | بسترِ خواب راز سروِ سهی
سر برآورد و دید درچپ و راست | چوں ندیدش ز خوابگه برخاست
سوے هر منظر و رواق دوید | رفت و آنرا که دید نیست ندید
هر عمارت که رفت برسرِ او | دید قفلے نهاده بر درِ او

---

[1] حجب = کز [2] جب = دے

بر درِ نردباں چو رفتہ فراز — دید قفلش فتادہ و در باز

برگرفت از سرانِ[۵۱] خود شمشیر — وز سرِ نردباں دوید بزیر

خویشتن را نہفتہ داشت دروں — وز پسِ در نظر فگند بروں

دید حبشی[۵۲] بندۂ زنگیِ سرمست — ق — از سرِ خشم تازیانہ بدست

برتنے کز گلش رسید آزار — میزد آں تازیانہ را ہر بار

بانگ میزد برآہوا ز شیرے — کہ چرا ماندۂ بدیں دیرے

او ہمی گفت نرم نرم کہ شاہ — تا نخسپد چگونہ گیرم راہ

شہ چو بشنید ماجرائے عروس — سرخ گشتا ز غضب چو خونِ خروس

آمد اندر دلِ حسن دہ بنیاد — خندۂ لعبتِ طلسمش یاد

خواست کز کنجِ در بروں تازد — ہر دو را سر بدامن اندازد

لیکن اندیشہ کرد در دلِ خویش — ق — کیں دو را گر سر افگنم در پیش

لعبتانِ دگر شوند آگاہ — من بر اسرارِ شاں نیابم راہ

باز پس گشت ہم بداں تدبیر — رفت و در خواب شد بروئے سریر

یافت چوں با نواز حریف خلاص — آمد او ہم دروں بہ بسترِ خاص

چوں رہا[۵۳] شد ز دیوِ ظلمت حور — گشت زاں حور عالمے پر نور

---

۵۱ سران اے بالیں ۱۲ ۵۲ خر بندہ اے خادم و سائیس خر ۱۲ ۵۳ حبب = صورت

۵۴ عبارت از طلوع سحر ۱۲

شاه منزل به برجِ دیگر کرد — ماهِ آن برج را منور کرد

باده میخورد با شکر لبِ خویش — راز را مهر بست بر لبِ خویش

منتظر تا بشب کے[۵۱] آید روز — کو شود بر مرادِ خود فیروز

رفت خورشید چون بهوجِ خاک — مه برآمد به تختهٔ افلاک

شاه پیشِ عروسِ شاه پرست — به تکلف نمود خود را مست

بے خبر وار سر ببالش برد — دیده بقفلِ خواب سپرد

چون گذشت از شبِ سیاه دو پاس — نازنیں را بدل نماند هراس

خاست از پهلوے ملک بشتاب — سوے منظر دوید چون مهتاب

گشت در دستِ نفسِ فتنه زبوں — در بیروں کشاد و رفت بروں

سارباں در آں سرائے شتر — بود رہ جوئے آں طویلهٔ دُر[۵۲]

آنچناں صیدے[۵۳] آمده بنشاط — وز پلاسِ شتر فگنده بساط

چون صنم در رسید حسبت زجائے — زلف بگرفت و او فگند زپائے

پس بزورش در آورید بزیر — بر سرِ خارہائے چون شمشیر

پشت کز قاقمے نگارش بود — تکیه بر دورباشِ خارش بود

---

۵۱ اے روز کے شب شود ۱۲ ۵۲ طویله در اصل بیاے معروف ست لیکن فارسیان بیاے مجہول نیز استعمال کنند و آں رسنے دراز باشد کہ بدواں پاے چنداسپاں می بندند و مجازاً یعنی مکان و عمارت کہ در آں اسپاں را نگاہ دارند و طویلهٔ یعنی سلک و رشته مروارید نیز آید و اینجا مراد از طویلهٔ دُر معشوقه دومیں ۱۲

۵۳ ساربان دید کہ آں چناں صید بہ نشاط تمام می آید پس از پلاس شتر کہ سخت و درشت باشد فرش طیار کرد ۱۲

شاہ آں آفتاب را در حال — رفت پویاں چو سایہ در دنبال
چوں تنِ نازکش بدید چناں — گشت موبر تنش ز غصّہ سناں
غیرتش گرچہ بود پردہ شگاف — نیز نشگافت پردہ را بگذاف
سر کشید از وفای ہمسرِ خویش — رفت و در کرد سر بہ بسترِ خویش
ہمسرش کز برش جدائی یافت — آمدہ نیز چوں رہائی یافت
صبحدم کیں عروسِ روشن چہر — آشنا ورشد از محیطِ سپہر
شاہ زاں بت رہِ جدائی جست — با بتِ دیگر آشنائی جست
شد سوئے برجِ آب راہ گرائے — کرد چوں مہ بہ برجِ آبی جائے
با نوائے آب[1] در روشن روئے — ریخت در ساغرِ آبتش خوئی
شاہِ گیتی بکارِ آب نشست — در دلِ دشمن آبگینہ شکست
خوش کسے کاندریں کہن دولاب — آبِ خوش[2] خورد زیں رہِ بے آب
کآب ندہد بکس یکے کوزہ — شیشۂ آب گون فیروزہ
بود تا شب بمجلس آرائی — با مہِ تنگ چشمِ یغمائی[3]
آرزو در کنار روئے در جام — بہ ازیں دولتے کجا و کدام
ریخت چوں ایں سفالِ ریحاں رنگ — چشمۂ آفتاب را بسبوئے

---

[1] حجب = آتش [2] آب خوش خوردن اے مراد خوش حاصل کردن ۱۲

[3] منسوب بہ یغما کہ شہریست حسن خیز در ترکستان ۱۲

بازشه پیشِ ماهِ زرق فروش — خویش رامست ساخت چون شبِ دوش
سر ببالش نهاد بیخود وار — چشم پوشیده و دلش بیدار
چون ز شب نیمه تمام گذشت — مردماں را تگِ خرام گذشت
صنم از خواب گاه رفت فرود — جامه بیروں کشید بر لبِ رود
پیش ازاں رفته بود گاهِ فراغ — کرده پنهاں سبوئے اندر باغ
بستد و زیر کرد و راند بر آب — چوں گلے کو کند مراغه[1] در آب
چوں یک آماج[2] رفت ز آنجا دور — ملک از غیرتش نماند صبور
جامه بیروں کشید و هم در پے — شد بدنبال در نظارهٔ وے
چوں گذارا[3] رسید لعبت سیم — کرد جاں را بکامِ دل تسلیم
هندوئے چوں سگانِ آهو گیر — در کمیں بود بهرِ آں نخچیر
چوں تمنائے خویش در بر یافت — ق — وآنچناں ماه بے قصب[4] دریافت
دروے آویخت چوں مگس در قند — داد مه را باثر دهاں پیوند
چوں بدید آں نظارهٔ خسروِ عصر — با دل خسته باز رفت بقصر
واں پری نیز چوں ز دیو برست — بسلیمانِ خویشتن پیوست

---

[1] مراغه کردن بمعنی غلطیدن ۱۲ [2] مقدار یک پرتاب تیر ۱۲ [3] گذارا آنرا گویند که ازیں کنارهٔ دریا عبور کرده بر کنارهٔ دیگر رسد ۱۲ [4] در خیابان نوشته که قصب بمعنی جامه معرب کسب ست بفتحتین وکاف عربی جامه ست که در هند مشهور ست نوعے از بافتهائے ابریشمی در اینجا از بے قصب مراد عریاں ۱۲

صوفیٔ صبح خیز چرخ زدور — چوں پدیدار شد چو پارۂ نور
شہ رواں شد کہ تا شود بقیاس — چار میں سکّہ را عیار شناس
رفت در برجِ چار میں خورشید — مجلس آرائے گشت چوں جمشید
چوں درآں برج روشنائی یافت — ہمہ سیمائے پارسائی یافت
ہم نشد خوش کہ در دلِ نگراں — تازہ بودش جراحتِ دگراں
نازنیں برقرارِ خدمتِ خویش — ایستادہ چو بندگاں در پیش
می نمود از طریقِ دلداری — ہم حریفی و ہم پرستاری
بود در تازہ چوں گلِ سوری — تا سیہ شد جہان کافوری
شب چو خورشید شد بگوشہ نہاں — وز شغب ماند گوشہائے[1] جہاں
شاہ بر نسبتِ دگر شبہا — مہرِ حکمت نہاد بر لبہا
ساخت خود را چنانچہ دانی مست — وز رخِ دوست دیدہ بر ہم بست
چوں بدو رغبتے نداشت چناں — طبع را سوئے اوندا دعناں
تا ز شب رفت نیمۂ کم و بیش — واں صنم دید خوابِ منعمِ خویش
خاست از خواب و شد بگوشۂ برج — گشت مستور چوں دُر اندر درج
دور کرد انچہ زیب و زر پوشید — جامہائے سپید در پوشید
بتضرّع نہاد رو بخدائے — وز پئے طاعت ایستادہ بپائے

---

[1] اے گوشہائے جہاں از شور و غوغا آسود ۱۲

چوں ذلیلاں بعجز نمے نالید | دیدہ بر روئے خاک مے مالید
شہ کہ بود از کمیں بد نبالش | دید چوں در سلامتی حالش
زاں نہفتہ خدائے خوانیِ او | بیشتر گشت بدگمانیِ او
بر وطن کاں نیایش اندر پوست | از براے فریب ناکیِ اوست
آزموں کردگاہ و بیگاہش | خارِ غیرش ندید در راہش
داشت در سینہ نیک خوئیِ او | دم نزد باوے از نکوئیِ او
زآزمونِ تباں چو دل پرداخت | ہر یکے را چنانکہ بود شناخت
بست دل تا کند بپردۂ خویش | ہر یکے را سزائے کردۂ خویش
گفت با خادمے کہ زود خرام | آورازدر بروں سبوئے خام
رفت پنہاں بباغ زود از زود | خام بنہاد پختہ را بر بود
چوں بہنگامِ خویش سروِ جواں | برلبِ رود شد چو آبِ رواں
از تہِ سرو بن سبو برداشت | راست در زیرِ سروِ دیگر داشت
آشنا کرد و راہ پیش گرفت | رہ سوئے آشنائے خویش گرفت
راست کاندر میانِ رود رسید | از دگر عالمش درود[۵۲] رسید
درگداز ادفتاد مرکبِ خام | بوکیلِ اجل سپرد لجام
در تہِ آب رفت لعبتِ سیم | چوں بدریائے ژرف دُرِّ یتیم

لہ جب = رواں ۵۲ اے اجل پیش آمدہ سلام گفت ۱۲

اخترش طالعِ سیاہی یافت — ماہ منزل بہرجِ ماہی یافت
او شد و کیست کو چناں نشود — بر فلک نیک و بد رواں نشود
ہر کہ از پردہ رُخ نمود چو برق — ز آشنائی چنیں سبو شد غرق
شاہ چوں دل زیک صنم پرداخت — چارۂ بعبتانِ دیگر ساخت
آنکہ از برگِ گل رسیدش کوب — بس بیازرد چوں نبات از چوب
آنچناں زد بتا زیانہ تنش — کہ چو گل پارہ پارہ شد سمنش
ہم بجنسِ بندہ کہ یارش بود — ساخت جفتش کہ سازوارش بود
تا در آخور[1] کہ خوردہ پاک کند — یادِ آں دولتش ہلاک کند
خورد و نوشش چوں بخانہ جو باشد — ہر زمانیش مرگِ نو باشد
وآنکہ پشتیش خراشِ قاقم داشت — ق — دل بدنبالِ ساربان گم داشت
کوفت از خارپائے تا بسرش — تا بہر مو شکست نیشترش
نیل کز نوکِ خار بر تن بود — راست چوں نقشہائے سوزن بود
پس بخواری ز خود کرانش داد — ہم در آغوشِ ساربانش داد
تا چو برگیرد اشتراں را پشک[2] — یادش آید ز بوئے عنبر و مشک
واں صنم کز دلِ بسا مانش — لوثِ شہوت نداشت دامانش

---

[1] چوں در اصطبل خوردہ خراں و اسپاں بروید از یادِ آں تنعم شاہانہ ہلاک شود ۱۲

[2] یعنی سرگین کہ ہندی مینگنی گویند ۱۲

برکشیدش باحترام تمام — بانو بانوان نهادش نام
کرد عهدے که تا بود عهدش — ماهِ دیگر نتابد از مهدش
بسکه آن پاک دامنِ پر نور — داشت جامه سفید چون کافور
شه موافق شد اندراں کارش — گشت کافور گون شبِ تارش
پس ازاں چوں بماہ نامهٔ شاں — بود کافور نام جامهٔ شاں
جامه کافور گوں بباست بساز — کہ لخیر الثیاب[۵۲] یافت طراز
پاک رنگ ست رنگِ کافوری — ناهمارا بیاضِ مغفوری
چوں شود موئے آدمی کافور — موئے او را خدائے خواند نور
روزِ روشن کہ سر بسر نور ست — همه نورش برنگِ کافور ست
شه کزافسانه ماهِ منظورش — داد کافور چوں سقنقور[۵۳] ش
همچو کافور ماهِ زهره تاب — گشت با او یکے ورفت بخواب
بعد ازاں زنده بود تا بهرام — همبریں گونه داشت عشرت وکام
هر شب از گنبدے گذری کرد — عیش در گنبدِ دگری کرد
چند گه زیرِ هفت گنبدِ نور — نشد از عیش هفت گنبد دور
عاقبت هفت گنبدِ گردوں — کرد از هفت گنبدش بیروں

لہ مجب = زخیر الثیاب سفید (کافوری) ست ۱۲

۵۲ در حدیث آمده است خیر الثیاب ثوب ابیض یعنی بہترین لباس ها لباس مقوی باه است ۱۲

۵۳ جانوریست از حشرات الارض مثل سوسمار یعنی گوه نزد اطبا گوشت آں بغایت

نامِ او چوں زگور نسبت یافت　　هم بگنبد سرائے گور شتافت

داستانِ وفاتِ بہرام و آہنگ او سوی گور و در پے گور در چاہ فرو رفتن و در بوستانِ بہشت رسیدن

قصہ پردازِ شاہِ گنبد ساز　　داد در ہفت گنبد این آواز

کہ چو بہرام چندے از دلِ شاد　　راند گنبد بگنبد اسپِ مراد

عاقبت گنبدِ سپہر بزور　　شد کشانش بسوئے گنبدِ گور

داد گنبد[۵۱] کناں و گور زناں　　گور پا را بگورِ دشت عناں

جست چنداں بگور و صحرا راہ　　کہ در افگند گورش اندر چاہ

روزی از بس کہ دل بگورش بود　　سوے پہلوے گور شورش بود

با مدادان پگاہ گشت سوار　　راند بیرون بحبت و جوئے شکار

باد پا را بہر طرف در گشت　　میدوانید ہمچو باد بدشت

کردی آں سو کہ کرّہ[۵۲] راندی تند　　پائے آہو زرہ بریدان کند

تیرِ آہو کشش زدی بصریر　　نغمۂ ہندوانِ آہو گیر

زاں سنانِ تیر میزد از ہر سو　　گلّۂ گور و جستۂ آہو

اندراں جستہ و گلہ پیوست　　اشقرش پائے کوفت دست ببست

---

[۵۱] گنبد کردن نوعے از جہیدن آہو و اسپاں ۱۲　　[۵۲] بضمہ اول بچۂ اسپ ۱۲

از خدنگِ وے ارچہ در ہر جائے — آہواں می شدند کوتہ پائے
لیک او میل جز بگور نداشت — گور پیشش بہ پویہ زور نداشت
تا دریں جنبش از سرِ زورے — خاست از پیشِ آہویش گورے
طرفہ گورے دو دیدہ چوں پرِ زاغ — راست چوں در سرانِ گور چراغ
سخت پے چوں کمانِ محکم ساز — خانہ کوتاہ و گوشہائے دراز
یال آزادہ از عناں تازی — گردنش فارغ از سناں بازی
پہلوش زیر چرمِ گلناری — چوں کماں زیرِ توزِ بلغاری[۱]
از خرامش خراش در سینہ — زدہ با کوہ و دشت سر سینہ
شکم از خطِ سبزہ بردہ برات — از بروں سبزہ در دروں حیوانات
خطِ پشتش درست و نسخہ باد — راست بایاد باز خواندہ سواد
در کفلگاہ گردِ روشنِ او — گرد گشتہ لطافتِ تنِ او
بستہ از خیزراں و صندل طاق — صندلی راں و خیزرانی ساق
جانِ شیراں بہ پنجہائے دمش — کحلِ گوراں بجھتہائے سُمش
کلکِ پایش چو جامۂ چالاک — نصف صفرش رقم تتمۂ خاک
تیز گامے چو آسمانِ کہن — تیز پائے زبا[۲] کردہ سخن

---

[۱] جب = آہو ۔ [۱] بضم واو مجہول نام پوست و خیتیست کہ مثل پے بر کمان وزیں بکار برند و بلغار بضم اوّل نام شہریست نزدیک ظلمات آباد کردہ اسکندر ۱۲
[۲] ل = بے زبانے

بسکہ ہمچوں خیال بود بچشم — می نمود و نمی نمود بچشم

دیو نقشے کہ دل کند شیدا — گاہ پیدا و گاہ ناپیدا

نہ بُدا و جانور ببزہ و برگ — دیو جاں بود بل فرشتۂ مرگ

گور در پیش می شتافت دلیر — شہ بدنبال میدوید چو شیر

زاشقرش خوی دراں شتاب چکاں — آتشے میدوید آب چکاں

شہ عنان را بدو رہا کردہ — بادرازدو وال پا کردہ

ہر خدنگے کہ سوئے گور کشاد — گور گنبد[۱] زدو خدنگ اُفتاد

تیر کز مود رست جستی صاف — مو نخستی از و بگاہِ تشگاف

شہ براں گور میزدش بشکوہ — در نمی شد در و چو مو در کوہ

زاں خطا ہا سوارِ قادر دست — جست میزد چو تیر شست بشست

ناگہ از پیش چاہے آمد تنگ — در فتادن نداشت گور درنگ

تو سنِ شاہ نیز در پئے گور — رفت[۲] در چاہِ گور را کور

آنکہ دہ میل زاں دو بینش نور ق — سرہ[۳] کردی زمیں تقلب زدور

از قضا کور شد کہ پیش ندید — چاہ را زیرِ پائے خویش ندید

ہست در چرخ کحلِ ایں ہمہ کا — بہرِ بینائیِ اولی الابصار

---

[۱] گنبد زوا ے بست کرد ۱۲ — [۲] ج = رفت در چاہ و شاہ شد در گور

[۳] اے تحقیق کردی ۱۲

گور پویاں کہ سوئے چاہ آمد — گور[1] بود آں کہ سوئے شاہ آمد
آنکش از چاہِ کور شور افتاد — عاقبت ہم بچاہِ گور افتاد
ارچہ در گور کس بزور نرفت — کیست آں کو بچاہِ گور نرفت
انجمن شد چو گرد رخنہ سپاہ — مہ فرو رفتہ بود در بُنِ چاہ
دلوہا بستہ شد بحبلِ امید — برنیامد فروشدہ خورشید
آفتابے کہ گشت خاک نشیں — آدمی کے برآردش ز زمیں
آنکہ از چہ خیالِ[2] ماہ کشید — ماہِ سیماب را ز چاہ کشید
آں نہ چہ بود بلکہ غارے بود — تا بُنِ چاہ میل واری بود
چوں تنورِ نو از سیہ تابی — چوں کہن دوزخے ز بے آبی
در چپ و راست غارہائے کہن — قعرِ ہر غار نا پدید ازیں
اسپ دیدند پرزکوب و شکن — کوفتہ باد چہ رخ درہاون
برگرفتند از زمینش چناں — استخواں آرد بود در زباں
باز جستند سو بسوئے بسے — از سوارش نشاں نداد کسے
از شگافندگاں بگردِ مغاک — کاوکاوے دراوفتاد بخاک
ہر یکے آہنے گرفتہ بدست — جگرِ گل دروں دروں می خست

---

[1] گور در مصرعہ ثانیہ بمعنی قبر ۱۲ [2] دریں شعر اشارہ بسوئے حکمت حکیم مقنع ست کہ ماہی از سیماب ساختہ از چاہ آوردہ بود لیکن بہرام در چاہے کہ افتادہ بود او پایاں نداشت پس چگونہ برآید ۱۲

پارہ کردند دریکے فرسنگ — زخمہائے فراخ و فرجۂ تنگ

سرمتین[۱] بقعرِ آب رسید — چشمۂ آرزو نگشت پدید

زآتشِ سینہا دراں زاری — چشم سیماب[۲] گشت پنداری

ارچہ سیماب[۳] ریخت دیدۂ تر — کیمیارا کسے نداشت خبر

ایں چنیں گنجہا نشست بخاک — کہ تواند کشید نش زمغاک

وانکہ[۴] ایں اژدہا کشد بدمش — کے تواں برکشیدن از شکمش

آید آں کآمدیش ہست براز — رفتنی را کسے نیارد باز

خورد خونہائے خلق خاک بسے — نہ یکے خوں ازو نخواست کسے

ساقیا آں مے کہ در زمیں ریزیت — چوں کشد چوں بخاک باز آمیزیت

گر بعنبر بال کس ببیزد خاک — برنیابد نشانِ مردمِ پاک

خاکِ بہرام جمع ہستند تمام — بہرہ زاں خاک بود نے بہرام

بازگشتند مرد ماں زاں غار — دیدہ پر آب سینہ پر زغبار

رفت گوہر زمشت و خاک بمشت — زاں عجب ماند در دہاں انگشت

چند روزے بغم خروشیدند — جامہائے کبود پوشیدند

---

[۱] متین بکسر میم و یائے مجہول و کسر فوقانی میخ ست آہنی کہ بداں در سنگ شگاف اندازند ۱۲

[۲] اے از کثرت گریہ چشم مردماں سیماب گشت اے سفید شد یعنی کور گشت ۱۲

[۳] سیماب ریخت اے اشک ریخت دو رمصرعہ ثانیہ از کیمیا مراد بہرام ۱۲ ☞ ج = بسے ست

[۴] م ۱ و از زمین ۱۲

آخر الامر دل ز گم هوشی — داد شاں دار و ے فراموشی

بیں دریں چہ کہ بہر ما کندند — زیں فراموش گشتگاں چندند

چرخ گورست نیلگوں سابی[۱] — دانی آخر کہ نیست بے سببی

کس ز گیتی کجا خبر یابد — مشتِ قلّاب را کہ در یابد

عمر آب ست شخصِ مردم دام[۲] — کش چو دام ست رخنہ ے مسام

زو چو رفت آب ہر کجا خواہی — دیر نبود ز مردنِ ما ہے[۳]

کہنہ گورے ست گور باناں را[۴] — گور خاں ست گور خانہاں را[۵]

ایں مقرنس رواقِ بے سر و بن[۶] — بر سرِ گور گنبد ست کہن

اندر ایں گنبد آنکہ محرم گشت — غلغلے کرد چند روز و گذشت

آنکہ او خود گلے ست مقدارے — خانہ سنگیں چرا کند بارے

زندگاں را بود در و دیوار — مردنی را چہ کار با ایں کار

قلعۂ طینت ار چہ چست افتاد — زود ویراں شود چو سست افتاد

چوں رسد سیلش از محیطِ کبود — مرد و بالاش زیرِ خاک چہ سود

---

[۱] پوست و لباس ۱۲ [۲] اے ذات و وجود انساں ۱۲ [۳] درینجا مراد از ما ہے روح انساں ست ۱۲

[۴] گور دوم بواو مجہول بمعنی عیش و عشرت و شراب و بان بمعنی نگاہ دارندہ الف و نون جمع پس معنی گوربانان اربابِ عشرت و شاہان جلیل القدر ۱۲

[۵] گور خاں لقب بادشاہ ختا و ختن و خان اوّل بمعنی خانہ ۱۲

[۶] مقرنس بضم میم و فتح قاف و فتح نون عمارتیکہ آنرا بصورت قرناس ساختہ باشند و قرناس بالضم بینی کوہ و مرکّب از مقرنس عمارت بلند و بناے عالی و رواق بمعنی سقف ۱۲

روزگار اندرونِ ایں چہ پست — جاں طلب میکند چراغ بدست
چہ برد دزد تا کہ شمع نمرد — طرفہ دزدی کہ شمعِ روشن برد
گرچہ مرگ از جفا ستیزہ گرست — بیوفائی عمر ازاں بترست
گل ببیں خشک بر سراچۂ گور — آں گلِ خشک را نگر تہ گور
ورقِ گل بگور خنداں را — پند نامہ است کاردانا ں را
لالۂ ترکہ رنگِ خوں دارد — خوں زروہائے لالہ گوں دارد
یا رخ از خونِ آدمی شستست — یا خود از خونِ آدمی رستست
تن کہ خواہد گذاشت ہر چہ کہ داشت — نیکبخت آنکہ نامِ نیک گذاشت
آن بنا کن دریں کہن بنیاد — کز تو خلقے کند بہ نیکی یاد
از پسِ مرگ یادِ نیک برند — وز پئے مرگِ مرد غم بخورند
آنکہ نامرد ہست و بے تمیز — مردہ باشد بزندگانی نیز
بانگ شورے کہ میزنند برو — لعنت ست آنکہ می کنند برو
پس خنداں باش کز تنِ پاکت — آفرینہا کنند بر خاکت
دوستاں کز پئے تو در شورند — با تو ہمراہ تا لبِ گورند
ہست تا خاک ہمرہِ تو بسے — نیست در خاک ہمرہِ تو کسے
پس ورا یاد کن کہ جاں بخشد — مردنت عمرِ جاوداں بخشد

لہ حجب = ہردمت

دانکہ زینگونہ شد مسیح نفس — درصفِ اہل دردیابی وبس
خسروا پائے نیک مرداں گیر — با مسیحا نفس زپیش نمیر
بایدت خانۂ حیات درست — از خضر باید آبِ حیواں جُست
خواہی از خاک برسپہر خرام — خاک شو زیرِ پائے شیخِ نظام

در تمام شدنِ عمارتِ ہشت بہشت وسیراب گشتنِ مناہلِ لطائف و برآمدنِ نہالہای نامی و دررسیدنِ میوہای جانی و مُرغانِ بی نوا را آواز دادن وبہارِ عام صلا گفتن و از شاخِ امرودِ خام بر شکستن و دوستانِ جانی را بفاکہۂ کثیرۂ لامقطوعہ ولاممنوعہ سراپا برخورداریِ کام ازانی داشتن و صادر وواردرا بدیں خلدِ نعیم دعوت کردن

چوں شد آراستہ بنقش و نگار — روے ایں کارگاہ جادو کار
کرد دردیدہ مشتری جایم — دآسماں بوسہ داد برپایم
دید رضواں زہشت خلدِ بریں — ہشت خلدِ بریں بروئے زمیں

از نسیمش کہ مغز پرور گشت — مغزِ روحانیاں معطر گشت

شربتش ذوقِ سلسبیلی داد — خامہ را پرِ جبرئیلی داد

زیں مروق[۵۴] رحیقِ نوش گوار — عقل ہم مست گشت و ہم ہشیار

ایں مصفّا زجاجۂ مے ناب — کہ رود جاں ز بوے او در خواب

از ارم ساغرے ست پر ز نسیم — بل ارم خانہ ایست پر ز نعیم

از مے نو بہ نزہت و رونق — مثلہا فی البلاد لم یخلق

خانۂ خاکِ او عبیر سرشت — خانہاے دگر دروچو بہشت

ہمہ بیتش بگاہِ عرض شمار — سہ صد و پنجہ و دو و سہ ہزار ۳۳۵۲

سال ہجرش یکے و ہفصد بود — کیں بنا بر د سر بچرخ کبود

گر بقا را بنائے محکم نیست — چوں من ایں خانہ ساختم غم نیست

زیں ہنر نامۂ ہمایوں ساز — ہر خطے زندگانی ست دراز

ایں نمونہ کہ نقشِ پرکار ست — از طرازِ کہن[۵۱] نمودارے ست

ہر چہ در گنج پیش پنہان ست — ہم عیارش درونِ ایں کان ست

آں زرا رچہ سرہ[۵۲] است معیارش — نیست جز دہ دہی[۵۳] من یارش

پوست گرچہ چو مغز شیریں نیست — بہتر آں مغز را پوست بہ زیں نیست

---

۵۱ مراد از مثنوی ہفت پیکر مولنا نظامی ۱۲ ۵۲ سرہ بفتحتین وتخفیف در فارسی بمعنی خالص و پاکیزہ و بے عیب ۱۲ ۵۳ بفتح ہر دو دال و یاے معروف بمعنی خالص و کامل عیار و زر کہ در آتش نہند مطلقاً ازاں سوختہ نشود و کم نگردد ۱۲ ۵۴ مروق صاف کردہ شدہ کہ اصلاغش در و نبود و در حیق شراب خالص ۱۲

گرچہ ایں دارد انگبیں کارے — سرکہ را ہم بود خریدارے
گرچہ گوہر بقیمت ست عزیز — قیمتی ہست کہربا را نیز
دُربتاجِ ملک بود شایاں — گوشِ ماہی بزعفراں سایاں
ایں رقم کاندرو صفائی ہست — گرچہ زرنیست زرنمائی ہست
نکند گرنشاطِ زیرک تیز — ابلہاں را بود فریب انگیز
گرہمہ کس گزیدہ باشد و اہل — کس چو من نیز باشد آخر سہل
آنکہ باشد چو من تہی مایہ — بوکہ ریزد بدیں رقم سایہ
خوش بود گل فروش را بستاں — خارکش را ہوائے خارستاں
مرغِ صحرا کہ سنگ خوار باشد — سنگش از دُر عزیز تر باشد
نوبتی کز دہل نیاید تنگ — دردِ سر خیزدش ز نغمۂ چنگ
چوں شتابندہ راگہ و بیگاہ — رفتنی شد ازیں تماشاگاہ
ہست در زیرِ کاخِ فیروزہ — آدمی میہمانِ دہ روزہ
نیکبخت آں کسے کہ در انجام — زندۂ جاودانہ گشت بنام
آنچہ مقصودِ آدمی زاد ست — نامِ نیک ست و آں دگر باد ست
وانچہ زاں نامِ مرد ماند دیر — سخن ست و نہ خامہ نے شمشیر
گر کسے را بود جواہر و گنج — بیش زاندیشۂ جواہر سنج
یا زند بر بساطِ سلطانی — ملک را سکۂ سلیمانی

یا برآرد بگاہِ سر فگنی — سر بروئیں تنی و تہتنی
چوں فرورفت قالبش در خاک — نام او گرد و از دو رقہا پاک
چند گاہے چو درمیاں اُفتاد — ہیچکس را از و نیاید یاد
مگر از نامۂ سخن سازے — کہ بماند بعالم آوازے
ایں ورق کز نشاط دارد بہر — یادگارے ست از من اندر دہر
چند بایست سینہ سوزی کرد — کہ شد ایں در آبِ حیواں خورد
پختگاں را اگر نماید خام — ہست پختہ بکامِ من ناکام
ہر کسے را بکارِ خویش ہش ست — کس نگوید کہ نازِ[۱] من ترش ست
زنگی ار چہ سیام فام بود — نزدِ مادر مہِ تمام بود
گر قبولی ز غیب یارش گشت — سکّہ تا محشر استوارش گشت
چوں شد ایں نامہ در زمانہ عزیز — نامِ من زو عزیز گردد نیز
وگر افتد ز میلِ دلہا دور — خود بماند ز چشمہا مستور
پیشِ بدگوے کو پشیم[۲] باشد — عیب[۳] پوشی ہماں بسم باشد
زیورے را کہ گم شد اندر خاک — کس چہ داند ز رست یا خاشاک
گوہرے کاں بدرج رودے نہفت — جوہری قیمتش چہ داند گفت
کاش کیں بحر رودے پوشیدہ — ماند از چار سوئے پوشیدہ

---

[۱] حجب = دوغ ۱۲ [۲] انار ۱۲ [۳] اے پسِ من ۱۲ [۴] حجب = پردہ پوشی

تا بماند بروزگارِ دراز — ناقصاں را بخندہ دنداں باز
شورِ ایشاں زمن رباید خواب — شاں بغیبت گری و من بعذاب
گفتہ اند آنچنانکہ باید گفت — کز پسِ مردہ بد نشاید گفت
آنکہ درماکند ببد سنگے — آخر او نیز مردہ خواست گے
ہر کہ گفت از جفا چو بے ہنراں — بشنو و بعدِ مردن از دگراں
گنبدِ پر صدائے خالی ساز — ہر چہ گوئی ہمانت گوید باز
چوں بد و نیک را جزائے ہست — گفتہ ناگفتہ را سزائے ہست
گرچہ ایں گلشنِ مدور کار — ہست در بوستانِ عقبیٰ خار
لیک گر عفوِ[۱] کردگار بود — خارِ من جملہ لالہ زار بود
دارم امیدِ رحمتِ جاوید — چوں تواں گشتن از درش نومید
چوں کمند رحمتش مدارائے — چیست حرفِ سیہ بدریائے[۲]
مایہ گر عودی ست و گر بیدی — کفر باشد رضا بنومیدی
چوں امیدم بکف سپردہ عناں — رستم از حربۂ درک[۳] فگناں
ہر چہ کردارِ من زپیش و پس ست — عذر خواہم ہماں امید بس ست
یارب ایں نوعروسِ زیبا را — کہ برد آب نقشِ دیبا را

---

[۱] جب = عون [۲] یائے عظمت اے مقابل دریائے عظیم ۱۲

[۳] دَرَک بفتحتین طبقہ دوزخ ۱۲

جلوهٔ ده بچشمِ دانایاں — کہ دل و دیدہ را بود شایاں
خاص گردانش در دلِ ہمہ کس — ہم بریں نکتہ ختم کردم ہیں

در شکر گزاری حق تعالیٰ

شکر حق را کہ از خزانۂ غیب — ریخت چنداں جواہرم در جیب
کہ ازاں نقدِ قیمتی بستہ سال — کردم ایں پنج گنج مالا مال
در ہر گنج کش فرو بستم — کیمیائے دگر در و بستم
داند آنکس کہ سنجد ایں گفتار — کیمیائے مرا بوزن و عیار
نیست اندیشہ گر بداند یشے — رگِ بے رنج را زند نیشے
کز ملل ہر چہ دیدم از تمییز — چیدہ ام معنوی و لفظی نیز
راست کردم ہر آنچہ روشن گشت — راست و روشن[1] دل از خطا نگذشت
وآں خطا کاندر و گماں نرسد — دل ز پوشیدگی بداں نرسد
یک یک ایں پنج نامہ تا پایاں — عرض کردم بچشمِ دانایاں
ہر کسے را چنانکہ روئے نمود — در بد و نیک گفتگوے نمود
ہر چہ بینندہ راست را خم دید — بجوابِ سخن فراہم دید
وآنکہ در گفتن از دلم کژ خاست — راست گو چوں نمود کردم راست

---

[1] دل موصوف و راست و روشن بصفت ۱۲

زیں همه ناقدانِ نکته شناس — هر کسے زود دمے بوهم و قیاس
لیکن آں کاندریں خزائنِ پُر — مهرهٔ قلب دور کرد ز دُر
نیست الّا که آں جهانِ علوم — که شدش هر چه در جهاں معلوم
آسماں عالمِ زمانش خواند — دهر علّامهٔ جهانش خواند
چوں فرو شد در و کمال اندیش — از کمالش فرو شد اندر خویش
بوحنیفهٔ سراجِ امّت بود — نور افزائے دین و ملّت بود
مجتهد در خلافِ نکته کشی — مالکِ فقهِ کوفی و مدنی[۵۱] شی
بس که در علم راست تدبیرست — راستی هم شهاب و هم تیرست
راستی ساکن اندر و بصواب — راست همچوں الف میانِ شهاب
چوں ازو موج زد کلامِ احد — نَفِدَ[۵۲] الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ
روشن اندر دلِ چو مصباحش — کشفِ کشّاف و فتحِ مفتاحش
رقمِ عنبرینش برکافور — از بروں سود خال[۵۳] دروں سونور
او شهاب و دلِ تمنش ز اخبار — نیّرینِ مشارق الانوار
از تمامِ فنون و فضلِ تمام — غیرتِ[۵۴] بحتری و بوتمّام
گاهِ تحریر گر به بیتِ عتیق — ق یافت اشعارِ تازیاں تعلیق

---

۵۱ مراد از امام ابوحنیفه و امام شافعی رحمهما ۱۲ ۵۲ تمام خرچ شود و دریا قبل ازاں که کلام احد تمام شود ۱۲
۵۳ دخان و نور نام سورهاے قرآن نیز هست از کافور مراد صفحات کتاب که سفید اند و از رقم عنبرین مراد سواد تحریر ۱۲
۵۴ غیرت بحر و زر چو خرچ تمام ۱۲

شعر او را کہ مطلع نور ست — جائے تعلیق بیتِ معمور ست
موجِ بحر ست در عطا رقمش — تیرِ چرخ ست بر خطا قلمش
در تشابہ یقینِ او اعلیٰ ست — در تناسخ درستِ بو اعلیٰ ست
چرخ چوں راست کرد دستارش — بست عزّ اللّٰہی بہ تارش
گر کند سوئے آں عمامہ نظر — مشتری را فتد عمامہ ز سر
حکمتش داد از بس افزونی — ملکِ بقراطی و فلاطونی
در الٰہی فنش نہ در حدِ کس — حدِ او ہم آلہ داند و بس
در طبیعی شناختہ بتمام — رازِ مولودِ عنصر و اجرام
در ریاضی بیک صریرِ قلم — باز کردست گوشِ جذر اصم
عقلیش از قیاسِ عقل بروں — نقلیش از مقامِ نقل فزوں
دُرِّ مبسوط[۵۴] در یکے مشتش — صد اشارت[۵۵] در ہر انگشتش
ہر چہ در دہر نقشِ دانائی ست — دلِ او را بر اں توانائی ست
او چو ابرِ کرم بفرقِ جہاں — زیرکاں چوں صدف کشادہ دہاں
نورِ دل چوں بعالم افگندہ — سایہ بر کارِ من ہم افگندہ
من بدو عرض کردہ نامۂ خویش — او باصلاح راندہ خامۂ خویش

---

۱۲ حجب = بے خطا ۵۴ مبسوط نام کتاب فقہ نیز ۱۲ ۵۵ نام کتاب شیخ بوعلی سینا کہ در فنِ حکمت ست ۱۲

دید ہر نکتہ را رقم برقم — رنج برخود نہاد و منت ہم
نظرِ تیز کرد موئے شگاف — نے بعمیا نظارۂ بگزاف
گرچہ چوں دوستاں پسندیدہ — لیکن از چشمِ دشمناں دیدہ
دیدۂ خصم عیب کوش بود — دیدۂ دوست عیب پوش بود
دید چوں دشمناں دریں دفتر — تا ہمہ عیب آمدش بنظر
چوں ہمہ عیب دید دشمن وار — شست چوں دوستانِ آئینہ دار
کلکِ او تیرِ راست را بگماشت — کہ دریں روضہ آہوئے نگذاشت
چوں شد آہو ہمہ نشانۂ تیر — چہ غم ست از سگانِ آہو گیر
زیں دقایق کہ شد ز مغز شتوپست — مو بمو شعر بیز کردۂ اوست
شمعِ من یافت ضیا از وے — مسِ من گشتہ کیمیا از وے
ہر چہ او گفت من نہادم گوش — بر کشیدم مگس ز شربتِ نوش
و آنچہ بنمود و من نجستم پے — عیبِ آں بر من ستنے بروے
گر بماندہ ز دشنہ اش جائے — بے خسے نیست ہیچ دریائے
جز ہنر بیں ازو نیاساید — عیب جو را ز عیب کم ناید
صد ہزار آفریں بر آں دلِ پاک — کہ بروں برد زیں چمن خاشاک
آنچہ او دید تا[1] نہایت دید — خس و خارے ز گلشنے برچید

---

[1] جب = بے

آنچہ ماند از نظر بپردہ نہاں ہم نہاں دارد ش خدائے جہاں

یارب او چوں زپیچ نامۂ من ق بردہ بیروں خطائے خامۂ من

نامۂ او کہ حرزِ جانش باد در قیامت خطِ امانش باد

